جلد نمبر ۱۳

13

جلد نمبر 13

انوار النجف

سُورَۃُ الجَاثِیَۃ

یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کا دوسرا نام الشریعہ بھی ہے ۔ یہ سُورہ دخان کے بعد اتری اور اس کی آیت نمبر ۱۵ مدنی ہے اور آیات کی کل تعداد بسم اللہ سمیت ۳۸ ہے ۔

جو شخص سورہ جاثیہ کو پڑھے گا بروز قیامت حساب کے وقت کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوگا اور اس کی شرم گاہ مستور رہے گی ۔ (مجمع البیان)

بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جو سُورہ جاثیہ کی تلاوت کرے گا وہ جہنم کی آگ نہ دیکھے گا اور نہ اس کے شعلوں کا بھڑکارسنے گا ۔

خواص القرآن سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے وہ ہر جابر سرکش حکمران کے ظلم سے محفوظ رہے گا اور اس کا رُعب قائم ہوگا اور ہر دیکھنے والے کی نظر میں محبوب ہوگا ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے وہ ہر چغلخور کے شر سے محفوظ ہوگا اور اس کی غیبت نہ ہوگی اور نئے پیدا ہونے والے بچے کو اگر اس کا تعویذ باندھا جائے تو وہ باذن پروردگار ہر آفت و مصیبت سے محفوظ رہے گا ۔

(البرہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

حٰمٓ ﴿۲﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۳﴾ اِنَّ

حٰم اتارنا کتاب کا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب و دانا ہے تحقیق

فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴﴾ وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا

آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں مومنوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہارے پیدا کرنے میں اور جو کچھ

یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵﴾ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ

اُس نے پھیلائے ہیں زمین پر چلنے والے جانوران میں نشانیاں ہیں یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اور شب و روز کے اختلاف میں

وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا

اور جو اللہ تعالےٰ نے اتارا آسمان سے رزق پس اس کے ذریعے زندہ کیا زمین کو بعد موت کے

وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۶﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ

اور ہواؤں کے چلانے میں نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کے لئے یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جو ہم تلاوت کرتے ہیں تجھ پر

رکوع نمبر ۱ - توحید کا بیان اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ یعنی جس طرح کوئی معمولی سے معمولی مصنوع بغیر صانع کے نہیں ہو سکتا تو یہ آسمان و زمین اور ان میں بسنے والی ہزاروں اقسام کی مخلوقات اور شب و روز کا ردّ و بدل ہواؤں کا تغیر اور بارشوں کا نزول وغیرہ یہ سب بغیر کسی حکیم و مدبّر اور خالق و صانع کے کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ معصوم سے مختصر لفظوں میں اس کا استدلال یوں منقول ہے کہ جب اُونٹ کی مینگنی اونٹ کے گذرنے پر نشانِ قدم کسی جانے والے پر دلالت کرتے ہیں تو اتنا بڑا نظامِ عالم اپنے خالقِ حکیم پر کیونکر دلالت نہیں کرتے؟ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ توحید پروردگار کی دلیلیں اُس کی مخلوقات کی تعداد کے برابر ہیں کیونکہ اُس کا مصنوع اپنے صانع حکیم کی عظمت و حکمت و جلالت کا پتہ دیتا ہے - اور مسئلہ توحید اہم مسائل میں سے واضح مسئلہ ہے جس کا انکار سوائے سرکش و عنید کے اور کوئی نہیں کر سکتا -

وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ - ان کے اختلاف سے مراد یا تو ان کا گھٹنا بڑھنا ہے یا ایک دوسرے کے بعد آنا جانا ہے - اور یا نور و ظلمت کا فرق مراد ہے اور ہر صورت اپنے خالق حکیم اور صانع مدبّر کے وجود کا پتہ دیتی ہے -

مِنۡ رِّزۡقٍ - آسمان سے اُترنے والی بارش اللہ کو رزق سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اس کی بدولت زمین کی آبادی اور اسکی سرسبزی

بِالْحَقِّ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَیْلٌ لِّکُلِّ

حق کے ساتھ پس وہ کس بات پر اللہ اور اس کی آیات کے بعد ایمان لائیں گے ؟ ویل ہے ہر بہتان تراش

اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ ﴿۷﴾ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتْلٰی عَلَیْہِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَکْبِرًا

گنہگار کے لئے جو اللہ کی آیات کو سنتا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں پھر ڈٹ جاتا ہے تکبر کرتے ہوئے

کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْہَا فَبَشِّرْہُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۸﴾ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا

(کفر پر) گویا کہ اس نے کچھ نہیں سنا پس اس کو خوشخبری دو دردناک عذاب کی اور جب جانتا ہے ہماری آیات میں سے کچھ

شَیْئَا اِتَّخَذَہَا ہُزُوًا اُولٰٓئِکَ لَہُمْ عَذَابٌ مُّہِیْنٌ ﴿۹﴾ مِنْ وَّرَآئِہِمْ

تو اس کو مسخری بنا لیتا ہے ایسے لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہو گا ان کے پیچھے

جَہَنَّمُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْہُمْ مَّا کَسَبُوْا شَیْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ

جہنم ہے اور ان کو نہ فائدہ دے گا جو انہوں نے کمایا کچھ بھی اور نہ وہ جو انہوں نے بنا لئے

وشادابی رونما ہوتی ہے جس سے اللہ کی اکثر وبیشتر مخلوق کے رزق کا سامان فراہم ہوتا ہے۔

تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ ۔ ہواؤں کی تصریف سے مراد یا تو شمال جنوب اور صبا و دبور کی ہواؤں کا مناسب مواقع پر چلنا ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ بعض ہوائیں رحمت کا پیغام لاتی ہیں اور بعض باعث عذاب بن کر چلتی ہیں۔ اور یہ سب قدرت پروردگار کا کرشمہ ہیں۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ ۔ یعنی اللہ کی فرمائشات اور اس کی آیات کے بعد اور کونسی شے ہے جس پر وہ ایمان لائیں گے اور تلاوت کا اصل معنی ہے ایک کے بعد دوسری کو فوراً اس کے پیچھے لانا چنانچہ تالی پیچھے آنیوالے کو کہا جاتا ہے یہاں تلاوتِ آیات سے مراد ہے مسلسل آیات کا لانا اور اسی مناسبت سے قرآن کے پڑھنے کو بھی تلاوت کہا جاتا ہے۔

وَیْلٌ ۔ یہ بددعا کا کلمہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جہنم میں ایک وادی ہے جس میں گرم پانی اور پیپ بہتا ہے۔

اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ ۔ ہر وہ شخص جو جھوٹا اور بہتان تراش ہو وہ افاک کہلاتا ہے یہ افک سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اس کے بعد ہر وہ شخص جو نبوت کا یا امامت کا ناحق دعویٰ کرے وہ اس کا مصداق ہے

وَاِذَا عَلِمَ ۔ ایسے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو دیدہ دانستہ طور پر حق کی مخالفت کرتے ہوئے لوگوں کو شبہات میں مبتلا کرتے ہیں چنانچہ ابوجہل کا مکہ میں یہی دستور تھا۔ جب یہ آیت اتری کہ گنہ گاروں کے لئے دوزخ میں زقوم خوراک ہو گی تو اس نے کھجور پر مکھن ڈال کر لوگوں کو کہا کہ یہ وہ زقوم ہے جس سے ہمیں محمد ڈراتا ہے اور یہ تو ہماری روزمرہ کی خوراک ہے۔ اسی طرح نضر بن حارث بھی لوگوں کو قرآن کے مقابلہ میں ایرانی لوگوں کے قصے سنا کر حضور سے منحرف کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑪ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ کے علاوہ کارساز اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا یہ ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی آیات کا کفر

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑫ اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ

کرتے ہیں ان کے لئے دردناک تکلیف کا عذاب ہے اللہ وہ ہے جس نے مطیع بنایا تمہارے لئے

الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ

سمندر کو تاکہ اس میں کشتیاں چل سکیں اس کے حکم سے اور تاکہ تم تلاش کرو اس کا فضل اور تاکہ تم شکرگذار

تَشْكُرُوْنَ ⑬ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

بنو اور مطیع بنایا تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اپنی جانب سے

مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑭ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا

تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو فکر کریں کہدیجئے ان کو جو ایمان لائیں کہ چشم پوشی کریں

لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑮ مَنْ

ایسے لوگوں کے لئے جو نہیں امید کرتے اللہ کے دنوں کی تاکہ جزا دے اس قوم کو اس کی جو وہ کرتے ہیں جو

عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑯

اچھا عمل کرے گا تو اس کی ذات کے لئے ہے اور جو برا کرے گا تو اس کا ہی ہوگا پھر اپنے رب کی طرف پلٹائے جاؤ گے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

اور تحقیق ہم نے دی بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت اور ان کو رزق دیا پاکیزہ چیزوں سے

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۔ یعنی دنیا میں ایسے لوگوں کے لئے عذاب ہے اور اس سے بڑا عذاب اس کے بعد جہنم ہے جس سے ان کو کوئی شے نہ بچا سکے گی۔ اور وَرَآء کا لفظ لغات اضداد میں سے شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا معنی سامنے بھی ہے اور پیچھے بھی جس طرح مولا کا معنی آقا بھی آتا ہے اور غلام بھی اسی طرح مولا کا معنی دوست بھی ہوتا ہے اور دشمن بھی اور قرءٌ کا معنی طہر بھی ہوتا ہے اور حیض بھی۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٧﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا

اور ان کو جہانوں پر فضیلت بخشی اور دیں ہم نے ان کو واضح دلیلیں امر سے پس انہوں نے

اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ

نہیں اختلاف کیا مگر علم آچکنے کے بعد باہمی بغاوت کی بنا پر تحقیق تیرا رب

يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٨﴾ ثُمَّ

ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اس کا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور پھر ہم

جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ

نے آپ کو اپنے امر سے ایک شریعت پر ٹھہرایا پس کی اتباع کرو اور نہ اتباع کرو نہ جاننے والے لوگوں

رکوع نمبر ۱۸ اَللّٰہُ الَّذِیْ - بیانِ توحید کا تتمہ ہے کہ تمہارے لئے بحری سفر کو آسان اور کامیاب بنانے کے لئے اُس نے پانی کو اس قابل بنایا کہ اس میں کشتیاں اور جہاز چل سکیں۔ اس جگہ تسخیر سے مُراد یہ ہے کہ اس کو اس قابل بنایا کہ تم اپنی مرضی کے مطابق اس میں کشتیوں اور جہازوں کے ذریعے سفر کر سکو۔ اور بحر سے مُراد پانی ہے اور بحری راستہ سے ہی انسان پُوری دنیا کی سیر کر سکتا ہے اور تمام دنیا کے ملکوں کے ساتھ روابط قائم رکھنے کا یہی واحد ذریعہ ہے اور اسی پر ہی عالمی تجارت کا دارومدار ہے اور فضل سے مُراد تجارت کے ذریعے سے رزق کمانا ہے اور آخر میں فرمایا کہ یہ سب کچھ اس لئے ہے "تاکہ تم احسانات پروردگار کو سمجھو۔ اور اُن کا شکر ادا کرو۔

جَمِیْعًا مِّنْهُ - یعنی آسمانوں اور زمین کی طاقتوں کا تمہارے فوائد کے لئے مطیع فرمان ہونا سب اُس اللہ ہی کی جانب سے ہے اور اس میں فکر و نظر کرنیوالوں کے لئے توحید خالق کی دلیلیں ہیں اور بعض لوگوں نے اس کو مِنَّۃً پڑھا ہے جسکا معنی یہ ہے کہ یہ سب اسی کا احسان ہے یَغْفِرُوْا - یعنی وہ لوگ جو اللہ کے عذاب کا ڈر نہیں رکھتے اور نہ وہ اللہ کے انعام کا بروز محشر طمع رکھتے ہیں۔ پس اگر مومنوں کو تکلیف پہنچائیں تو آپ مومنوں سے کہہ دیں کہ وہ صبر سے کام لیں اور جوابی کارروائی سے باز رہیں کیونکہ اللہ خود ہی اُن کو اعمال کی جزا دیگا تفسیر برہان میں مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو مارنیکا ارادہ فرمایا اور فوراً یہ آیت پڑھ لی قُلْ لِّلَّذِیْنَ ۔ الخ ۔ چنانچہ تازیانہ رکھ دیا اور مارنیکا ارادہ ملتوی کر دیا غلام یہ دیکھ کر رونے لگا۔ آپ نے فرمایا کیوں روتا ہے ؟ اُس نے عرض کی حضور میں اُن لوگوں سے نہیں ہوں جو اللہ کے ایام کی اُمید نہیں رکھتے آپ نے فرمایا کہ تو اللہ کے ایام یعنی اسکی سزا و جزا پر تو ایمان رکھتا ہے ؟ تو اُس نے عرض کی جی ہاں آپ نے فرمایا جاؤ قبر پیغمبر پہ میرے لئے آمرزش کی دعا کرو اور میری طرف سے آزاد ہو۔

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

کی خواہشات کی تحقیق وہ تجھے اللہ سے کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتے اور تحقیق ظالم لوگ بعض

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٠﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ

بعض کے دوست ہیں اور اللہ متقیوں کا دوست ہے یہ باعث بصیرت امور ہیں لوگوں کے

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٢١﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا

لئے اور ہدایت اور رحمت ہی یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے کیا خیال کرتے ہیں وہ جو کسب کرتے ہیں

السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً

برائیوں کا کہ ان کو ہم ایسے لوگوں کی طرح جانیں جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے کہ ان کی

مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

زندگی اور موت برابر ہو ؟ وہ بُرا فیصلہ کرتے ہیں اور پیدا کیا اللہ نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٣﴾

اور زمین کو حق کے ساتھ اور تاکہ بدلہ دیا جائے ہر نفس کو اُس کا جو اُس نے کمایا اور نہ وہ ظلم کئے جائیں گے

بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ؛ امر سے مراد احکام تورات ہیں، یعنی تورات کے مفصل احکام بنی اسرائیل کو دئے گئے جن میں حضرت رسالت مآبؐ کی نبوت کی تصدیق تھی اور اُن لوگوں کو آپ کی نبوت کا ازراہِ تورات پُورا علم تھا لیکن جب آپ تشریف لائے تو آپس کی سرکشی اور بغاوت کی بنا پر اُنہوں نے حضور کی نبوت کا انکار کیا اور آپ کی دعوت کا بائیکاٹ کردیا یا بکر اپنی ریاست وشان کی خواہش کے ماتحت آپ کی مخالفت شروع کردی۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ ؛۔ یعنی حضرت موسٰی کے بعد ہم نے آپ کو امر ونہی کی ایک شریعت پر ٹھہرایا۔ اور شریعت کا معنی ہے ایسا طریقہ یا سُنت جس پر چلنے والا منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔

لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ اِن سے مراد یہودی بھی ہوسکتے ہیں، جنہوں نے تورات کی تحریف کرکے اس کے احکام بدل ڈالے اور اپنی خواہشات کے پیچھے ہو لئے اور مشرکین بھی مراد ہوسکتے ہیں جو صرف اپنی خواہشات کے ماتحت آبائی طریقہ کو سینے سے لگائے ہوئے تھے

اِجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ ۔ تفسیر برہان میں اس کے مصداق عتبہ اور شیبہ دجو ربیعہ کے بیٹے تھے) اور ولید بن عتبہ ہیں

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى

کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے اس کو جانتے ہوئے گمراہی میں چھوڑ دیا

سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ

ہے اور اس کے کان و دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا تو اس کو اللہ کے سوا کون ہدایت کر سکتا ہے

بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

کیا تم سوچتے نہیں ؟ اور کہنے لگے کہ نہیں مگر دنیاوی زندگی جس میں ہم مرتے اور

نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ

جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے حالانکہ اس کا ان کو کچھ بھی علم نہیں ہے

اور اٰمَنُوْا کے مصداق حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت عبیدہ بن حارث اور حضرت علیؑ بن ابی طالب ہیں۔ سَوَآءً۔ اس کو بعض نے مرفوع پڑھا ہے اور بعض نے منصوب پڑھا ہے۔ منصوب پڑھنے کی صورت میں نَجْعَلَ کا دوسرا مفعول ہوگا۔ اور مَحْيَاهُمْ نَجْعَلُ کے مفعول سے بدل ہوگا۔

رکوع نمبر ۱۹۔ اَفَرَءَيْتَ ۔ اس کے معنی میں تین اقوال ہیں۔ (۱) الٰہ سے مراد دین یعنی ایسے بندے موجود ہیں جن کا دین خواہشِ نفس ہے۔ پس خدا و رسول کی ہدایت پر عمل کرنا اُن کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ جو چاہتے ہیں کر گذرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دین صرف یہی ہے کہ ہر قید و بند سے مکمل آزاد ہو کر جو چاہیں کر گزریں
۲۔ الٰہ سے مراد معبود یعنی بعض بندے ایسے ہیں جو معبود ماننے میں دلیل و برہان کے بجائے خواہشِ نفس کے پیچھے چلتے ہیں۔ پس جو چیز پسند آگئی۔ اور جس کو نفس نے چاہا اُسے اپنا معبود تصوّر کر لیا۔ چنانچہ جب ایک پتھر پسند آیا تو اُس سے خدا تراش لیا اور جب اُس سے کوئی بہتر چیز نظر آئی تو پہلے خدا کو نظر انداز کر کے دوسرے کو معبود قرار دیدیا و علیٰ ہذا القیاس
(۳) الٰہ ماننے سے مراد اطاعت کرنا یعنی بعض آدمی ایسے ہیں کہ اپنی خواہش نفس کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور وہ اپنی خواہش نفس کے اسقدر فرمانبردار ہیں جس طرح خدا کی اطاعت کرنی چاہیئے تھی اور اس جگہ یہ سارے معانی مراد لئے جاسکتے ہیں چنانچہ آج کل مسلمانوں میں اسلامی عقائد و اعمال کی یہی حالت ہے اور اکثریت کا رجحان اسی قسم کا ہے کہ جو عقیدہ و عمل طبیعت کو پسند آگیا اور خواہش نفس نے اپنا لیا اس کو دین سمجھ لیا اور جس چیز کو خواہش نفس نے نہ اپنایا اس کو خلاف اسلام قرار دیدیا اور بہت سوں کو ہم نے دیکھا ہے جو اسلام سے ذرہ بھر رابطہ نہیں رکھتے سوائے اس کے کہ مسلمانوں کے گھر میں وہ پیدا ہوئے تھے اور نام بھی مسلمانوں جیسا ماں باپ نے رکھ دیا تھا اس کے علاوہ اصولاً و فروعاً اسلام سے صرف بیگانہ نہیں بلکہ ہر وقت اسلام دشمنی کا دھواں اُن کے دل و دماغ اور عمل و کردار سے بلند ہوتا رہتا ہے تاہم وہ اپنے تئیں اسلام کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں اور اپنی کج دماغی کی بدولت جو کچھ انہوں نے مغرب والوں سے یا مغرب نواز لوگوں سے اسلام کی بابت سُنا ہے اُسی پر

ہی وہ مطمئن ہیں اور اسلام اُسی کو ہی سمجھتے ہیں جس کا تصور اُن کے ذہن میں ہے۔

عام تو عام خاص طبقہ میں بھی یہ بیماری ہے۔ اور بعض شیعہ معزز گھرانوں میں بھی اسلامی مسلّمہ قوانین وضوابط کے مقدس جسم کو مغربیت کے پالش شدہ تخیلاتی ناخنوں سے کُریدا اور نوچا جانے لگا ہے۔ اہل مغرب کے تاثرات کو اپنانے والی نئی پود احکام اسلامیہ کی صرف تارک نہیں بلکہ دشمن بنتی چلی جا رہی ہے۔ اور خواہش نفس کی پوجا عام سے عام تر ہوتی جا رہی ہے۔ اور یہ سب کچھ گھروں میں اسلامی تعلیمات کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ اگر گھروں میں بچوں کو اسلامیات سے آگاہ کیا جاتا اور اسلام کے ضروری مسائل سے ان کو روشناس کر دیا جاتا تو یقیناً نئی پود کا مستقبل اس طرح تباہ نہ ہوتا۔

اول تو ہر شخص ہر مسئلہ کو اپنی خواہش پر ڈھالنے کے لئے غور و فکر کرتا ہے اور ہر شخص کا ذہن ہر مسئلہ کا حل اپنی خواہش کی روشنی میں تلاش کرتا ہے لہٰذا اس کو ذہنی سکون اُس وقت نصیب ہوتا ہے جب مسئلہ مطلوبہ کا حل اس کی خواہش کے عین مطابق ہو اور اسکے جذبات کا ترجمان ہو پس خواہش کے مطابق نہ ہونیوالا حل اس کے لئے نہ باعث سکون بن سکتا ہے اور نہ وہ مسئلہ اس کے لئے قابل قبول قرار پا سکتا ہے لیکن جب انسان اپنی خواہش پر اپنے خالق و مالک کی حکومت مطلقہ کو تسلیم کرے تو اس کو چار و ناچار اپنی خواہش کے فیصلہ پر خدائی فیصلہ کو ترجیح دینا پڑتی ہے اور اس صورت میں اس کا سکون قلب اور اطمینان نفس خواہش کی مطابقت سے نہیں بلکہ خالق کی اطاعت میں ہی حاصل ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اگرچہ پدری محبت کی بنا پر خواہش تھی کہ اسمٰعیل جوان ہو اور پھلے پھولے لیکن جب اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی قربانی کا حکم ملا تو پدری محبت کے جذبات اللہ کی اطاعت کے بلند جذبہ کے مقابلہ میں خود بخود فرو ہو گئے اور سکون نفس اور اطمینان قلب کی منزل اللہ کی اطاعت میں امتحان سے کامیابی حاصل کرنے میں مضمر تھی جس کو انہوں نے پا لیا اور قیامت تک کے لئے آنے والی نسلوں کو اپنی خواہشات کو قربان کرتے ہوئے اللہ کے حکم کے سامنے جھکنا سکھا گئے۔

اور یہ امر فطری ہے کہ اپنے سے مافوق کا تصور خواہش پر غالب ہوا کرتا ہے۔ مثلاً کتا لالچی جانور ہے۔ اگر اس کے سامنے ایک طرف گوشت کا ٹکڑا ہو اور دوسری طرف کوئی آدمی اس کو گرفتار کرنے کے لئے اُس کی تاک میں ہو تو وہ اپنی خواہش کو پورا کرتے ہوئے کبھی اپنے آپ کو شکاری کے حوالہ کرنا پسند نہ کرے گا۔ بلکہ اپنی خواہش اور فطری عادت حرص کو چھوڑنا پسند کرے گا۔ اسی طرح سب حیوان مافوق کی حکومت کا تصور کر کے کبھی ایسا اقدام نہیں کریں گے جو اُن کے لئے معرض خطر ہو۔ پس اگر انسان کا ذہن یہ صحیح تصور کرے کہ مجھے کوئی پوچھنے والا بھی ہے تو یقیناً اُسے اپنی خواہشات کی قربانی دینا ہوگی۔ پس خدائی احکام کو نظر انداز کر کے خواہش نفس کے فیصلہ کو اپنانا اپنی خواہش کو خدا ماننے کے مترادف ہے۔

اللہ کے خاص بندے نبی یا امام چونکہ اپنے اُوپر اللہ کی حکومت مطلقہ کو بدل و جان تسلیم کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی خواہش نفس ہمیشہ مغلوب اور اطاعت خدا اُن پر غالب رہتی ہے۔ پس وہ معصوم ہوتے ہیں۔ اور وہ ایک لمحہ کے لئے بھی حکم خدا کی مخالفت کا تصور نہیں کرتے۔ چہ جائیکہ اس کی طرف اقدام کریں۔

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ۔ یعنی خدا نے اس کو گمراہی میں ڈھیل دے دی ہے یا یہ کہ خدا نے اُس کو گمراہی کا بدلہ دے دیا ہے۔ اور

اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۵﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ

بس وہ صرف گمان ہی کرتے ہیں اور جب ان پر پڑھی جائیں ہماری واضح آیتیں تو ان کی اور کوئی دلیل

حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ قُلِ اللّٰهُ

نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ کہتے ہیں ہمارے باپ دادا کو زندہ کر لاؤ اگر تم سچے ہو کہدو اللہ

اللہ کو اس کے انجام بد کا علم تھا۔

خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ۔ کان اور دل پر مُہر اور آنکھ پر پردے کا بیان اور اُس کی مکمل تشریح وتفسیر نیز قضاء وقدر کے مسئلہ کی پوری وضاحت تفسیر کی دُوسری جلد سُورہ بقرہ کے رکوع ۱۴ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ:۔ یعنی خواہش نفس کی پیروی کو دین سمجھنے والے اور نفس کے احکام کی اطاعت کرنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے دلوں میں عقیدۂ توحید راسخ نہ ہو۔ پس وہ دنیا کی عیش وعشرت کو ہی زندگی کی کامیابی قرار دیتے ہیں۔ لہذا اُن کا مطمحِ نظر اسی دنیاوی زندگی تک ہی محدود ہے۔ اور وہ یہی سمجھتے ہیں کہ انسان کی پیدائش اور اُن کی موت وحیات زمانہ کی رفتار کے ماتحت ایک طبعی امر ہے جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا ورنہ اگر اُن کو یہ خیال ہوتا کہ اس عالم کا کوئی خالق اور مدبّر ہے جس نے اپنے حُسنِ اختیار سے اُس کو کتمِ عدم سے شرفِ وجود بخشا اور اسی کے حسنِ تدبّر سے ہی یہ سارا نظام ارضی وسماوی بطریق احسن جاری وساری ہے پس اس عالم کی جزئیات کا عدم کے بعد وجود میں آنا خالق کی ازلیت کی دلیل ہے اور ان سب کا تغیّر پذیر ہونا اس کے عدم تغیّر کی دلیل ہے۔ اور ان سب کے زوال وفنا سے اس کے لازوال ہونے اور دیمومیت کا پتہ چلتا ہے۔ پس وہ صفاتِ خلق سے بلند و بالا ہے۔ اور تمام مخلوق جس طرح ایجاد میں اس کی صنعت کی محتاج ہے اسی طرح بقاء میں اس کے حسنِ تدبیر اور فضل وکرم کی رہینِ منّت ہے۔ پس جس طرح ابتداءِ خلقت اور پوری زندگی میں کائنات اس کی مرہونِ احسان ہے۔ اسی طرح موت اور فنا کے بعد سب کی اُس کی بارگاہِ قدرت میں حاضری ہوگی اور پھر سب کو اس کے فیصلے کے سامنے سرِ خم کرنا ہوگا پس اگر یہ تصوّر قائم ہوجائے۔ اور اس عقیدہ کو پختگی سے تسلیم کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسانیت چین واطمینان کا سانس نہ لے اور ہر انسان اپنے صحیح مقصد کی طرف گامزن نہ ہو پس انسانوں کی بے راہروی ظلم واستبداد بلکہ جملہ معاشرتی خرابیوں کی واحد جڑ عقیدۂ توحید سے بغاوت ہے۔ اس مقصد کی مزید وضاحت ہماری کتاب اسلامی سیاست میں ملاحظہ فرمادیں۔

خداوند کریم نے ان آیاتِ مجیدہ میں مشرکین مکہ اور تمام دشمنانِ خدا کی غلط کاریوں کی وجہ اسی چیز کو بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ دنیاوی زندگی کو ہی اپنا آخری نقطۂ کامیابی قرار دیتے ہیں۔ اور موت وحیات کو رفتارِ زمانہ کا تقاضا قرار دے کر حقیقت سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ اور خدا چونکہ بندوں کو مجبور نہیں کرتا۔ بلکہ اُس نے صاف فرمایا ہے کہ دین کے معاملہ میں کسی کے لئے کوئی مجبوری نہیں لہذا جو ایمان لائے تو سوچ سمجھ کر اپنے اختیار سے ایمان کو قبول کرے اور جو انکار

يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ

تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تم کو مارتا ہے پھر تم کو اکٹھا کرے گا قیامت کے دن کے لئے جس میں کوئی شک نہیں

وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۷﴾ ع ۱۹ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور اللہ کے لئے ملک آسمانوں اور

الْأَرْضِ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُونَ ﴿۲۸﴾ وَتَرٰى

زمین کا ہے اور جس دن برپا ہوگی قیامت اُس دن نقصان پائیں گے باطل پرست اور ہر اُمت

کرے تو بے شک اپنی مرضی سے جہنم میں جائے۔ اللہ نے کفار کے دہری عقیدہ کو جہالت کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اور اس کو دلیل و برہان سے باطل فرمایا ہے۔

مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ۔ یعنی جب عقلی طور پر ادلہ توحید کے ذریعے سے ان کو قائل کرایا جائے کہ صرف اللہ ہی ہے جو مارنے جلانے اور جملہ اُمور تکوینیہ کے انجام دینے پر قادر ہے لہٰذا خواہش نفس کی پیروی کی بجائے اس کی اطاعت ہی واجب لازم ہے۔ کیونکہ مرنے کے بعد پھر ایک دن اس کی بارگاہ میں حاضری ہوگی۔ اور اعمال کی بازپرس ہوگی۔ اور صرف زمانے کا گذرنا اور شب و روز کا متبادل انتظام ہی ہماری زندگی و موت کا موجب نہیں بلکہ یہ نظام اور جملہ ذی روح مخلوق کا نظام موت و حیات اس اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے جو سب کا خالق و مالک ہے اور اس ظاہری زندگی تک یہ معاملہ محدود نہیں بلکہ موت کے بعد ایکدفعہ پھر زندہ ہو کر اُس کے دربار میں کھڑا ہونا ہے تو ان اُمور کا کوئی دوسرا جواب تو اُن سے بن نہیں آتا صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر اللہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر سکنے پر قادر ہے تو دنیا میں ہمارے گذشتہ اکابر کو زندہ کرا دیجئے تاکہ ہم رُوبرو ہو کر اُن سے دریافت کرلیں۔ اگر وہ لوگ آپ کی تصدیق کردیں گے تو ہم بغیر کسی حیلہ و حجت کے آپ کی بات کو تسلیم کرلیں گے۔ مشرکین مکہ چونکہ ازراہِ عناد اس قسم کی باتیں کرتے تھے۔ اس لئے ان کے مطالبہ کو پورا کرنا لازم نہ سمجھا گیا۔ کیونکہ یہ مطالبہ ان کا پہلا مطالبہ نہیں تھا بلکہ کسی وقت کہتے تھے کہ اگر خدا قادر ہے تو وہ درخت خود چل کر آپ کی تصدیق کرے۔ جب درخت نے گواہی دی تو کہنے لگے درخت کا نصف حصہ چل کر آئے اور ایک نصف اپنی جگہ پر کھڑا رہے۔ چنانچہ ایک نصف حصہ درخت کا آیا اور وہ گواہی دے کر واپس گیا۔ اور اپنے بقیہ حصہ سے جا ملا تو انہوں نے کچھ اور مطالبہ کر دیا۔ اور سب کچھ دیکھنے کے بعد کہہ دیا کہ یہ سب جادو ہے پھر ایک دفعہ باہمی مشورہ کے بعد یہ سوچا کہ چونکہ آسمان پر جادو کا اثر نہیں ہوتا لہٰذا حضور سے چاند کے ٹکڑے ہونے کا مطالبہ کر دیا جب یہ بات بھی پوری ہوگئی تو کہنے لگے اُن کا جادو آسمان پر بھی اثر کرتا ہے۔ تو کسی وقت شاعر کہہ دیا۔ کسی وقت دیوانہ کہنا شروع کر دیا۔ اور عوام النّاس کو اسلامی تعلیمات سے روکنے کے لئے کوئی نہ کوئی شبہ ڈالنا اور اعتراض کرنا ان کی عادت بن گئی تھی۔ پس کسی وقت کہہ دیتے تھے اگر

كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعَىٰٓ اِلٰى كِتٰبِهَا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ

کو گھٹنے ٹیکے ہوئے دیکھو گے کہ ہر اُمت کو اپنی کتاب کی طرف بلایا جائے گا اس دن تم کو بدلہ دیا جائے

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا

گا جو تم عمل کرتے تھے یہ ہماری کتاب تمہارے خلاف حق بولتی ہے کیونکہ ہم لکھتے

نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۰﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تھے جو تم کرتے تھے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کر گذرے

فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

تو اُن کو اُن کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا یہ ہی واضح کامیابی

الْمُبِيْنُ ﴿۳۱﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

ہے لیکن جو لوگ کافر رہے (ان کو کہا جائے گا) کیا تم پر ہماری آیات نہ پڑھی گئی تھیں

فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

پس تم نے تکبر کیا اور تم مجرم لوگ تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ

حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ

حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم نے کہا ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے؟

خدا قادر ہے تو ملک کی سرزمین کو زرخیز سرزمین سے بدل دے۔ یہاں نہریں جاری ہوں۔ اور سرسبز لہلہاتے ہوئے باغات پیدا ہو جائیں۔ کسی وقت کہتے تھے کہ ملک کی پہاڑیوں کو سونے سے بدل دیجئے۔ اور ان کے سوالات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہمارے گذشتہ اکابر کو زندہ کر دیجئے تاکہ ہم اُن سے آپ کے متعلق تسلّی کر لیں اور یہ سب اگر تسلّی کی خاطر اور صاف دلی اور حقیقت طلبی کی بنا پر ہوتا تو ضرور اُن کا مطالبہ پورا کیا جاتا لیکن چونکہ ازراہِ عناد اُن کے سوالات تھے اس لئے صرف ادلّہ عقلیہ پر اکتفا کی گئی۔

رکوع ۲۰ :۔ جَاثِيَةً :۔ یہ جثو سے ہے یعنی گھٹنوں کے بل بیٹھنا جس طرح گذشتہ زمانہ میں مقدمہ کے فریقین قاضی و مجسٹریٹ کے سامنے بیٹھا کرتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ بروزِ محشر عدالتِ پروردگار میں تمام لوگ اسی طرح پیش ہوں گے جس طرح عدالت میں پیش ہونے کا طریقہ ہے۔

إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ۝٣٢ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ

ہم تو گمان ہی کرتے ہیں اور ہمیں اس کا کوئی یقین نہیں ہے اور ان کے سامنے اپنی کی ہوئی برائی

مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝٣٤ وَقِيلَ

کا نتیجہ آجائے گا اور بدلہ مل جائے گا اُس کا جو وہ مسخری کرتے تھے اور کہا جائیگا

الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن

کہ آج ہم نے تم کو بھلا دیا جس طرح تم نے اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور تمہارا کوئی

نَّاصِرِينَ ۝٣٥ ذَٰلِكُم بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ

مددگار نہیں ہے یہ اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیات کو مسخری بنالیا تھا اور تمہیں زندگی دنیا نے

الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝٣٦

دھوکا میں ڈالا تھا پس آج وہ نکل سکیں گے اس سے اور نہ ان کو معافی دی جائے گی۔

اِلٰی کِتَابِھَا۔ اس جگہ کتاب سے مراد یا تو کتاب سماوی ہے یعنی ہر اُمت سے اپنی کتاب کی اتباع کے متعلق بازپرس ہوگی اور یا یہ کہ کتاب سے مراد اعمال نامہ ہے۔ یعنی ہر اُمت کی پیشی کے وقت اُن کے سامنے اُن کا اعمال نامہ بھی حاضر کیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ یہ ہماری کتاب یعنی تمہارا وہ اعمالنامہ جو ہمارے فرشتوں نے نوٹ کیا تھا بالکل صحیح اندراجات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں وہی کچھ لکھا گیا ہے جو تم نے کیا تھا۔

اور بعض روایات میں ہے۔ عُنْوَانُ صَحِیْفَۃِ الْمُؤْمِنِ حُبُّ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ۔ یعنی مومن کے صحیفہ اعمال کا عنوان حضرت علیؑ کی وِلا ہوگا۔ پس واقعی نیک بخت ہے وہ انسان جو زندگی میں حضرت علی علیہ السّلام کے نقشِ قدم پر ہو۔ اور اُن کی فرمائشات پر عمل کرے۔ کیونکہ حضرت علی کی اتباع کرنے والا یقیناً جنت میں داخل ہوگا اور اُس کی نافرمانی کرنے والا یقیناً جہنم میں جائے گا۔ اور حضرت علی علیہ السّلام کے قسیم النار والجنہ ہونے کا بھی یہی مطلب ہے۔

اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا۔ یعنی جب کفار کو دنیا میں کہا جائے گا کہ قیامت آنے والی ہے تو صاف کہتے ہیں کہ ہمیں اس کا کوئی یقین نہیں اس جگہ ظن سے مراد شک ہے۔ اور انسانی معاشرہ کی جملہ خرابیوں کی جڑ جس طرح عقیدۂ توحید کی کمزوری ہے۔ اسی طرح قیامت کے عقیدہ کی کمزوری کو بھی اس میں بڑا دخل ہے۔ کیونکہ جب تک بازپُرس کا یقین نہ ہو اس وقت تک برائیوں سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ پس انسان کی بقاء اور ارتقاء کے لئے اور اُس کی تمدنی زندگی کی اصلاح

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَلَهُ

پس اللہ کے لئے حمد ہے جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور سب جہانوں کا رب ہے اور اسی

الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۸﴾

کے لئے بزرگی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی سب پر غالب اور حکمت والا ہے

کے لئے جو نظریۂ حیات اور ضابطۂ اخلاق و کردار اسلام نے پیش کیا ہے۔ اس سے بہتر پیش کرنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اور جو لوگ امن و سکون کو اسلامی طرز عمل سے ہٹ کر اپنے بنائے ہوئے آئین و قوانین کی روشنی میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں اُن کا یہ سہانا خواب ہمیشہ تشنۂ تعبیر رہے گا۔

اِتَّخَذْتُمُ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ دین سے برگشتہ ہوتے ہیں وہ ہر دور میں آیاتِ قرآنیہ اور احکامِ اسلامیہ کا تمسخر اڑایا کرتے ہیں۔ اور زندگانیٔ دنیا کی عیش و عشرت اُن کو بازپرس سے غافل کر دیتی ہے۔ خداوندِ کریم جملہ مسلمانوں کو بالخصوص محمد و آلِ محمد علیہم السّلام کی پیروی کا دم بھرنے والوں کو صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے اور خداوند کریم میری محنت کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور میرے اور میرے والدین کے لئے اس خدمت کو ذخیرۂ آخرت قرار دے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

۲۲ مارچ سنہ ۱۹۷۳ء بروز جمعرات صبح ۸ بجے مطابق ۱۶ ماہ صفر سنہ ۱۳۹۳ھ ختم ہوئی

۲۶
پ

سورۂ احقاف

یہ سُورہ مکیہ ہے ۔ سوائے آیت ۱۰ ۔ ۱۲ ۔ ۳۶ کے
اور یہ سورہ جاثیہ کے بعد نازل ہوا ۔ اور اس کی آیات کی تعداد چھتیس (۳۶) ہے ۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جو شخص اس سُورہ مجیدہ کی ہر دن یا ہر جمعہ تلاوت کرے ۔ وہ دنیا میں ہر گھبراہٹ سے اور آخرت میں ہر خطرہ سے محفوظ رہے گا ۔ (برہان)
حدیث نبویؐ میں ہے جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا تمام زمین پہ چلنے والے انسانوں سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور دوسرے نسخہ میں ریگ دنیا کے ذرات سے دس گنا نیکیاں درج ہیں اور اس کے دس گناہ معاف ہوں گے اور دس درجات بلند ہوں گے ۔
اور جو شخص اس کو لکھے اور اپنے پاس رکھے یا دودھ پیتے بچے کو باندھے یا اس کو دھو کر اس کا پانی اس کو پلایا جائے تو وہ بچہ ہر آنے والی تکلیف سے محفوظ رہے گا جو بچوں کو لاحق ہوا کرتی ہیں اور جھولے میں باامن رہے گا اور نیز جسمانی طاقت میں بھی قوی اور مضبوط ہوگا ۔
اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر آبِ زمزم سے دھو کر پیئے گا ۔ تو لوگوں میں محبوب ہوگا ۔ اور اس کی بات کو نہ ٹھکرایا جا سکے گا ۔ اور جس چیز کو سنے گا اس کو فراموش نہ کرے گا اور اس کا لکھ کر پاس رکھنا ہر مطلب کے لئے مفید ہے ۔ اگر اس کو دھو کر اس کے پانی سے مریض کو غسل دیا جائے تو وہ باذنِ پروردگار صحت یاب ہوگا ۔ (برہان)
اگر اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو جنات کے شر سے محفوظ رہے گا ۔ اور زیر سر لکھ کر رکھے تو جن و انس کے شر سے محفوظ رہے گا ۔ (فوائد)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

حٰمٓ ﴿۲﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۳﴾ مَا خَلَقۡنَا

حٰم۔ اتارنا کتاب کا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب دانا ہے ہم نے

السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ الَّذِیۡنَ

آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ اور مقررہ مدّت کے لئے اور جو لوگ

کَفَرُوۡا عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۴﴾ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ

کافر ہیں جس سے ان کو ڈرایا گیا اُس سے اعراض کرتے ہیں کہدو دیکھئے وہ جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَہُمۡ شِرۡکٌ فِی

ہو مجھے دکھاؤ تو سہی انہوں نے زمین کی کس چیز کو پیدا کیا یا کیا ان کے لئے آسمانوں کے (پیدا کرنے) میں

السَّمٰوٰتِ ؕ اِیۡتُوۡنِیۡ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ ہٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَۃٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ

کوئی حصہ ہے؟ لاؤ اس (قرآن) سے پہلے کی کوئی کتاب یا کوئی علمی دستاویز اگر تم

رکوع ۱ بیانِ توحید

گذشتہ سورہ میں مذمت شرک اور بیانِ توحید تھا۔ اِس سورہ کی ابتدا بھی اُسی مضمون سے کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو بلا مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ حق کے ساتھ اور ایک وقت معین یعنی قیامت تک کے لئے پیدا کیا تاکہ دنیا میں نیک اعمال کرنے والوں کو قیامت کے روز اچھا بدلہ جنت دیا جائے ۔ اور بداعمال کرنے والوں کو قیامت کے دن سزا دی جائے۔

قُلۡ اَرَاَیۡتُمۡ ۔ اس مقام پر اپنی توحید پر غیر کی نفی سے اس طرح استدلال فرمایا کہ تم خود منصفانہ جائزہ لو اور فیصلہ کرو کہ جن کو تم لوگ میرا شریک قرار دے کر اپنے مصائب ومشکلات وحاجات میں پکارتے ہو کیا اُنہوں نے زمین میں سے کسی شئے کو خلق کیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اُس شئے کا نام لو۔ اور ہمیں دکھاؤ۔ اور یقیناً تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر شئی کا خالق واحد صرف خدا ہے اور اس کا اس میں کوئی شریک نہیں پھر بے شک آسمان کی طرف توجہ کرو۔ کیا جن کو تم پکارتے ہو۔ انہوں نے آسمان میں سے کسی حصہ کو پیدا کیا ہے تاکہ اُن کا میرے ساتھ کوئی اشتراک ہو۔ بے شک قرآن مجید سے پہلے کی کسی کتاب سے اس کا حوالہ دے دو۔ اور کوئی دوسرا علمی طریقہ اختیار کر کے یہ ثابت کر دو۔ اور جب ایسا نہیں ہے تو پھر خواہ مخواہ کیوں غیر دین

صٰدِقِيْنَ ﴿٥﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ

سچے ہو — اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو اللہ کے غیر کو پکارے — جو قیامت تک اس کی

لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٦﴾ وَاِذَا حُشِرَ

کوئی بات نہیں سن سکتا — اور وہ تو ان کے پکارنے سے بھی غافل ہیں — اور جب جمع کیا جائے

النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿٧﴾ وَ

گا لوگوں کو تو وہ ان کے دشمن ہوں گے — اور ان کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے — اور

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا

جب ان پر پڑھی جائیں — ہماری واضح آیتیں — تو کہتے ہیں کافر حق کے متعلق — جب — ان کے پاس

جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٨﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ

آجائے — یہ تو صاف جادو ہے — بلکہ کہتے ہیں اس نے افترا باندھا ہے کہدیجئے اگر میں نے افترا

فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ كَفٰى بِهٖ

کیا ہوتا تو تم اللہ سے بچانے کے لیے میری کسی شئ کے مالک نہیں ہو وہ خوب جانتا ہے جس میں تم گھسے ہو وہی میرے اور تمہارے

کو پکارتے ہو۔ حالانکہ وہ قیامت تک تمہاری سن نہیں سکتے بلکہ ان کو تمہاری دعاؤں کا بھی علم نہیں ہے۔ پس اس واضح بیان کے بعد سمجھ جاؤ اور حق کو قبول کرنے میں پس وپیش نہ کرو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ صرف ایک ہے اور وہی ہر حاجت، مطلب، مصیبت اور مشکل میں پکارے جانے کا سزاوار ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً۔ یعنی جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور ان کو مصائب ومشکلات میں پکارتے ہیں۔ قیامت کے دن وہ خود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے کہ ہم نے ان کو قطعاً اس قسم کی دعوت نہیں دی تھی۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ۔ کافر انکار نبوت کے لئے بہانے بناتے تھے۔ کبھی معجزہ دیکھ کر اس کو جادو کہدیتے تھے اور کبھی قرآن کی آیات کو سن کر افترا سے تعبیر کر دیتے تھے۔ پس ارشاد قدرت ہوا ان سے کہدیجئے اگر یہ افترا ہوتا تو تم لوگ مجھے خدا کی گرفت سے نہ بچا سکتے یعنی وہ مجھے گرفتار کر لیتا۔

شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٩﴾ قُلْ مَا

درمیان گواہ کافی ہے اور وہ غفور رحیم ہے کہہ دیجئے میں کوئی

كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ

رسولوں میں سے نیا قسم کا نہیں ہوں میں تو نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا

أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٠﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ

میں نہیں پیروی کرتا مگر اس کی جو مجھ پر وحی ہو اور میں نہیں ہوں مگر صاف ڈرانے والا کہہ دیجئے دیکھو: اگر یہ (قرآن)

إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَكَفَرْتُم بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي

اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کرو (تو تم ظالم ٹھہرو گے) حالانکہ گواہی دی بنی اسرائیل میں سے ایک

إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

گواہ نے اس جیسی پس وہ خود ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا

وَمَا أَدْرِي ۔ یہ دنیاوی زندگی کے متعلق ہے کہ نہ معلوم میری موت کس طرح ہوگی اور تمہارا انجام کیا ہوگا ۔ میں تو وحیٔ پروردگار کا تابع ہوں ۔ جو وہ حکم دیتا ہے بجا لاتا ہوں ۔ لیکن آخرت کے متعلق تو حضور کو یقین تھا کہ میں جنت میں ہوں گا بلکہ اس کا سردار ہوں گا اور کفار جہنم کا ایندھن ہوں گے ۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ ۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق وارد ہے کہ یہودیوں میں سے عبداللہ بن سلام خفیہ طور پر اسلام لایا اور حضورؐ کے پاس آکر اس نے عرض کی کہ آپ یہودیوں سے دریافت کریں وہ میرے متعلق ضرور کہیں گے کہ یہ شخص ہماری قوم کا عالم ہے ۔ پس آپ یہودیوں سے بات کرتے وقت مجھے بلا لیں تو میں آپ کی گواہی دوں گا چنانچہ جب آپ نے یہودیوں کی بھری محفل میں عبداللہ بن سلام کو بلایا اور اس سے گواہی طلب کی تو اس نے تورات پڑھ کر حضور کے مسلک کی تصدیق کی اور حضور کی نشانیاں بھی اس نے تورات سے پڑھ کر سنائیں تو ان لوگوں نے عبداللہ بن سلام کی بھی تکذیب شروع کر دی ۔ پس عبداللہ بن سلام اعلانیہ طور پر مسلمان ہو گیا ۔

لِلَّذِينَ آمَنُوا ۔ اس جگہ لام جارہ عن جارہ کے معنی میں ہے ۔

إِفْكٌ قَدِيمٌ ۔ متکلمین کے نزدیک قدیم اسے کہتے ہیں جس کے وجود کی اول نہ ہو لیکن لغوی اعتبار سے قدیم کا معنی ہے پرانا ۔ چونکہ قرآن مجید میں سابق انبیاء اور گذشتہ امتوں کے واقعات ہیں اس لئے ازراہِ عناد ایمان نہ لانے والے

الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۱﴾ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡ کَانَ خَیۡرًا مَّا

ظالم لوگوں کو — اور کہا ان لوگوں نے جو کافر تھے ان کے متعلق جو ایمان لائے اگر (اسلام لانا) اچھا ہوتا تو یہ لوگ ہم

سَبَقُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ ؕ وَ اِذۡ لَمۡ یَہۡتَدُوۡا بِہٖ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ ہٰذَاۤ اِفۡکٌ قَدِیۡمٌ ﴿۱۲﴾

سے اس کی طرف پہل نہ کرتے اور چونکہ وہ ہدایت نہ پا سکے تو کہتے ہیں یہ پرانا جھوٹ ہے

وَ مِنۡ قَبۡلِہٖ کِتٰبُ مُوۡسٰۤی اِمَامًا وَّ رَحۡمَۃً ؕ وَ ہٰذَا کِتٰبٌ

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (توراۃ آئی) کہ قابل پیروی اور باعث رحمت تھی (لیکن انہوں نے اس کو بھی نہ مانا) یہ کتاب

مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا لِّیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ٭ۖ وَ بُشۡرٰی لِلۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾

تصدیق کرنے والی ہے درحالیکہ زبان عربی ہے تاکہ تو ڈرائے ان لوگوں کو جو ظالم ہیں اور خوشخبری ہے نیکی کرنے والوں کے لئے

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا

تحقیق جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے تو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ

ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ۚ جَزَآءًۢ

وہ غمزدہ ہوں گے — ایسے لوگ جنت کے حقدار ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے یہ اس

اپنے ضد و عناد کا جواز یہ کہہ کر ثابت کرتے ہیں کہ یہ پرانے لوگوں کے پرانے قصے ہیں ورنہ اگر اس میں کوئی بہتری و بھلائی ہوتی تو ہم ضرور اس کو تسلیم کر لیتے۔

وَ مِنۡ قَبۡلِہٖ - اس کا متعلق تَقَدَّمَ فعل محذوف ہے اور اس کا جواب بھی محذوف ہے یعنی فَلَمۡ یَہۡتَدُوۡا بِہٖ اور معنی یہ ہے کہ قرآن مجید سے پہلے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی کتاب تورات ان لوگوں کے پاس پہنچی کہ وہ اللہ کی جانب سے رحمت اور ان کے لئے قابل اقتدا تھی۔ لیکن انہوں نے اس سے بھی ہدایت حاصل نہ کی - ورنہ بت پرستی چھوڑ دیتے۔

لِسَانًا عَرَبِیًّا۔ ہٰذَا کِتٰبٌ سے حال ہے اور عربی کا معنی بھی زبان عربی ہے - پس لسان کا ذکر تاکید کے طور پر ہے۔

ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام و ایمان کا زبانی اقرار کافی نہیں بلکہ اس کی تعلیمات پر استقامت سے رہنا ضروری ہے اور یہ کہ خاتمہ بھی ایمان پر ہو اور تفسیر برہان میں ہے کہ استقامت سے مراد حضرت امیرالمومنین علیہ السلام

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑮ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ

کی جزا ہے جو وہ کرتے ہیں — اور ہم نے وصیت کی انسان کو اپنے والدین سے احسان کرنے کی کہ اس کو اس کی

أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ

ماں نے حمل میں اٹھایا تکلیف سے اور جنا تکلیف سے اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے یہاں تک کہ جب پہنچ گیا

وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي

چالیس برس کی عمر کو تو کہنے لگا اے رب مجھے توفیق دے کہ تیری نعمت کا شکر کروں — تو نے مجھ پر

أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي

کی ہے اور میرے والدین پر اور یہ کہ میں نیک عمل بجا لاؤں جن پر تو راضی ہو اور میری

کی ولایت پر ثابت قدم رہتا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ ۔ تفسیر ظاہر کے لحاظ سے اس کا مضمون عام ہے لیکن تاویل و باطن کے طور پر حضرت امام حسین علیہ السّلام اس آیت مجیدہ کے واضح مصداق ہیں۔ روایات اہلبیت علیہم السّلام میں اس مضمون کی روایات بکثرت وارد ہیں۔ چنانچہ تفسیر برہان میں بروایت کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ پر وحی نازل ہوئی کہ تیری شہزادی جناب فاطمہ زہراؑ کے بطن اقدس سے بچہ پیدا ہوگا اس کو تیرے بعد تیری اُمت شہید کر دے گی۔ چنانچہ اس خبر کے سننے کے بعد جب جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حاملہ ہوئیں تو غمگین رہیں۔ اور جب امام حسین علیہ السّلام پیدا ہوئے تب بھی غمناک رہیں۔ الخ

اور اگر اس کا مضمون عام رکھا جائے تو مقصد یہ ہے کہ پروردگار نے انسانوں کو ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور پھر ماں کے حقوق کی طرف بالخصوص متوجہ فرمایا ہے کہ کس طرح مشکلات و مصائب کا مقابلہ کر کے وہ بچے کی تربیت کا فریضہ ادا کرتی ہے جب بچہ ماں کے شکم میں ہوتا ہے تو ماں کے لئے تکلیف کا زمانہ ہوتا ہے اور جب وضع حمل کا وقت آتا ہے تو وہ بھی تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن ان مشکل و تکلیف دہ حالات میں وہ اپنے بچے کی بہتری کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کرتی بلکہ وہ ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتی ہے اور بچے کی حفاظت کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کرتی ہے اور کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے لہذا پورے اڑھائی سال تک ماں کو بچے کی تربیت کے لئے اپنے کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے اور جملہ تصرفات زندگی میں پورا احتیاط رہنا پڑتا ہے۔ اور ہر اس کام اور شغل سے گریز کرتی ہے جس کا بچے کی صحت و زندگی پر اچھا اثر نہ پڑتا ہو پس اسے اپنی طبیعت پر غیر معمولی کنٹرول

کرنا پڑتا ہے راتوں کی نیند دنوں کا آرام خورد و نوش میں آزادی اور نشست و برخاست میں غیر محتاط رویہ مکمل طور پر بدلنا پڑتا ہے۔ اور بعض مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ اگر بچہ نو ماہ کا پیدا ہو تو دودھ پلانے کی مدت کو اکیس ماہ ہونا چاہیئے تاکہ حمل و فصال کی کل مدت تیس ماہ سے نہ بڑھنے پائے اور ابن عباس کا یہی قول ہے۔

بَلَغَ اَشُدَّهٗ ۔ اس میں چار اقوال ہیں۔

(۱) اس سے مراد تینتیس برس کی عمر ہے (۲) سن بلوغ تک پہنچنا مراد ہے (۳) قیام حجت کا زمانہ مراد ہے تاکہ بالغ عاقل اور رشید ہو جائے (۴) اس سے مراد چالیس برس کی عمر ہے کیونکہ اسی زمانہ سے بالعموم انبیاء پر وحی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اس صورت میں بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً اس کی تفسیر و توضیح ہو گی۔ اور یہی قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جبرئیل نے بحکم پروردگار جناب رسالتمآب کو امام حسین علیہ السلام کی ولادت کی خبر دی اور ساتھ ساتھ یہ بھی خوشخبری دی کہ امامت بھی ان کی نسل سے ہو گی تو حضورؐ نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو یہ خبر سنائی۔ پس جب امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے تو انہوں نے کسی عورت کا دودھ نہیں پیا بلکہ حضرت رسالتمآبؐ تشریف لاتے تھے اور اپنا انگوٹھا حسین کے منہ میں دیتے تھے جس سے دودھ جاری ہوتا تھا اور وہی ان کی غذا تھی لہذا ان کا گوشت اور خون پیغمبر کے خون سے ہے اور چھ ماہ کی مدت حمل میں عیسیٰ بن مریم اور حسین بن علی کے علاوہ اور کوئی بچہ پیدا ہو کر زندہ نہیں رہا۔ اور ابن بابویہ کی روایت میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی کفالت جناب ام سلمہ کے حوالہ تھی اور حضرت رسالتمآبؐ اپنی زبان مبارک حضرت حسینؑ کے منہ میں دیتے تھے اور اس سے دودھ جاری ہوتا تھا۔ اور ان کا گوشت اور خون جناب رسول خدا کے خون سے ہے کیونکہ انہوں نے نہ اپنی ماں کا اور نہ کسی دوسری عورت کا کبھی دودھ پیا تھا اور عیسیٰ بن مریم اور حسین علیہما السلام کے علاوہ اور کوئی بچہ چھ ماہ کا پیدا ہو کر زندہ نہیں رہا۔ لیکن دوسری بعض روایات میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے بجائے حضرت یحییٰ بن زکریا کا ذکر موجود ہے۔

تفسیر برہان میں ہے کہ ہیثم نامی ایک شخص حضرت عمر کے زمان خلافت میں کہیں محاذ جنگ پر گیا اور پورے چھ ماہ گھر سے غائب رہا۔ جب واپس آیا تو چھ ماہ بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ پس اس نے عورت کو دربار خلافت میں حاضر کر کے رپورٹ کی کہ میں چھ ماہ غائب رہا اور اب مجھے واپس آئے ہوئے چھ ماہ ہوئے ہیں تو یہ بچہ میرا کیسے ہو سکتا ہے لیکن عورت نے حلفیہ بیان کیا کہ میں نے کوئی زنا نہیں کیا اور یہ بچہ صحیح طور پر اپنے باپ کا ہے اور عورت نے اس بات کی بھی تصدیق کر دی کہ واقعی میں شوہر کے ساتھ چھ ماہ رہی ہوں کیونکہ اس سے پہلے وہ محاذ جنگ پر تھا یہ بیانات سننے کے بعد خلیفہ نے عورت کو زنا کا مجرم قرار دے کر رجم کا حکم دے دیا چنانچہ عورت کو ایک گڑھے میں کمر تک کھڑا کیا گیا۔ اور قریب تھا کہ پتھر مار مار کر اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا لیکن اس کی خوش قسمتی سے حضرت علی کو خبر پہنچی اور وہ فوراً مقام سزا پر پہنچے پس آتے ہی عورت کو کھینچ لیا اور فرمایا اے عمر۔ یہ عورت سچ کہتی ہے کیونکہ خدا قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ

فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اولاد میں نیکی وصلاحیت پیدا کر میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں تیرے سامنے جھکنے والوں سے ہوں ایسے لوگوں سے ہم قبول

نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ

کرتے ہیں ان کے اچھے اعمال اور درگذر کرتے ہیں ان کی برائیوں سے درحالیکہ وہ اصحاب جنت میں ہوں گے

وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ

سچا وعدہ جو وہ کئے گئے ہیں اور وہ جو کہے اپنے ماں باپ کو کہ اُف تمہارے لئے کیا

اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ

تم کہتے ہو کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ کئی قومیں گذر چکی ہیں مجھ سے پہلے اور وہ دونو اللہ سے فریاد کرتے ہوں

حمل اور دودھ کی مدت تیس ماہ ہے۔ پس جب دودھ کی مدت چوبیس ماہ نکال لئے جائیں تو حمل کی مدت کل چھ ماہ بنتی ہے اور عورت کا بچہ بھی چھ ماہ کا ہے لہٰذا حلالی ہے پس فوراً عمر نے کہا لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَر۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ نے آیت مجیدہ میں والدین سے نیکی کرنے کا حکم دیا ہے اور والدہ کے خصوصی حق کا الگ تذکرہ فرمایا ہے گویا اس کے حق میں زیادہ تاکید فرمائی ہے پس اولاد پر واجب ہے کہ اپنے والدین کے حقوق کے پیش نظر ان کی کماحقہٗ خدمت بجالائیں اور جب آدمی خود اپنی زندگی کے ابتدائی شباب سے گذر کر مضبوطی اور تجربہ کاری کے زمانہ میں قدم رکھتا ہے جو کہ چالیس برس کی عمر کا زمانہ ہے تو اُس وقت اپنی اولاد بھی جوان ہونے لگتی ہے۔ پس خفتہ احساسات میں بیداری آنے لگتی ہے۔ کیونکہ اپنی ذمہ داریوں کی مناسبت سے اُسے اپنے والدین کی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے اور اپنی اولاد کے طرز عمل سے وہ اپنے والدین کے حق میں اپنے طرز عمل کا جائزہ لیتا ہے پس اپنی اولاد کا جو رویہ اسے اپنے حق میں ناپسند ہوتا ہے۔ اسی قسم کے رویے کو اپنے والدین کے حق میں بھی اُسے ترک کرنا پڑتا ہے اور اپنی اولاد کا جو طریق کار اپنے لئے وہ پسند کرتا ہے اپنے والدین کے لئے اپنے طریق کار کو اسی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ یعنی یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں انسان اپنی اولاد کے ذریعے سے اپنے والدین کے حقوق کو عملی طور پر سمجھنے کے قابل ہوتا ہے تو اپنے اوپر اولاد و والدین کے عائد شدہ حقوق سے عہدہ برا ہونے کے لئے اللہ سے توفیق کا طالب ہوتا ہے کہ اے پروردگار مجھے توفیق مرحمت فرما کہ تیری ان نعمات کا شکر ادا کرسکوں جو تو نے مجھ پر نازل فرمائی ہیں اور میرے والدین پر کی ہیں۔ یعنی مجھے اپنے ماتحت اور مافوق کے ہر دو قسم کے حقوق سے صحیح طور پر عہدہ برا ہونے کی توفیق دے۔ اور اللہ کا شکر ادا کرنے کا مقصد صرف یہ نہیں کہ زبان سے شکر شکر کی رٹ لگاتا رہے بلکہ اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داریوں سے خدائی ہدایات کے ماتحت عہدہ برا ہونا ہی شکر کا صحیح و اصلی مفہوم ہے۔ پس اپنے لئے عمل صالح کی بجاآوری کی دعا کی جاتی ہے کہ نہ بزرگوں کے حقوق میں کوتاہی ہو اور نہ بچوں کے

وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸﴾

(اور کہیں) تجھ پر وائے ہو ایمان لا تحقیق اللہ کا وعدہ حق ہے تو وہ کہے کہ نہیں یہ کتاب مگر پرانے لوگوں کے قصے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ

ایسے لوگوں پر ثابت ہو گیا (عذاب کا) قول ایسی امتوں میں جو ان سے پہلے گذر گئیں

مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ

خواہ جن ہوں یا انسان بے شک ایسے لوگ خسارہ پانے والے ہیں اور ہر ایک کے لئے اپنے

حقوق ہیں کمی ہو اور اپنی اولاد کے لئے بھی اصلاح کی دعا کی جاتی ہے تاکہ ان کی خیر و خوبی پورے خاندان کے لئے باعث برکت قرار پائے۔ پس اسی زمانہ میں انسان اپنی جوانی کی بیہودگیوں اور بے راہ رویوں سے بھی توبہ کرتا ہے اور خدائی احکام کے سامنے سر بھی جھکاتا ہے۔ چنانچہ آیت مجیدہ کے آخر میں خداوندِ کریم نے اس کے حال کی حکایت فرمائی ہے کہ اے اللہ میں نے توبہ کی اور میں جھکنے والوں میں سے ہو گیا۔

اُولٰٓئِكَ۔ جب انسان اپنی لغزشوں سے معافی مانگ لے اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کر لے تو خداوند کریم ایسے لوگوں کے حق میں فرماتا ہے کہ ہم ان کے نیک اعمال کو قبول کر لیتے ہیں اور ان کی غلطیوں سے درگذر کر کے اُن کو جنت میں جگہ دیتے ہیں اور یہ ہمارا سچا وعدہ ہے۔

وَالَّذِیْ قَالَ:۔ یہ آیت بالعموم تمام ان کافر لوگوں کے لئے ہے۔ جن کے والدین مومن ہوں اور اُس کو ایمان کی طرف بلائیں لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہوئے ماں باپ کی دعوتِ حق کو ٹھکرا دیں ۔تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس کا شانِ نزول عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے بارے میں ہے کہ جب ابوبکر مسلمان ہوا تو اُس نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو بھی اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی۔ لیکن اس آیت مجیدہ کے مضمون کو قیامت تک کے لئے عام قرار دینا قرآنی افادیت سے زیادہ مناسب ہے۔ اور آج کل کی نئی تہذیب کے نوجوان جو سکولوں کالجوں میں مغربیت زدہ اذہان سے تربیت یافتہ ہو کر گھروں کو پلٹتے ہیں۔ انہیں اسلامی افکار و انظار سے بالکل بیگانگت ہوتی ہے بلکہ مغربی تہذیب سے متاثر ہونے کے بعد اسلامی تمدن کے حق میں دشمنی کی آگ ان کے دلوں میں روشن ہو چکی ہوتی ہے اور غیر اسلامی تہذیب میں رنگے جانے کے بعد وہ اسلامی تہذیب کی مقدس چادر کو کورانہ تقلید اور بے جا تنقید کے ناخنوں سے نوچنا اپنا محبوب مشغلہ سمجھتے ہیں تو جب ضعیف ماں باپ ان کو اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی جانب سے نہایت غیر شستہ اور ناشائستہ جواب سن کر ان کی تعلیم سے جہالت کی زندگی کو ترجیح دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کے ساتھ تمسخر کرنا اور اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑانا موجودہ معاشرہ میں تہذیب و تمدن کا ایک جزو بن چکا ہے۔ اور بہت کم نوجوان ہیں جن کے سینوں میں اسلامی

مِّمَّا عَمِلُوْا وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ⑳ وَيَوْمَ يُعْرَضُ

کئے ہوئے اعمال کی وجہ سے (الگ الگ) درجے ہوں گے تاکہ انکو اپنے اعمال کا بدلہ پورا پورا ملے اور ان پر ظلم نہ کیا جائیگا اور جس دن پیش کیا جائیگا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا

کافروں کو دوزخ پر (تو کہا جائیگا) کہ تم اپنی لذتیں دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے ہو اور

تعلیم کی شعلیں روشن ہیں اور اپنے اذہان کی پختہ کاری سے وہ ہر گمراہ کن افکار کی رو سے محفوظ ہونے کی سعادت سے ہمکنار ہیں قرآن مجید کی متذکرہ آیت نیک ماں باپ اور آوارہ مزاج اولاد کے درمیان قیامت تک ہونے والے مکالمات کی نشاندہی کر رہی ہے۔ اور جو کم بخت اولاد والدین کی نصیحت کو اپنی ہٹ دھرمی سے ٹھکرا دے اور قرآن مجید کے واقعات کو قصۂ پارینہ کہہ کر نظر انداز کر دے تو اُن کے لئے عذاب دائمی کی پیش کش ہے۔ اور قرآن مجید نے اس امر کو واضح فرمایا ہے کہ یہ نئی بات نہیں بلکہ ہمیشہ سے جنوں اور انسانوں میں ایسی مثالیں پیدا ہوتی چلی آئی ہیں

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ۔ یعنی نیک اعمال بجالانے والے لوگوں کے لئے جنت میں اپنے اپنے اعمال کی نسبت سے الگ الگ درجے اور رتبے ہوں گے۔ کوئی بلند اور کوئی پست۔ اسی طرح بدکار لوگوں کے لئے اپنی اپنی بداعمالیوں کی مناسبت سے جہنم میں الگ درجے ہوں گے۔ کوئی بلند اور کوئی پست اور عام اصطلاح میں درجاتِ جہنم کو درکات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَلِيُوَفِّيَهُمْ۔ اس کا عطف محذوف پر ہے یعنی لِيَجْزِيَهُمْ وَلِيُوَفِّيَهُمْ۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ یعنی کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ یعنی کسی جہنمی کو اپنی بدعملی کی نوعیت سے زیادہ سزا نہ دی جائے گی۔ اور نہ ناکردہ گناہ کی سزا ہوگی۔ اور نہ کسی جنتی کو اپنی نیکی کی نوعیت سے کم جزا دی جائے گی۔ اور نہ کسی کی کوئی نیکی نظر انداز کی جائے گی۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ۔ مقصد یہ ہے کہ کافر لوگوں نے اگر دنیا میں کوئی نیکی کی ہوگی تو انکو اس نیکی کی جزا دنیا میں ہی دی جا چکی ہوگی۔ پس آخرت میں وہ اپنی نیکی کی جزا کا مطالبہ نہ کر سکے گا۔ چنانچہ کفار کے لئے دنیا میں اچھی خوراک عمدہ لباس اور ظاہری بخت و اقبال ان کی بعض اچھی عادات و عمدہ صفات کے بدلہ میں ہوتا ہے پس جب جہنم میں اپنے کفر و شرک و عناد کی وجہ سے پہنچیں گے اور اپنی نیکیوں کی جزا مانگیں گے تو اُن کو کہا جائے گا کہ تم دنیاوی زندگی میں لذات سے بہرہ اندوز ہو چکے ہو۔ اور اپنے اچھے اعمال کا بدلہ لے چکے ہو۔ اب یہاں تمہارے لئے تمہاری بداعمالیوں کے بدلہ میں ذلت آمیز عذاب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور یہ عذاب تمہارے اس تکبر کا نتیجہ ہے جس کا تم زمین میں اظہار کرتے تھے اور اس فسق و فجور کا نتیجہ ہے جس کا تم زمین میں ارتکاب کرتے تھے۔ اور ناحق تکبر کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں تکبر کرنے کا کوئی حق نہیں تھا کیونکہ تکبر صرف اللہ کی ذات کو ہی زیبا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تکبر بعض حق ہوتا ہے اور بعض ناحق ہوتا ہے۔

وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔ یعنی تم اپنی طیبات سے دنیا میں فائدہ اٹھا چکے ہو کہ حلال اور عمدہ رزق کو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ

وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ

ان سے فائدہ مند ہو چکے ہو پس آج تمہیں ذلت آمیز عذاب کی سزا دی جائے والی ہے کیونکہ تم

فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿۲۱﴾ ع

زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور حق سے تجاوز کرتے تھے

نہیں کیا بلکہ اپنی لذات کے لئے ہی اُسے خرچ کیا ہے لہٰذا آخرت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ گناہوں کے بدلہ میں عذاب ہی عذاب تمہارے حصہ میں ہے۔

زہد و تقویٰ

تفسیر مجمع البیان میں عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ حضور رسول اکرمؐ کے گھر میں آپ سے اجازت حاصل کرکے داخل ہوا جب کہ آپ اُم ابراہیم (ماریہ) کے حجرے میں ایک چھوٹی سی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے کہ جسم اطہر کا بعض حصہ زمین پر تھا اور آپ کے سر کے نیچے جو تکیہ تھا اُس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے، میں سلام کرکے بیٹھ گیا اور عرض کی یا رسول اللہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ اس کے برگزیدہ و محبوب ہیں، اُدھر قیصر و کسریٰ سونے کے تخت پر ریشم و دیباج کے بستروں پر سوتے ہیں (لیکن آپ کی حالت یہ ہے) ؟ تو آپ نے فرمایا انہوں نے اپنی لذات دنیا میں حاصل کرلی ہیں اور یہ منقطع ہونے والی ہیں۔ اور ہم نے اپنی لذات آخرت کے لئے بچا رکھی ہیں۔ حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب نے فرمایا۔ میں اپنی قمیص کو اس قدر پیوند لگا چکا ہوں کہ اب درزی کے پاس لے جاتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے مجھے کسی نے کہا ہے کہ اس کو پھینک دیجئے تو میں نے کہا ہٹ جاؤ کہ صبح کے وقت مسافر رات کے سفر کی تھکان کی مدح کرتے ہیں یعنی رات کو جس قدر سفر میں تھکان اٹھائی جائے ایک تو منزل پر جلدی پہنچتا ہے۔ دوسرے جس قدر تھکا ہو اُسی قدر منزل پر پہنچ کر اس کو آرام و سکون زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دنیاوی تکالیف کے بعد آخرت کی لذات میں لطف زیادہ ہوگا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام غلاموں کی طرح بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے (1) اور بازار سے دو قمیص خریدا کر ان میں سے اپنے غلام کو ایک کے چن لینے کا حکم دیتے تھے (2) پس جس کو غلام پسند کرلیتا تھا اور دوسری کو آپ زیب تن فرماتے تھے۔ پس آستینوں کا جو حصہ انگلیوں سے تجاوز کرتا تھا اس کو کاٹ دیتے تھے (3) اور اسی طرح ٹخنوں سے بڑھنے والے حصے کو بھی کتروا لیتے تھے اور اپنے پنجسالہ دورِ حکومت میں آپ نے اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی یعنی کوئی قصر امارت یا محل رہائش نہیں تعمیر فرمایا (4) اور نہ اپنے بعد کوئی سونا یا چاندی چھوڑ کر گئے (5) آپ کا دستور تھا کہ لوگوں کو گندم اور گوشت سے کھانا کھلاتے تھے اور خود سرکہ اور زیتون کے ساتھ نانِ جویں تناول فرماتے تھے اور جب بھی آپ کے سامنے دو کام ایسے آتے جن میں رضائے پروردگار ہوتی تو آپ ان دونوں میں سے اس کو اختیار فرماتے تھے جو زیادہ مشقت طلب ہوتا (7) آپ نے اپنی زندگی میں اپنی ذاتی کمائی سے ایک ہزار غلام کو آزاد کیا (8) کہ آپ کے بعد اور کسی سے بھی یہ نہ ہوسکا۔ آپ کا دستور تھا کہ

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَ قَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَیْنِ

اور یاد کرو قوم عاد کے بھائی (ہود) کو جب اُس نے احقاف میں اپنی قوم کو ڈرایا حالانکہ ڈرانے والے اس سے پہلے اور اس کے بعد

یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ

بھی گذرے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہارے متعلق بڑے دن کے عذاب

دن و رات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک ہزار رکعت نماز نافلہ پڑھا کرتے تھے اور عبادت میں حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام آپ کے بہت مشابہ تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام جب بصرہ میں علاء بن زیاد کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے تو اُس نے اپنے بھائی عاصم بن زیاد کے متعلق اس امر کا شکوہ کیا کہ وہ ایک عبا پہن کر دنیا سے الگ تھلگ ہو گیا ہے آپ نے فرمایا اُسے بلاؤ۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تجھے شیطان نے دھوکہ دیا ہے۔ لہٰذا اس سے بچو۔ کیا تم کو اپنی بیوی بچوں پر ترس نہیں آتا۔ اور اللہ نے جو چیزیں تم پر حلال کی ہیں کیا وہ ان کے استعمال سے تجھ پر ناراض ہوگا؟ اُس نے عرض کی کہ آقا! آپ بھی تو کھردرا لباس اور معمولی غذا اپنے لئے پسند فرماتے ہیں (اور دنیا کی لذتوں سے روگردانی کرتے ہیں)؟ آپ نے فرمایا (میرے اوپر اپنے آپ کو قیاس نہ کرو) کیونکہ میری حیثیت تجھ جیسی نہیں ہے۔ اللہ نے ائمہ حق پر واجب کیا ہے کہ رعایا کے کمزور ترین انسانوں کی طرح زندگی گذاریں تاکہ طبقۂ فقراء اپنی زندگی سے مایوس نہ ہو جائے (مجمع البیان) حضرت علی علیہ السلام کے اس طرز عمل میں تمام دنیاوی حکمرانوں کے لئے وہ درس موجود ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو پوری انسانیت کے لئے دنیاوی زندگی نمونۂ جنت بن جائے۔

رکوع ۳ حضرت ہود کا ذکر

اَخَا عَادٍ۔ چونکہ قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے اسی لئے ان کو عاد کا بھائی کہا گیا ہے۔ جیسے کہ حضرت صالح کو اخو ثمود کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عربی میں جس شخص کو اُس کی قوم کی طرف نسبت دے کر بات کرنی ہو تو لفظ اخ کو اُس قوم کی طرف مضاف کر کے اُس کے متعلق بات کی جاتی ہے۔ مثلاً اخو تمیم اور اخو عدی وغیرہ۔

اَلْاَحْقَافِ۔ یہ حقف کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے ریت کا بڑا ٹیلا جو پہاڑ کی حد تک نہ پہنچا ہو۔ اس جگہ اس کے متعلق چار اقوال ہیں۔ (۱) عمان اور مہرہ کے درمیان ایک وادی کا نام ہے (ابن عباس) (۲) عمان سے حضرموت تک کے علاقہ کا نام ہے (ابن اسحٰق) (۳) یمن میں سمندر کے کنارے کے ریگستانی علاقہ کا نام ہے (۴) ہر وہ زمین جس میں جگہ بجگہ ریت کے ٹیلے ہوں اس کو احقاف کہا جاتا ہے۔

وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ یعنی حضرت ہود سے پہلے اور ان کے بعد بھی نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ جاری

يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِتَاۡفِكَنَا عَنۡ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ

کا ڈر ہے ۔ تو وہ کہنے لگے کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اپنے خداؤں سے پھیر لے پس تو لے آ جس کا وعدہ

اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمۡ

کرتا ہے اگر تو سچا ہے (حضرت ہود نے) کہا بے شک اس کا علم اللہ کو ہے اور میں تو وہ چیز تمہیں

مَّاۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَلٰـكِنِّىۡۤ اَرٰٮكُمۡ قَوۡمًا تَجۡهَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوۡهُ عَارِضًا

پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ بھیجا گیا ہوں لیکن میں تم کو جاہل قوم سمجھتا ہوں ۔ پس جب انہوں نے دیکھا اس کو (جس کا وعدہ

مُّسۡتَقۡبِلَ اَوۡدِيَتِهِمۡ ۙ قَالُوۡا هٰذَا عَارِضٌ مُّمۡطِرُنَا ؕ بَلۡ هُوَ مَا اسۡتَعۡجَلۡتُمۡ

کیئے گئے تھے) بادل کی شکل میں ان کی وادیوں کی طرف آتا ہوا تو کہنے لگا یہ بادل ہم پر برسنے والا ہے بلکہ وہ وہ ہے جس کی تم نے

بِهٖ ؕ رِيۡحٌ فِيۡهَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَىۡءٍ ۭ بِاَمۡرِ رَبِّهَا فَاَصۡبَحُوۡا

جلدی کی تھی (تیز و تند) ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے ۔ جو اللہ کے امر سے ہر شے کو ہلاک کر دے گی ۔ پس صبح ہوئی

رہا جو ایک خدا کی عبادت کا درس دیتے رہے ۔

قَالُوۡا ۔ جب حضرت ہود نے اپنی قوم کو بت پرستی کے چھوڑنے اور ایک خدا کی عبادت کرنے کی نصیحت فرمائی تو انہوں نے برا مانا ۔ اور کہنے لگے کہ تو ہم سے اپنے آبائی خداؤں کی عبادت چھڑانے کے لئے آیا ہے لہٰذا ہم تمہاری بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں ۔ پس جس عذاب کا وعدہ کرتے ہو اسے لے آؤ ۔ آپ نے فرمایا میں اس بات کا ذمہ دار نہیں ہوں بلکہ میرا کام ہے کہ پیغام رسالت تم تک پہنچا دوں ۔ ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے ۔ اور عذاب کو جلدی بھیجے یا دیر سے بھیجے اللہ کا کام ہے البتہ تمہارے اس رویے سے میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو ۔

فَلَمَّا رَاَوۡهُ :۔ ضمیر غائب کا مرجع ہے ۔ عذاب جس کا وعدہ کیا گیا تھا ۔ یعنی جب عذاب بادل کی شکل میں انہوں نے اپنی وادیوں کی طرف متوجہ ہوتا دیکھا تو کہنے لگے یہ ہم پر برسے گا ۔ کیونکہ کافی عرصہ سے ان لوگوں پر بارش نہیں ہوئی تھی ۔ اور وہ لوگ قحط سالی کا شکار تھے ۔ پس بادل کو آتے دیکھ کر خوش ہوئے ۔ تب حضرت ہود نے فرمایا یہ برسنے والا بادل نہیں بلکہ یہ تیز آندھی ہے جس میں تمہارے لئے دردناک عذاب ہے ۔

تُدَمِّرُ :۔ تدمیر کا معنی ہے ہلاک کرنا ۔ پس جب عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو حضرت ہود اور ان کے ساتھ ایمان والے لوگوں کی مختصر جماعت ایک باغیچہ میں چلے گئے ۔ اور وہ عذاب سے بال بال محفوظ رہے لیکن باقی سب قوم اور ان کے اموال وحیوانات عذاب کی نذر ہوگئے اور اس تیز و تند ہوا میں آدمی اس طرح اڑتے نظر آئے جس طرح فضائے آسمانی

لَا یُرٰٓی اِلَّا مَسٰکِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ

تو ان کے ٹھکانوں کے سوا کچھ نہ تھا اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں مجرم لوگوں کو اور ہم نے ان

مَكَّنّٰهُمْ فِیْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِیْهِ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـِٕدَةً ۖ٘

کو قدرت دی ان چیزوں میں جن میں تم کو قدرت دی ہے اور ہم نے ان کو کان آنکھیں اور دل دئے تو ان کو نہ

فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَ لَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ

فائدہ دیا ان کے کانوں آنکھوں اور دلوں نے کچھ بھی

اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾

کیونکہ وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور ان پر وہ (عذاب) اترا جس کی وہ مسخری کیا کرتے تھے

میں مُڈّھی دل موجود ہوں۔ پس ان کے خالی مکانوں کے علاوہ کچھ نہ رہا۔ اور تفسیر صافی میں ہے کہ آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل تیز ہوا جاری رہی۔ ہوا نے پہلے تو ان کو ٹیلوں میں دفن کر دیا۔ پھر آہستہ آہستہ ریت اُڑتی گئی۔ اور آخر میں ان کی ریت کے نیچے مدفون لاشیں ظاہر ہو گئیں اور ہوا نے ان کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور ان کا قصہ سورہ ہود میں گذر چکا ہے۔ ج ۲ صفحہ ۲۲۵

مَكَّنّٰهُمْ۔ یہ تمکین سے ہے اور تمکین کا معنی یہ ہے کہ اس کام کے ہونے میں جن چیزوں کو دخل ہے وہ سب مہیا کی جائیں مثلاً قدرت آلات اور وہ تمام ذرائع جن پر فعل موقوف ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ تمکین کا معنی ہے کام کے ہونے میں جملہ رکاوٹوں کا دور ہونا۔ لیکن یہ بھی پہلے معنی میں آجاتا ہے۔ لہٰذا تمکین کا پہلا معنی درست ہے۔

فِیْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ۔ یہاں اِن نافیہ ہے۔ اور ما موصولہ کے بعد ما نافیہ سے اِن نافیہ کا استعمال بہتر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ رَغِبْتُ فِیْمَا مَا رَغِبْتَ فِیْهِ یعنی میں نے اس چیز میں رغبت کی جس میں تم کو رغبت نہیں تھی، کے بجائے اگر کہا جائے رَغِبْتُ فِیْمَا اِنْ رَغِبْتَ فِیْهِ تو بہتر ہوگا۔ اس جگہ معنی یہ ہے کہ کفارِ مکہ کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ حضرت ہود کی قوم کو ہم نے وہ طاقت و قوت دی تھی کہ تم لوگوں کے پاس وہ نہیں ہے۔ تو جب اس طاقتور قوم کو میرے عذاب سے کوئی شے نہ بچا سکی تو تم کیسے بچ سکو گے۔ اور بعض مفسرین نے اِن کو زائدہ قرار دے کر معنی یہ کیا ہے کہ جس طرح تمہارے لئے نصیحت کے قبول کرنے کے اسباب ہم نے پیدا کئے اور سمجھانے والا رسول بھیجا اور توحید کی دلیلیں نصب کیں۔ اسی طرح ان کے لئے بھی یہ سب اسباب موجود تھے اور چونکہ انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا پس گرفتارِ عذاب ہو گئے۔ چنانچہ ہم نے مناظرِ قدرت کو دیکھنے کے لئے آنکھیں اور آوازیں سننے کے لئے کان اور سوچنے و سمجھنے کے لئے دل ان کو عطا کئے جس طرح تمہیں دئے۔ لیکن انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا اور بالآخر گرفتارِ عذاب ہو گئے۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی تمام نشانیوں کا انکار کر دیتے تھے۔ اور

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور تحقیق ہم نے ہلاک کیں تمہارے گرد و نواح میں کئی بستیاں اور بدل بدل کر ہم نے نشانیاں بھیجیں تاکہ وہ (کفر سے) پلٹیں

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا

تو کیوں نہ مدد کی ان کی (ان خداؤں نے) جن کو انہوں نے اللہ کے علاوہ معبود بنا رکھا تھا اور ان کا قرب چاہتے تھے بلکہ وہ تو ان

عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا

سے الگ رہے اور یہ ان کا بہتان تھا اور افترا تھا اور جب ہم نے تمہاری طرف ایک گروہ بھیجا

عذاب کی پیشگوئی کو مذاق میں ٹال دیتے تھے پس تم لوگ ان کے انجام بد سے عبرت و نصیحت حاصل کرو ورنہ تمہارا بھی وہی انجام ہوگا جو ان کا ہوا۔

رکوع ۴ ، وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا۔ اہل مکہ کو نصیحت ہے کہ تمہارے گرد و پیش میں اپنی سرکشیوں کی بدولت کئی اُمتیں گرفتارِ عذاب ہو چکی ہیں مثلاً حضرت ہود کی قوم عاد جو یمن کے علاقہ میں تھی اور حضرت صالح کی قوم جو حجر (یعنی حضرموت) کے علاقہ میں تھی۔ اور حضرت لوط کی قوم جو مکہ سے شام جانے والے راستہ پر آباد تھی۔ پس تمہارا فرض ہے کہ اُن کے عبرتناک انجام سے سبق سیکھو۔

وَصَرَّفْنَا۔ لوگوں کو سمجھانے اور ان کو ہدایت کے قریب تر لانے کے لئے اللہ سبحانہ نے اپنی مہربانی سے کئی طریقے اختیار فرمائے ہیں۔ اور اسی کے متعلق فرماتا ہے ہم نے بدل بدل کر ہدایت کا طریق کار اختیار کیا تاکہ شاید کوئی طریقہ انکی طبیعتوں کے لئے موثر ہو جائے۔ چونکہ لوگوں کے مزاجوں میں کافی اختلاف ہے۔ بعض لوگ عقلی دلیلوں سے مطمئن ہوتے ہیں۔ بعض اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہوتے ہیں۔ بعض معجزہ دیکھ کر تسلی حاصل کر لیتے ہیں۔ بعض نعماتِ خداوندی کی آمد سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ بعض کسی کے گرفتارِ عذاب ہونے سے سبق لیتے ہیں۔ بعض اچھے لوگوں کے واقعات اور اُن کے نصیحت آموز قصوں سے ہدایت حاصل کر لیتے ہیں اور بعض لوگ غلط کار لوگوں کی غلطیوں کے واقعات سے متنفر ہو کر اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ پس خداوند کریم نے لوگوں کو ایمان لانے اور کفر سے بچنے کے لئے یہ تمام طریقے اختیار فرمائے ہیں۔ اور یہ اُس کی شانِ رحمت ہے۔ لیکن پھر بھی ناقدر شناس لوگ اپنی ضد پر ڈٹے رہے اور کفر پر اڑے رہے تو اتمامِ حجت کے بعد ان کو عذابِ خداوندی نے گھیر لیا اور انہیں کوئی شئے نہ بچا سکی۔

قُرْبَانًا۔ قربان سے مُراد ہر وہ کام جو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کیا جائے عبادت ہو یا کوئی کارِ خیر ہو اور اس کی جمع قرابین ہوتی ہے۔ اس مقام پر فرماتا ہے کہ اللہ کے علاوہ انہوں نے جن کو معبود بنا رکھا ہے انہوں نے ان لوگوں سے عذاب کو کیوں نہ دفع کیا۔ اور ان کی مدد کیوں نہ کی بلکہ ایسے موقعہ پر تو وہ ان سے الگ ہو گئے تھے۔ درحقیقت ان کو معبود قرار دینا ان کی غلطی تھی۔ اور بہتان و افترا تھا۔ کیونکہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔ پس وہی ایک خدا ہے جو لائق عبادت

مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا

جنوں میں سے جو قرآن سنتے تھے پس جب وہ پہنچے تو کہنے لگے چپ رہو (غور سے سنو) پس جب پورا ہوا تو وہ

ہے اور مشکل و مصیبت کے وقت اُسی کو ہی پکارنا چاہیئے اور وہی ہر قسم کی مصیبت کو دور کرتا اور ہر مشکل کو آسان فرماتا ہے جس کو وہ بیمار کرے اُسے تندرست کوئی نہیں کر سکتا اور جس کو وہ شفا بخشے اُسے کوئی بیمار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جس کو وہ موت دے اُسے کوئی بچا نہیں سکتا اور جسے وہ زندگی دے اُسے کوئی مار نہیں سکتا نیز جس کی مصیبت کو وہ دور کرے اس کو کوئی گرفتارِ بلا نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گرفتارِ بلا کرے اس کو کوئی چھڑا نہیں سکتا پس معبود اور مقصودِ حاجات وہی ایک خدا ہے اور اس کے انبیاء و اولیاء بالخصوص حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام اُس کی بارگاہ میں اس کے قرب کا بہترین وسیلہ ہیں۔

انکشافِ عجیب تفسیر برہان میں ہے قوم عاد کے علاقہ میں معتصم عباسی نے ایک کنواں کھودنے کا حکم دیا جو تین سو قد آدم کے برابر کھودا گیا لیکن پانی برآمد نہ ہوا۔ پس مایوس ہو کر کام بند کرا دیا گیا۔ جب متوکل عباسی کا دور آیا تو اُس نے پھر کھدائی کا کام جاری کر دیا۔ چنانچہ بہت گہرائی تک جانے کے بعد ایک چٹان نکلی جب اس کو توڑا گیا تو اس سے اس قدر سرد ہوا نکلی کہ کھودنے والے سب لقمہ اجل ہو گئے۔ چنانچہ متوکل کو خبر ہوئی تو اُس نے حضرت امام علی نقی علیہ السّلام سے اس کا حل طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں قوم عاد کی احقاف کی بستیاں تھیں جو عذابِ خداوندی کی لپیٹ میں آگئی تھیں۔

بروایت احتجاج طبرسی یہ واقعہ منصور دوانیقی کے زمانہ کا ہے کہ اُس نے کنواں کھودنے کا حکم دیا اور اخیر مایوس ہو کر کام بند کرا دیا تو اس کے بعد خلیفہ مہدی عباسی نے دوبارہ اُسی منصوبہ پر عمل کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ کافی گہرائی تک پہنچنے کے بعد ایک سرد ہوا نکلی تو دو آدمیوں کو اُوپر سے رسّی باندھ کر لٹکایا گیا کہ حقیقتِ حال کو معلوم کریں۔ انہوں نے کافی دیر کے بعد رسّی کو حرکت دی تو انہیں واپس کھینچ لیا گیا۔ اور انہوں نے بتایا کہ وہاں عورتوں مردوں کی مسخ شدہ لاشیں ہیں۔ اور برتنوں اور گھروں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اور جو آدمیوں کے مجسمے ہیں ان کے اُوپر لباس موجود ہے۔ کوئی بیٹھا ہے کوئی لیٹا ہے اور کوئی تکیہ لگائے ہوئے ہے اور ان کو چھونے سے کپڑے خاکستر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ پس حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے سامنے حقیقتِ حال کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ قوم عاد ہے جن کو اصحاب احقاف کہا جاتا ہے اور یہ لوگ گرفتارِ عذاب ہوئے تھے۔

نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ۔ تفسیر صافی میں ہے نفر دس سے کم کو کہا جاتا ہے۔ اور بروایت احتجاج حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ تعداد نو تھی۔ اُن میں سے ایک نصیبین کے۔ رہنے والا تھا۔ اور باقی آٹھ عمرو بن عامر کی اولاد سے تھے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے جنوں کے بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے ان کو توفیق دی کہ وہ اس طرف آگئے۔ اور بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ چونکہ قوم جن آسمانوں کی طرف جاتی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بعد بھی اُن کے لئے آسمانوں کے راستے بند نہ ہوئے تھے۔ اب جو شہاب ثاقب کی وجہ سے اُن کی آسمانوں پر جانے سے رکاوٹ کی گئی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ

إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ﴿٣٠﴾ قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن

اپنی قوم کی طرف مبلغ ہو کر چلے کہنے لگے اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد

بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٣١﴾

نازل کی گئی جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والی ہے حق کی اور صراط مستقیم کی ہدایت کرتی ہے

زمین میں چل پھر کر دیکھیں کونسی بات نئی پیدا ہوئی ہے جس کی بدولت ہم آسمان کی طرف جانے سے روک دیے گئے ہیں چنانچہ پھرتے پھراتے وادی نخلہ میں اُنہوں نے حضور کی زیارت کر لی جب کہ آپ عکاظ کی طرف جاتے ہوئے وہاں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ پس وہ وہاں رُک گئے اور آپ کی تلاوت کان لگا کر سنی۔ اور بہت متاثر ہوئے حتیٰ کہ واپس اپنی قوم کی طرف مبلغ بن کر پلٹے۔

تفسیر مجمع البیان میں زہری سے منقول ہے کہ حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد رسول اللہ پر سخت آزمائش کا دور تھا کیونکہ آپ کی پناہ گاہ ختم ہوگئی اور ظاہری سہارا ٹوٹ گیا۔ اور حضور کو اذیت دینے میں کفارِ قریش کو کسی کا خوف نہ رہا تھا پس آپ مکہ سے دل تنگ ہو کر طائف تشریف لے گئے تاکہ وہاں پناہ مل جائے۔ قوم ثقیف میں سے مسعود اور اُس کے دو بھائی سردارانِ قوم اور رؤسا تھے۔ جب آپ نے اُن کے سامنے اپنی دعوتِ اسلامیہ کا اظہار فرمایا تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی۔ اور آپ سے تمسخر کرنے لگ گئے۔ چنانچہ آپ مایوس ہو کر وہاں سے پلٹے تو سردارانِ قوم کے اشارے سے طائف والوں نے راستے پر دو طرفہ صفیں باندھ لیں اور آپ پر سنگ باری شروع کر دی۔ چنانچہ آپ کے قدم مبارک سخت زخمی ہوگئے اور بمشکل وہاں سے جان بچا کر نکلے۔ اُس وقت آپ کے دونوں قدموں سے خون جاری تھا۔ آپ ایک باغ کے قریب پہنچے تو اُس کے اندر عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ موجود تھے۔ آپ کو ان کے دیکھنے سے مزید پریشانی ہوئی کیونکہ ان دونوں کی اسلام دشمنی کا آپ کو علم تھا۔ پس انہوں نے اپنے عدس نامی نصرانی غلام کو انگور دے کر آپ کی طرف بھیجا۔ یہ غلام دراصل نینوا کے رہنے والا تھا۔ آپ ایک پہاڑ کے ٹیلے کے سایے میں آرام کرنے کے لئے بیٹھے تھے۔ آپ نے اُس غلام سے دریافت فرمایا کہ تو کہاں کے رہنے والا ہے تو اُس نے جواب دیا کہ میں نینوا کا باشندہ ہوں آپ نے فرمایا وہی نینوا جہاں حضرت یونس علیہ السلام نبی بن کر آئے تھے۔ اُس غلام نے پوچھا کہ آپ حضرت یونس کو کیونکر پہچانتے ہیں تو آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور اُسی نے ہی مجھے خبر دی ہے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت یونس کے واقعات سنائے تو عدس نصرانی آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور خون آلود قدموں کو اُس نے بار بار چوما۔ یہ ماجرا عتبہ اور شیبہ دونو دیکھ رہے تھے۔ جب غلام واپس اُن کے پاس پلٹا تو اُنہوں نے اس سے قدم بوسی کی وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ وہ ایک نیک بخت انسان ہے اور اُس نے مجھے اپنے پیغمبر حضرت یونس کا حال سنایا ہے۔ اُنہوں نے کہا خیال کرنا کہیں

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ

اور اے ہماری قوم اللہ کی طرف سے دعوت دینے والے کی طرف چلو اور اس پر ایمان لاؤ تا کہ تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ

تمہیں وہ نصرانیت سے پھسلا نہ دے۔ بہرکیف حضورؐ کافی تکالیف جھیلنے اور سفر کی صعوبت برداشت کرنے کے بعد واپس مکہ کی طرف پلٹے۔ جب آپ مقام نخلہ پر پہنچے تو رات کے وقت نماز پڑھ رہے تھے کہ مقام نصیبین کے جنوں میں سے وہاں سے ایک گروہ کا گذر ہوا۔ یہاں تک کہ صبح کی نماز آپ نے شروع کی اور انہوں نے قرآن سنا اور متاثر ہو کر قوم کی طرف پلٹے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حضور کو قوم جنات پر بھی مبعوث کیا گیا تھا اور حکم ہوا کہ ان کو پیغام توحید سناؤ۔ اور ان پر قرآن کی تلاوت کرو۔ اور اللہ نے نینوٰے کے جنوں میں سے ایک گروہ کو وہاں بھیج دیا۔ آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ آج رات میں جنوں کو قرآن سنانے جاؤں گا۔ تم میں سے میرے ساتھ کون آئے گا تو عبداللہ بن مسعود نے عرض کی کہ میں حاضر ہوں۔ ابن مسعود کہتا ہے کہ آپ کے ہمراہ میں اکیلا ہی تھا۔ جب ہم مکہ سے بلندی کی طرف ایک کافی اونچی جگہ پر پہنچے تو آپ غار میں داخل ہوئے جسے شعب الحجون کہا جاتا تھا۔ اور میرے لئے ایک خط کھینچ دیا کہ اس سے باہر نہ جاؤں۔ چنانچہ خود چلے گئے اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا تو سیاہ رنگ کی مخلوق کافی آگئی کہ میرے اور حضور کے درمیان وہ حائل ہو گئے۔ حتیٰ کہ میں آپ کا آواز بھی نہ سن سکتا تھا۔ پھر واپس جانے لگ گئے اور یوں لگتا تھا جیسے بادل کے سیاہ ٹکڑے بکھر رہے ہوں۔ پس تھوڑے سے بچ گئے اور صبح تک حضورؐ ان سے مکمل طور پر فارغ ہو گئے۔ پھر آپ نے مجھ سے دریافت کیا کہ تو نے بھی کچھ دیکھا ہے۔ تو میں نے عرض کی حضور! سیاہ رنگ کے لوگ جن کے لباس سفید تھے میں نے دیکھے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ نصیبین کے جنّ تھے۔

علقمہ نے عبداللہ سے روایت کی ہے کہ میں اُس رات آپ کے ساتھ نہ تھا کاش کہ ہوتا۔

ابن عباس سے منقول ہے کہ نصیبین کے جنوں میں سے سات تھے جو حضور کے پاس آئے تھے تو آپ نے اُن کو اپنی اپنی قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا تھا۔ بعض روایات میں نو کی تعداد ہے اور اُن میں سے ایک کا نام زوبعہ لکھا ہے۔

جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جب حضورؐ نے سورہ الرحمٰن لوگوں پر تلاوت کی تو سب خاموش رہے۔ آپ نے فرمایا تم لوگوں سے تو جن اچھے تھے کہ جب میں پڑھتا تھا فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ تو وہ فوراً کہتے تھے۔ لَا بِشَيْءٍ مِّنْ اٰلَآئِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ۔

تفسیر برہان میں ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ مکہ سے عکاظ کے بھرے میلے میں لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ زید بن حارثہ بھی تھا۔ جب آپ کی دعوت کو وہاں کسی نے قبول نہ کیا تو واپس مکہ کی طرف پلٹے۔ جب وادی مجنّہ میں پہنچے تو آپ نے تہجد پڑھی۔ اس جگہ جنوں کا ایک گروہ آپ کے پاس سے گذرا تو وہ قرأت سننے کے لئے ٹھہر گیا اور ایک دوسرے کو انہوں نے کہا کہ خاموش ہو کر غور اور توجہ سے سنو۔ چنانچہ وہ نہایت متاثر ہوئے۔ اور آپ نے جب قرأت ختم کی تو وہ اپنی قوم کی طرف چلے گئے اور اپنی قوم سے انہوں

اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ

دے دے اور جو اللہ کی جانب سے دعوت دینے والے کی بات نہ مانے گا تو وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں اور نہ

مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۱﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ

اس کا کوئی اس کے علاوہ دوست ہوگا ایسے لوگ واضح گمراہی میں ہیں کیا وہ نہیں دیکھتے تحقیق اللہ وہ ہے جس نے

نے بیان کیا کہ ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد اتری ہے اور گذشتہ شریعتوں کی تصدیق کرنے والی نیز راہِ راست اور طریقِ حق کی ہدایت کرنے والی ہے اور اپنی قوم سے انہوں نے کہا کہ حضورؐ کے پاس چل کر اُن پر ایمان لاؤ چنانچہ وہ آئے اور ایمان لائے اور حضورؐ نے ان کو اسلام کے احکام تعلیم فرمائے پھر اس کے بعد سورہ جن نازل ہوا۔ اور حضورؐ نے ان پر ایک والی بھی مقرر فرمایا اور وہ وقتاً فوقتاً حضورؐ کے پاس آکر مسائل دریافت کیا کرتے تھے اور آپ نے ان کی تعلیم حضرت علیؑ کے سپرد فرمائی تھی۔ پس جنوں میں سے مسلمان مومن یہودی نصرانی و مجوسی وغیرہ ہر قسم کے افراد ہوا کرتے ہیں۔ اور یہ سب جانؔ کی اولاد ہیں۔ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرمؐ جس طرح انسانوں کے نبی تھے۔ اسی طرح جنوں کے بھی وہ نبی تھے لہٰذا آپ کے بعد آپ کا قائم مقام وہی ہو سکتا ہے جو جنوں اور انسانوں دونوں کو اسلامی مسائل سے مطمئن کر سکے۔

بروایت احتجاج طبرسی تفسیر برہان میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے سوال کیا کہ حضرت سلیمان کے لئے شیاطین کو اللہ نے مسخر کیا تھا چنانچہ وہ قسم قسم کی تعمیرات اور تصویریں بنا کر آپ کے سامنے اپنی غلامی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بے شک تمہارا کہنا درست ہے لیکن حضور نبی اکرمؐ کو سلیمان سے بھی زیادہ شرف اللہ نے دیا۔ کیونکہ جو شیاطین حضرت سلیمان کے ماتحت تھے وہ اپنے کفر پر برقرار تھے لیکن حضرت محمدؐ مصطفےٰؐ کے سامنے جو جنّ و شیاطین مسخر ہوئے وہ کفر کو چھوڑ کر ایمان و اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے اور آپ کے وہ سچے دل سے عقیدتمند تھے اور قوم جنّ کے رؤسا میں سے نو جنّ حضورؐ کے پاس آئے تھے۔ ایک اُن میں سے نصیبین کے رہنے والا تھا اور باقی آٹھ احجر کے علاقہ سے عمرو بن عامر کی اولاد سے تھے جن کے نام یہ ہیں (۱) شغناۃ (۲) مضناۃ (۳) مہسا (۴) ہذبان (۵) مزمان (۶) لیضاہ (۷) ہاصنب (۸) عمرو اور یہ قوم آپ کے پاس وادی نخل میں آئی تھی اور اس کے بعد آپ کے پاس اکہتر ہزار جنّ آئے تھے۔ جنہوں نے آپ کی بیعت کی تھی اور یہ فضل سلیمان سے بدرجہا بہتر ہے۔ **اقول**۔ بعض روایات میں وادی نخل اور بعض میں وادی مجنہ کا لفظ شاید اس لئے ہے کہ اس وادی کے دو نام ہوں۔

فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ۔ یعنی جو لوگ اللہ کی دعوت کو قبول نہ کریں گے وہ زمین میں اللہ کی سلطنت سے بھاگ نہیں سکتے وہ جب بھی چاہے ان کو گرفت کر سکتا ہے پس نہ وہ اس کو زمین میں رہ کر عاجز کر سکتے ہیں۔ اور نہ ان کو اللہ کی گرفت سے کوئی بچا سکتا ہے

اَوَلَمْ يَرَوْا ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جس اللہ نے آسمان و زمین پیدا کئے اور ان کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں کیا وہ مُردوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں (تو کیا وہ نہیں) قادر مُردوں کے زندہ کرنے پر ؟ ہاں (یقیناً قادر ہے)

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ

کیونکہ وہ ہر شے پر قادر ہے اور جس دن پیش کئے جائیں گے کافر لوگ دوزخ پر

اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

(تو کہا جائیگا) کیا یہ حق نہیں ؟ کہیں گے ہاں (حق ہے) پروردگار کی قسم۔ فرمائے گا پس چکھو عذاب کو بوجہ اس کے کہ تم

کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے یعنی اَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ الخ بِقَادِرٍ الایۃ اور یہی وجہ ہے کہ خبر پر باء زائدہ داخل ہے۔

اُولوالعزم پیغمبر

فَاصْبِرْ۔ حضور نبی اکرمؐ کو کفار مکہ کی ایذا رسانی اور ان کے مسلسل انکار کے بعد صبر کی تلقین ہے کہ جس طرح سابق اُولوالعزم پیغمبر اپنی اُمتوں کی ایذا رسانی پر صبر کرکے وقت گذار گئے۔ آپ بھی صبر کرتے رہیں۔ اولوالعزم رسولوں کے متعلق پانچ اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ اولوالعزم کا معنی ہے۔ صاحبانِ عزم و استقلال اور چونکہ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء عزم پختہ اور ارادہ قویّہ کے ساتھ پوری ثابت قدمی سے تبلیغ دین فرماتے رہے لہٰذا سب کے سب اولوالعزم تھے اور حضور کو سابق انبیاء کے طریقہ پر صبر سے تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس صورت میں مِن بیانیہ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اولوالعزم وہ چھ پیغمبر ہیں جنہوں نے انتہائی مشکل و کٹھن منازل میں صبر کیا پہلے حضرت نوح جنہوں نے قوم کی سخت سے سخت تر ایذا رسانی کے بعد بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ دوسرے حضرت ابراہیمؑ جنہوں نے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود کر اپنے صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا۔ اور دامنِ توحید کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ تیسرے حضرت اسحٰقؑ جنہوں نے ذبح کے لئے اپنے آپ کو پیش کرکے انتہائی صبر کا نمونہ پیش کیا (یہ اُس روایت کے ماتحت ہے جس میں ذبیح حضرت اسحٰق کو کہا گیا ہے۔ اور ہم نے تفسیر کی جلد ۱۱ میں ثابت کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق کے بجائے حضرت اسماعیل تھے) چوتھے حضرت یعقوب جنہوں نے اپنے بیٹے یوسف کی جدائی پر صبر سے کام لیا۔ اور آنکھوں کی بینائی کے کھو جانے کے بعد بھی بے صبری کا اظہار نہ کیا۔ پانچویں حضرت یوسفؑ جنہوں نے بھائیوں کی جانب سے ڈھائے جانے والے مظالم پر صبر کیا۔ کنویں میں گرائے گئے اور قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں لیکن دامن صبر و ضبط کو نہ چھوڑا۔ اور چھٹے حضرت ایوبؑ جنہوں نے سخت اذیتوں۔ تکلیفوں اور مصیبتوں کے باوجود انتہائی صبر و ضبط سے کام لیا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ان سے مُراد وہ انبیاء ہیں جن کو دشمن سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے خندہ پیشانی سے اس کو نبھایا۔

تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ

کفر کرتے تھے پس صبر کر جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لئے جلدی نہ کرو (طلب عذاب کی)

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ بَلٰغٌ ۚ

گویا کہ جس دن وہ دیکھیں گے وہ جس کا وعدہ کئے گئے ہیں (معلوم ہوگا) نہیں ٹھہرے (دنیا میں) مگر دن کی ایک گھڑی (یہ قرآن) تبلیغ

فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع

ہے پس نہیں ہلاک ہوگی مگر فاسق قوم

چوتھا قول یہ ہے کہ اولوالعزم پیغمبر کل چار ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت نوحؑ۔ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ۔ پانچواں قول یہ ہے کہ اولوالعزم پیغمبر وہ تھے جو نئی شریعت لے کر آئے اور اُن کی شریعت سابق شریعت کی ناسخ تھی اور وہ پانچ ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ یہی قول ابن عباس سے بھی منقول ہے اور اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے اور حضرت امام محمد باقرؑ حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے بھی اسی طرح وارد ہے۔ فرمایا یہ پانچ اولوالعزم پیغمبر باقی تمام نبیوں سے افضل و برتر ہیں اور یہی قول حق ہے اور علمائے شیعہ کا اسی پر اتفاق ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی سماعہ بن مہران سے منقول ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اولوالعزم رسولوں کے متعلق فرمایا کہ وہ حضرت نوح۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیٰ نبینا وعلیہم السلام ہیں راوی نے پوچھا کہ وہ کیسے اولوالعزم بن گئے تو آپ نے فرمایا کہ حضرت نوحؑ کو کتاب اور شریعت دے کر بھیجا گیا اور اُن کے بعد مبعوث ہونے والے تمام انبیاء ان کی شریعت پر عمل پیرا رہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے تو نئی کتاب و شریعت لائے اور سابقہ شریعت ان کی وجہ سے منسوخ ہوگئی۔ اور جو نبی ان کے بعد آئے وہ انہی کی کتاب و شریعت پر عمل کرتے رہے پھر حضرت موسیٰؑ کتاب تورات اور شریعت الگ لے کر آئے اور سابقہ شریعت منسوخ ہوگئی۔ ان کے بعد جو نبی تشریف لائے ان کی شریعت کے تابع رہے۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ تشریف لائے اور کتاب انجیل اور شریعت جدیدہ لے کر آئے اور شریعت موسویہ منسوخ ہوگئی اور آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف لائے جو کتاب قرآن اور شریعت اسلامیہ کے مبلغ بن کر آئے تو حضرت عیسیٰ کی شریعت منسوخ ہوگئی۔ پس ان کا حلال قیامت تک حلال رہے گا۔ اور ان کا حرام قیامت تک حرام رہے گا اور یہی اولوالعزم پیغمبر ہیں۔

سُورَۂ محمدؐ

یہ سورہ مدنیہ کہلاتا ہے سوائے آیت ۱۳ کے۔ دورانِ ہجرت مدینہ کے راستہ میں یہ سورہ نازل ہوا اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت ۳۹ ہے یہ سورۂ حدید کے بعد نازل ہوا۔

تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابی بن کعب منقول ہے حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا جو شخص سورہ محمدؐ کی تلاوت کریگا ضروری ہے کہ اللہ اس کو جنت کی نہروں سے سیراب فرمائے۔

اور بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس سورہ مجیدہ کو پڑھے گا اس کو دین میں کبھی شک نہ ہوگا اور وہ شرک و کفر سے ہمیشہ محفوظ رہے گا اور اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر میں ایک ہزار فرشتے موکل ہوں گے جو اس کی قبر میں صلوات بھیجیں گے اور اس کا ثواب صاحب قبر کو پہنچے گا اور وہی اس کی تشییع کریں گے اور بارگاہِ پروردگار میں مقامِ امن تک اس کو لے جائیں گے۔ پس وہ اللہ و رسول کی امان میں ہوگا۔ اور آپ نے فرمایا جو شخص ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے حالات کا جائزہ لینا چاہے تو اس کی تلاوت کرے کیونکہ اس میں ایک آیت ہمارے حق میں ہے تو دوسری ہمارے دشمنوں سے متعلق ہے۔

تفسیر برہان میں خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ مجیدہ کو پڑھے گا تو قبر سے نکلتے ہوئے جس طرف کا رخ کرے گا حضرت رسولِ اللہؐ کا اس کو دیدار ہوگا۔ اور اللہ اس کو جنت کی نہروں سے سیراب فرمائے گا۔ اور جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا وہ نیند اور بیداری میں پُرامن رہے گا۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ ہر بیماری و مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا جنوں کی اذیت اس سے دور ہوگی اور نیند و بیداری میں محفوظ رہے گا۔ اور اس کے ساتھ باندھنے سے ہر سر پر آنے والی مصیبت سے با امن رہے گا۔ باذن اللہ تعالیٰ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

(اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں))

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۲﴾ وَ الَّذِیۡنَ

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا (اللہ نے) ان کے اعمال کو ضائع کر دیا اور جو لوگ

اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ

ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اور ایمان لائے اس پر جو حضرت محمدؐ پر نازل ہوئی درحالیکہ وہ ان کے پروردگار کی

رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ﴿۳﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ

جانب سے حق ہے تو دور کر دیئے اُن سے (اللہ نے) ان کے گناہ اور ان کی حالت کو درست کر دیا یہ اس لئے کہ جن لوگوں نے

کَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ کَذٰلِکَ

کفر کیا وہ باطل کے تابع ہوئے اور جو لوگ ایمان لائے وہ حق کے پیرو ہوئے اپنے رب کی جانب سے اسی طرح

رکوع ۵

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا۔ آیت مجیدہ کا شانِ نزول اگرچہ مشرکین مکہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس کی تاویل باقی آیات کی طرح قیامت تک جاری ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے اس آیت کے تاویلی مصداق وہ لوگ ہیں جو پیغمبر کے بعد آلِ محمدؐ کے حقوق کے غاصب ہوئے اور حضرت علی کی ولایت سے منحرف ہوئے۔ اور قیامت تک کے لئے جو شخص بھی راہ حق سے روگردان ہو کر کفر کا راستہ اختیار کرے وہ اس آیت کا اور اس قسم کی جملہ آیات کا تاویلی مصداق ہو گا۔ چنانچہ تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم منقول ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے پیغمبر کی وفات کے بعد مسجد نبوی میں ایک جم غفیر سے خطاب کرتے ہوئے باواز بلند فرمایا۔ اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا۔ الآیہ۔ تو ابن عباس نے دریافت کیا۔ اے ابوالحسن آپ نے یہ آیت کس لئے پڑھی تو آپ نے فرمایا یہ میرا کلام نہیں بلکہ قرآن کا فرمان ہے تو ابن عباس نے عرض کی آخر کس مطلب کے لئے آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی (کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ کافر ہو گئے۔ اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے لگ گئے ان کے اعمال برباد ہو گئے) آپ نے فرمایا۔ اللہ فرماتا ہے کہ تم کو جو کچھ رسول دے دے لے لو۔ اور جس سے روکے رک جاؤ۔ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ رسول اللہ نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا تھا۔ ابن عباس نے کہا میں نے تو یہ سنا ہے کہ رسول اللہ نے آپ کو اپنا وصی مقرر فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا پھر تو نے کس بنا پر اس کی بیعت کر لی ہے۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی سے میں نے بھی بیعت کر لی۔ آپ نے فرمایا یہ بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح گوسالہ پرستوں نے گوسالہ پر اجتماع کر لیا تھا۔ پس تمہاری مثال ان لوگوں کی سی ہو گئی جنہوں نے آگ روشن کی جب ان کا

يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴿۴﴾ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ

خدا بیان کرتا ہے لوگوں کے لئے مثالیں پس جب تم ملاقات کرو (جنگ میں) کافروں سے پس ان کی

الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً

گردنیں اڑاؤ یہاں تک کہ جب اُن پر غالب آجاؤ تو ان کو مضبوط طور پر قیدی کر لو پھر یا تو احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ قبول کر کے رہا

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ

کرو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے (بند ہو جائے) یہ بات (یاد رکھو) اور اگر اللہ چاہتا تو خود ان سے انتقام لے لیتا لیکن (وہ چاہتا

لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۵﴾

ہے) کہ تمہیں بعض کو بعض سے آزمائے اور جو لوگ قتل کئے گئے اللہ کی راہ میں تو ان کے اعمال کو ہرگز وہ ضائع نہ کرے گا

اِدگرد ورش ہو گیا تو خدا نے ان کا نور سلب کر لیا اور ان کو ایسی تاریکیوں میں چھوڑا کہ کچھ نہیں دیکھ پاتے وہ گونگے بہرے اور اندھے ہیں کہ نہیں رجوع کرتے۔

بَالَهُمْ۔ بال کا معنی دل بھی ہوتا ہے اور اس کا معنی حال اور شان بھی ہوتا ہے اور یہاں دوسرا معنی مراد ہے۔ اور اس کی جمع کبھی نہیں آتی۔

اَثْخَنْتُمُوْهُمْ۔ اثخان زیادہ قتل کرنا دشمن کو زیر کرنا اور اُن پر شدت کرنا۔ اس جگہ مقصد یہ ہے کہ تم جب سختی اور زیادہ قتل کی وجہ سے دشمن پر غالب آجاؤ اور ان کو زیر کر لو کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں تو اُن کو اپنی قید و گرفت میں لے لو۔

فَاِمَّا مَنًّا۔ یہاں مَنًّا اور فِدَاءً مفعول مطلق ہیں۔ اور ان کا عامل وجوبًا محذوف ہے۔ یعنی تَمُنُّوْنَ مَنًّا اور تُفْدُوْنَ فِدَاءً اور قاعدہ یہ ہے کہ جہاں مفعول مطلق جملہ سابقہ کے مضمون کی تفصیل واقع ہو وہاں اس کا عامل وجوبًا محذوف ہوا کرتا ہے۔ اور کفار قیدیوں کے متعلق آئمہ طاہرین علیہم السلام کی جانب سے ہدایت اس طرح وارد ہے کہ قیدیوں کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک وہ جو لڑائی کے دوران گرفتار ہوں اُن کے متعلق امام کو اختیار ہے کہ ان کو قتل کر دے یا اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا اس کا عکس اور ان کو چھوڑ دے کہ آخر مر جائیں۔ اور اس صورت میں نہ من جائز ہے اور نہ فدا جائز ہے (۲) دوسرے وہ قیدی جو جنگ ختم ہو جانے کے بعد گرفتار کئے جائیں تو اُن میں امام کو اختیار ہے کہ من کرے یعنی ازراہِ احسان اُن کو چھوڑ دے یا فداء قبول کرے۔ یعنی مال یا مسلمان قیدیوں کے بدلے میں چھوڑ دے یا ان کو غلام بنا کر رکھے یا ان کو قتل کر دے۔ پس من و فدا یا استرقاق و قتل میں سے امام جو حکم دے اس کی اطاعت ضروری ہے۔

اَوْزَارَهَا۔ یہ وزر کی جمع ہے جس کا معنی ہے بوجھ اور اس جگہ آلاتِ جنگ مراد ہیں۔

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿٦﴾ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿٧﴾

ان کی رہبری فرمائیگا اور اس کی حالت کی اصلاح کریگا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس کو ان کے لئے معطر کیا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿٨﴾

اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم کرے گا

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿٩﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

اور جو لوگ کافر ہیں پس ان کے لئے ہلاکت ہے اور ان کے اعمال برباد ہیں کیونکہ انہوں نے اس کو

كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿١٠﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي

ناپسند کیا جو اللہ نے اتاری پس ان کے اعمال کو حبط کر دیا کیا نہیں سیر کرتے زمین

وَلَوْ يَشَاءُ ۔ یعنی اگر اللہ چاہتا تو کفار کو بغیر جنگ کے بھی ذلیل کرسکتا تھا لیکن تم کو جہاد کا حکم دیا ہے تاکہ تمہاری آزمائش ہو۔ اور تم اپنے اختیار سے مراتب ثواب اور مدارج جنت کے مستحق ہو۔

وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۔ اس لفظ کو دہرانے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی جگہ بال سے مراد دینی و دنیاوی حالتوں کی اصلاح تھی جو جنت کی سبب ہے۔ اور اس جگہ بال سے مراد خود جنت ہے یعنی ان کی جنت کو خوب سجائے گا۔

عَرَّفَهَا لَهُمْ ۔ یعنی وہ جنت جس کی ان کے سامنے اس نے تعریف کی ہے کہ وہ اس کو جانتے ہوں گے یا یہ کہ اپنے اپنے جنت کے ٹھکانوں کو وہ جانتے ہوں گے۔ اور سیدھے ان میں چلے جائیں گے یا یہ کہ عرف سے ہے جس کا معنی خوشبو ہے یعنی وہ جنت جس کو اللہ نے ان کے لئے معطر کر رکھا ہے۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ ۔ آیت مجیدہ میں پروردگار نے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی ہے کہ اگر تم خلوص نیت سے اللہ کے دین کی مدد کروگے تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو ثابت کرے گا۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے جہاد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ جہاد وہ دروازہ ہے جو اللہ نے اپنے خاص دوستوں کے لئے مقرر فرمایا ہے اور یہ مومنوں کے لئے کرامت اور باعث رحمت ہے جو اللہ نے ان کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔ جہاد تقویٰ کا لباس اللہ کی محفوظ زرہ اور جنت کی رسید ہے جو شخص اس کو روگردانی کرکے ترک کردے اللہ اس کو ذلت کا لباس اور مصیبت کی چادر پہنائے گا۔ اور وہ خوشحالی سے دور ہوگا۔ اس کے دل پر برائی کی اور دین پر حقارت کی مہر لگ جائے گی اور جہاد کے ضائع کرنے سے وہ رسوائی کو چکھے گا۔ انصاف سے دور اور حق سے الگ ہوگا اور اللہ کا اس پر غضب ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کے دین کی نصرت سے گریز کیا۔ الخ۔

الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

ہیں تاکہ اُن لوگوں کا انجام دیکھیں جو ان سے پہلے گذرے جن کو اللہ نے ہلاک کیا اور

وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿۱۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ

کافروں کے لئے انہی جیسا عذاب ہوگا یہ اس لئے کہ اللہ کارساز ہے اُن کا جو ایمان لائے اور کافروں

الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۲﴾ ع اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کا کوئی کارساز نہیں بے شک اللہ داخل کرے گا ان کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ

بجالائے ان باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ لذت اٹھاتے ہیں اور

وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۳﴾ وَكَاَيِّنْ

کھاتے ہیں جس طرح حیوان کھاتے ہیں اور جہنم ان کا ٹھکانا ہے اور کتنی

مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا

بستیاں جو تیری اس بستی سے جس نے تجھے نکالا ہے مضبوط تھیں طاقت میں ہم نے اُن کو ہلاک کیا قران کا

كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں ہے جنہوں نے حضرت علیؑ کے حق میں اُترنے والی آیات کو ناپسند کیا اور انہی کے متعلق فرماتا ہے کہ ان کے اعمال برباد ہوگئے۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۔ یعنی جس طرح گذشتہ اُمتوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی اور گرفتارِ عذاب ہوئے اسی طرح یہ لوگ بھی حق کا انکار کرکے گرفتارِ عذاب ہوں گے اور انکار کرنے والوں کے لئے انہی جیسا عذاب ہوگا۔ بہرکیف ان کا ظاہر اگرچہ زمان پیغمبر کے منکروں کے لئے ہے لیکن اُن کی تاویل اور باطن قیامت تک کے منکرین حق کے متعلق جاری رہے گی۔ رکوع ع۶

يَتَمَتَّعُوْنَ ۔ یعنی جس طرح حیوانی زندگی کھانے پینے اور دنیاوی لذّات سے بہرہ اندوز ہونے کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں رکھتی۔ اِسی طرح وہ لوگ جو کافر ہیں وہ بھی اپنی زندگی کا مقصد حیوانوں کی طرح کھانا پینا اور دنیاوی لذّات سے بہرہ ور ہونا قرار دیتے ہیں۔ اور آیت میں اختصار ہے۔ یعنی يَتَمَتَّعُوْنَ كَمَا تَتَمَتَّعُ الْاَنْعَامُ ۔ یعنی وہ دنیاوی منافع سے اس طرح لذّت اندوز ہوتے ہیں جس طرح چوپائے لذت اندوز ہوتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس

نَاصِرَ لَهُمْ ⑬ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ

کوئی مددگار نہ تھا پس کیا جو شخص اپنے رب کی جانب سے واضح دلیل رکھتا ہو اس جیسا ہے جس کے لئے اپنی بدعملی

سُوٓءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوٓا أَهْوَآءَهُم ⑭ مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ

مزین ہو اور وہ اپنی خواہشات کے پیرو ہوں مثال اس جنت کی جس کا متقین کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے

فِيهَآ أَنْهَٰرٌ مِّن مَّآءٍ غَيْرِ ءَاسِنٍ وَأَنْهَٰرٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ

اس میں نہ متغیر ہونے والے پانی کی نہریں جاری ہیں اور ایسے دودھ کی نہریں جن کا ذائقہ متغیر نہ ہوگا

وَأَنْهَٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّٰرِبِينَ وَأَنْهَٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَ

اور شراب کی نہریں جو پینے والوں کے لئے لذیذ ہوگا اور خالص شہد کی نہریں اور

طرح چوپائے کھاتے ہیں۔ یعنی جس طرح چوپاؤں میں حلال وحرام اور اپنے وبیگانے کی تمیز نہیں ہوتی۔ اسی طرح کافر لوگ بھی حلال وحرام اور جائز و ناجائز کے فرق سے بے نیاز ہو کر کھانے پینے اور دنیاوی منافع سے لذت اندوز ہونے میں اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں اور دوزخ ان کا پکا ٹھکانا ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ۔ مَثَل اور مِثْل مترادف ہیں جس طرح شَبَہ اور شِبہ مترادف ہیں۔ یہاں مثل مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یعنی ان باغات کی مثال جن کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ان جیسی ہے جس طرح تم دنیا میں دیکھ چکے ہو لیکن دنیاوی باغات اور جنتی باغات میں جو فرق ہے بعد میں اس کا بیان ہے کہ ان باغات کی نہروں کا پانی کبھی بدبودار نہ ہوگا۔ وہاں نہ خراب ہونے والے دودھ کی نہریں ہوں گی۔ وغیرہ۔

اٰسِنٍ۔ آسِنَ یَاسَنُ اُسُوْنًا یا اَسَنًا۔ علم یعلم کے باب سے ہے اور اس کا معنی ہے بدبودار ہونا۔

تفسیر عمدۃ البیان کی ایک روایت میں ہے کہ شب معراج حضور نبی اکرمؐ نے جنت کی سیر فرمائی تو جنت کی چاروں نہروں کے منبع کو دیکھنے کے لئے ایک قبہ میں داخل ہوئے وہاں ایک ستون دیکھا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر تھا۔ خالص پانی کی نہر بسم اللہ کے میم کے حلقہ سے دودھ کی نہر لفظ اللہ کے ہاء کے حلقہ سے شہد کی نہر رحمٰن کے میم کے حلقہ سے اور شراب کی نہر رحیم کے میم کے حلقہ سے جاری تھی۔ اور بسم اللہ کی باء پر لکھا ہوا تھا کہ دنیا میں جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے گا اس کو یہ چاروں نہریں عطا ہوں گی۔ اور منقول ہے کہ دنیاوی شراب کی بدبو مستی اور سردردی کے عیوب جنت کی شراب میں نہ ہوں گے بلکہ وہ خالص لذیذ ہوگی۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ۔ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے۔ یعنی مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ۔ یعنی جو

لَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي

ان کے لئے اس میں ہر قسم کے میوہ جات ہوں گے اور اپنے رب کی بخشش ہوگی (کیا یہ لوگ) ان جیسے ہو سکتے ہیں جو آگ میں ہمیشہ

النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٦﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ

رہیں گے اور گرم پانی پلائے جائیں گے جس سے ان کی انتڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہوں گی اور بعض ان میں سے وہ جو آپ کی باتیں سنتے ہیں

حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا

یہانتک کہ جب باہر نکلتے ہیں تو صاحبانِ علم سے پوچھتے ہیں (کہ انہوں نے) ابھی کیا فرمایا تھا

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٧﴾ وَالَّذِينَ

ایسے لوگوں کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور جو لوگ

اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿١٨﴾ فَهَلْ يَنْظُرُونَ

ہدایت یافتہ ہیں خدا ان کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا کرتا ہے پس نہیں وہ انتظار کرتے

شخص ان نعمتوں میں ہو کیا وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو جہنم کا ایندھن ہو اور گرم کھولتا ہوا پانی اس کی خوراک ہو۔

مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۔ یعنی رسول اللہ کی مجلس میں بیٹھنے والے بعض ایسے لوگ بھی ہوا کرتے تھے کہ حضور کے وعظ و نصیحت سے ذرہ بھر فائدہ نہ اٹھاتے تھے بلکہ دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور باہر جا کر ان لوگوں سے دریافت کرتے تھے جن کو اللہ نے علم و فہم کی دولت سے مالا مال کیا ہے کہ حضور نے ابھی ابھی اپنے وعظ میں کیا کچھ فرمایا تھا اور یہ ایسے لوگوں کا تذکرہ ہے جو منافق طبع تھے کہ حضور کی باتوں کو دل میں جگہ نہ دیتے تھے بلکہ ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے نکال دیتے تھے اور انہی کے متعلق فرمایا کہ ان کے دلوں پر نفاق کی مہریں ہیں اور وہ خواہشات نفس کے پابند ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ حضور جب وحی کی خبریں سناتے تھے تو ہم یاد کر لیتے تھے اور وہ لوگ باہر آ کر پوچھتے تھے کہ آپ نے کیا فرمایا تھا۔

وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۔ یعنی خدا ان کو تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے یا یہ کہ خدا ان کو تقویٰ کا اجر عطا فرماتا ہے۔

أَنْ تَأْتِيَهُمْ ۔ یہ السَّاعَةَ سے بدل اشتمال ہے کیونکہ تاویل مصدر میں ہے یعنی إِلَّا السَّاعَةَ إِتْيَانَهَا ۔

علامات قیامت

فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۔ اشراط کا معنی علامات کیا گیا ہے۔ حضورؐ سے مروی ہے۔ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ ۔ یعنی مبعوث ہوا ہوں درحالیکہ میں اور قیامت مثل ان دو انگلیوں کے ہیں یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کسی اور نبی کی آمد نہ ہوگی۔ تفسیر صافی میں کافی سے منقول

إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا

مگر قیامت کی کہ ان کے پاس اچانک آجائے تو تحقیق اس کی علامات آچکی ہیں پس وہ کہاں سے نصیحت

ہے۔ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا علامات قیامت میں سے فالج کا عام ہونا اور اچانک موت کا زیادہ ہونا ہے۔

تفسیر برہان اور صافی میں بروایت علی بن ابراہیم عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع میں ہم حضور نبی کریمؐ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے کعبہ کے دروازہ کے حلقہ میں ہاتھ ڈالا اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا میں تم کو قیامت کی علامات بتاؤں؟ اس وقت حضرت سلمان رضؓ حضورؐ سے بہت زیادہ قریب کھڑے تھے۔ سب نے عرض کی ہاں یا رسول اللہؐ! تو آپ نے فرمایا قیامت کے علامات میں سے ہے نماز کا ضائع کرنا۔ شہوات کی اتباع۔ خواہش نفس کی طرف میلان۔ مالدار لوگوں کی تعظیم اور دنیا کے بدلہ میں دین کی سودا بازی۔ جب یہ وقت آئے گا تو مومن کا دل اس طرح پگھلے گا جس طرح پانی میں نمک پگھلتا ہے۔ کیونکہ وہ منکر کو دیکھے گا لیکن اُسے روک نہ سکے گا۔ سلمان نے عرض کی حضور! ایسا وقت بھی آئے گا؟ تو آپ نے فرمایا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اُس زمانہ میں ظالم حکمران اور فاسق مدبر ہوں گے اور عارف لوگ ظلم کرنے والے ہوں گے اور جن کو امین سمجھا جائے گا وہ خائن ہوں گے۔ سلمان نے ازراہِ تعجب عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اے سلمان! اس وقت معروف منکر ہوگا۔ اور منکر معروف ہوگا۔ خائن کو امین سمجھا جائے گا۔ اور امین کو خائن قرار دیا جائے گا۔ جھوٹے کو سچا کہیں گے اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا۔ پھر سلمان نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ ایسا بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں ہوگا۔ پھر فرمایا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس وقت عورتوں کی حکومت ہوگی۔ کنیزوں سے مشورے لئے جائیں گے منبروں پر لڑکے تقریریں کرنے والے ہوں گے۔ جھوٹ کا رواج ہوگا۔ زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے گا۔ ___ نے کو غنیمت قرار دیا جائے گا۔ والدین پر لوگ جفا کریں گے۔ دوست دوست سے بری ہوگا اور دمدار ستارہ طلوع کرے گا۔ سلمان نے عرض کی یا رسول اللہ! ایسا بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا ہاں ضرور ہوگا اور مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اے سلمان اُس وقت عورتیں مردوں کے ساتھ تجارت میں شریک ہوں گی۔ بارشیں کم ہوں گی۔ شرفاء کا دم گھٹے گا غرباء کو حقیر سمجھا جائے گا۔ پس اُس وقت بازاروں میں یہ باتیں ہوں گی، کوئی کہے گا میں نے کچھ نہیں بیچا۔ دوسرا کہے گا مجھے بچت کچھ نہیں ہوئی۔ اور اکثر لوگ اللہ پر ناراض ہوں گے۔ پس سلمان نے عرض کی یا رسول اللہ ایسا بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا ہاں اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اے سلمان: ان کے بعد ایسی قومیں آئیں گی کہ بولیں گے تو ان کو قتل کیا جائے گا۔ اور چپ رہیں گے تو ان کا سب مال مباح سمجھا جائے گا۔ اور ان کی عزت لوٹ لی جائے گی۔ ان کے دل دھوکے اور فریب سے پُر ہوں گے۔ اور وہ ایک دوسرے سے خوف زدہ اور مرعوب ہوں گے۔ سلمان نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے قسم کھا کر ہاں میں جواب دیا اور فرمایا اے سلمان: اُس وقت کوئی شے مشرق سے آئے گی

جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿١٩﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ

حاصل کریں گے جب وہ آجائے گی پس جان لے تحقیق کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور اپنے گناہ کے لئے معافی

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿٢٠﴾ ع وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

مانگو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے اور اللہ جانتا ہے تمہارے انجام اور ٹھکانے کو اور ایمان والے کہتے ہیں کہ

کوئی چیز مغرب سے آئے گی۔ میری اُمت کے کمزور لوگوں کے لئے مصیبت ہوگی۔ نہ چھوٹے پر رحم کریں گے[30] نہ بڑوں کی عزت کریں گے۔ کسی سے غلطی سرزد ہونے کے بعد[31] چشم پوشی نہ ہوگی۔ پس ان لوگوں کے جسم انسانوں کی طرح ہوں گے[32] اور دل شیطان ہوں گے۔ سلمان نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! ایسا بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اے سلمان، اُس زمانہ میں مرد مردوں سے خواہش پوری کریں گے[33] اور عورتیں عورتوں سے خواہش پوری کرلیں گی۔ لڑکوں کو اس طرح اغوا کیا جائے گا[34] جس طرح لڑکیوں کو اغوا کیا جاتا ہے۔ یعنی لڑکوں پر اسی طرح غیرت کی جائے گی جس طرح لڑکیوں سے کی جاتی ہے۔ مرد عورتوں سے مشابہت کریں گے اور عورتیں[35] مردوں سے مشابہت کریں گی۔ اور عورتیں مردوں کی طرح گھوڑوں[36] پر سواری کریں گی۔ پس میری اُمت کے ان افراد پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ پھر سلمان نے ازراہِ تعجب دریافت کیا کہ حضورؐ: ایسا بھی ہوگا؟ تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ ضرور ہوگا اور فرمایا اے سلمان: جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے گرجوں کو مزین کرتے ہیں لوگ مساجد کو بھی مزین کریں گے[37]۔ قرآن کو آراستہ کریں گے[38]۔ مینار اونچے بنائیں[39] گے۔ صفوں میں آدمی زیادہ ہوں گے جن کے دل ایک دوسرے سے متنفر ہوں گے[40] اور زبانیں مختلف ہوں گی۔ سلمان نے عرض کی: حضورؐ! یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں: مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اے سلمان! اُس وقت میری اُمت کے مرد[41] سونا اور ریشم پہنیں گے۔ سلمان نے عرض کی حضورؐ: یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا ہاں: اے سلمان مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ سود خواری[42] عام ہوگی۔ سودابازی رشوت[43] و کمیشن سے ہوگی۔ پس دین نیچے ہوگا۔ دنیا[44] اُوپر ہوگی۔ سلمان نے کہا یا رسول اللہ! یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا۔ ہاں: ضرور ہوگا اور فرمایا اس زمانہ میں طلاق[45] زیادہ ہوگی اور اللہ کی کوئی[46] حد قائم نہ ہوگی۔ سلمان نے کہا حضور! یہ بھی ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں: مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اُس وقت گانا بجانا[47] عام ہوگا اور میری اُمت کے بدترین لوگ یہ کاروبار کریں گے۔ سلمان نے عرض کی یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے قسم کھا کر ہاں میں جواب دیا۔ اور فرمایا اُس زمانہ میں دولتمند سیر کے لئے متوسط طبقہ تجارت[48] کے لئے اور غربا، لوگ ناموری کے لئے حج کو جائیں گے۔ اس زمانہ میں لوگ قرآن کو غیر اللہ کے لئے پڑھیں گے اور اُس[49] سے مزمار کا کام لیں گے اسی طرح بعض لوگ فقہ بھی غیر اللہ کے لئے حاصل کریں گے۔ اولادِ زنا عام[50] ہوگی۔ لوگ قرآن کو غنا میں پڑھیں[51] گے اور دنیا کے متوالے ہوں گے۔ سلمان نے عرض کی یا رسول اللہ!

امنوا لولا نزلت سورۃ فاذا انزلت سورۃ محکمۃ وذکر فیھا القتال

سورہ کیوں نہیں نازل ہوتا پس جب نازل ہوگئی سورہ محکمہ جس میں جنگ کرنے کا ذکر ہو

ایسا بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا ہاں ضرور ہوگا۔ مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اے سلمان! اس وقت یہ بھی ہوگا کہ جن عورتوں سے نکاح حرام ہے اُن کی عزت لوٹی جائے گی۔ گناہ عام ہوں گے اور نیکوں پر بروں کا تسلط ہوگا۔ جھوٹ عام اور چاپلوسی زیادہ ہوگی۔ دانا دم بخود ہوں گے۔ فاقہ مستی عام ہوگی۔ لوگ لباس پر فخر کریں گے۔ بارشیں بے موسم ہوں گی۔ باجوں سارنگیوں سے محبت ہوگی۔ امر بالمعروف کو بُرا سمجھا جائے گا اور نہی عن المنکر سے گریز کیا جائے گا۔ مومن اس دور میں ذلیل ترین انسان ہوگا۔ اُن کے قاری و عابد ایک دوسرے کو ملامت کریں گے۔ یہ لوگ ملکوت سماوی میں ارجاس و انجاس پکارے جائیں گے۔ سلمان نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا ہاں ضرور ہوگا۔ اے سلمان! اس وقت دولت مندوں کو سب سے زیادہ خطرہ فقر کا ہوگا۔ حتیٰ کہ فقر کے ڈر سے کوئی کسی سائل کو کچھ نہ دے گا۔ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کوئی سائل کسی سے کچھ حاصل نہ کر سکے گا۔ سلمان نے عرض کی؛ حضور؛ یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا اُس وقت عوام کے حق میں وہ بھی بولنے لگیں گے جو کبھی نہ بولے ہوں گے۔ پس زمین پھٹے گی اور لوگ اس کے اندر چلے جائیں گے۔ جب تک اللہ چاہے گا یہ حالت برقرار رہے گی۔

کلمہ توحید و استغفار

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ تفسیر مجمع البیان میں حضورؐ سے مروی ہے جو لا الٰہ الا اللہ پڑھے وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔ تفسیر برہان میں ہے حضورؐ نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ بہترین عبادت ہے اور استغفار بہترین عبادت ہے۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ روزمرہ ستر مرتبہ استغفار اور ستر مرتبہ توبہ کیا کرتے تھے یعنی اَسْتَغْفِرُ اللّٰه ستر مرتبہ اور پھر اَتُوْبُ اِلَى اللّٰه ستر مرتبہ پڑھتے تھے۔ اور مروی ہے کہ حضورؐ جہاں بیٹھتے تھے۔ اگرچہ کس قدر معمولی وقفہ بھی ہوتا تو کم از کم پچیس مرتبہ استغفر اللہ کہہ کر کھڑے ہوتے تھے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ بغیر گناہ کے ہر روز ستر مرتبہ استغفار پڑھا کرتے تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ روزمرہ بغیر گناہ کے آپ ایک سو مرتبہ توبہ و استغفار پڑھا کرتے تھے۔ اور مروی ہے آپ نے فرمایا استغفار بہترین دُعا ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ایک سو دفعہ استغفر اللہ کہے اس کے سات سو گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں اور فرمایا اس انسان میں کوئی بھلائی نہیں جو روزانہ سات سو گناہ کرے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کوئی مومن گناہ کرنے کے بیس برس گذرنے کے بعد گناہ کو یاد کر کے استغفار کرے تو بھی اس کا گناہ معاف ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اس گناہ کو اس لئے یاد کرتا ہے کہ گناہ سے اس کو نفرت ہے بخلاف اس کے کافر گناہ کر کے فوراً اس کو بھول جایا کرتا ہے۔

رَأَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ

تو وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تیری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو

بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو سات گھنٹے مہلت دی جاتی ہے ۔ اگر استغفار کرے تو اُس کا گناہ نہیں لکھا جاتا ۔ اور دوسری روایت میں آپ نے فرمایا چالیس گناہان کبیرہ کے بعد بھی اگر انسان استغفار پڑھ لے تو خدا اُس کو معاف کر دیتا ہے ۔ ایک روایت میں ہے کہ گناہ کرنے کے بعد شام تک اس کا گناہ نہیں لکھا جاتا اگر توبہ کرے ۔ یعنی اگر نہ توبہ کرے تو بعد میں اس کا گناہ لکھا جاتا ہے ۔

لِذَنْبِكَ :۔ یہاں خطاب اگرچہ نبی کریم کو ہے لیکن مراد امت ہے تاکہ حضورؐ کی سنت کو اپناتے ہوئے لوگ استغفار کو اپنا طریقہ بنالیں اور یہ بہترین عبادت ہے ۔ حذیفہ یمانی نے حضورؐ سے عرض کی کہ تیز زبان ہوں اور گھر والوں کو تیز زبانی سے تنگ کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ تیز زبانی مجھے دوزخ میں نہ لے جائے تو آپ نے فرمایا کہ استغفار پڑھا کرو ۔ اور میں خود روزمرہ ایک سو بار استغفار پڑھتا ہوں ۔

مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰكُمْ ۔ اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں (۱) اللہ تمہارے دنیاوی تصرفات کو جانتا ہے اور تمہاری اُخروی بازگشت کو بھی جانتا ہے (۲) اللہ تمہارے باپوں کی پشتوں میں اور ماؤں کے رحموں میں تقلّب کو بھی جانتا ہے اور تمہارے دنیاوی ٹھکانوں کو بھی جانتا ہے (۳) اللہ تمہارے دنیاوی ہیر پھیر کو بھی جانتا ہے اور تمہارے قبروں کے ٹھکانوں کو بھی جانتا ہے (۴) اللہ تمہارے دن کے کاروبار کو اور رات کی آرام گاہوں کو جانتا ہے ۔

رکوع ۷

مُحْكَمَةٌ ۔ قتادہ سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں جس قدر جہاد کی آیتیں ہیں وہ محکم ہیں اور منافقین پر وہ بہت گراں ہیں اور ابن مسعود کی قرأت میں محکمہ کے بجائے محدثۃ منقول ہے یعنی جب ہم نئی سورت بھیجیں جس میں لڑنے کا ذکر ہو تو منافقوں پر موت کی سی غشی طاری ہو جاتی ہے ۔

فَاَوْلٰى لَهُمْ ۔ اس کی تین ترکیبیں کی گئی ہیں ۔ (۱) اَوْلٰى فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل محذوف ہے یعنی فَاَوْلٰهُمْ مَا يَكْرَهُوْنَ ۔ یعنی ان کو وہ چیز پہنچے جس کو وہ ناپسند کرتے ہوں (۲) اَوْلٰى ویل اور عذاب کے معنی میں ہے ۔ پس یہ غیر منصرف ہوگا ۔ وزن فعل اور ویل کا علم ہونے کی وجہ سے ۔ پس اَوْلٰى مبتدا اور لہم جار مجرور ثابت کے متعلق ہو کر اس کی خبر ہوگی یعنی ان کے لئے عذاب اور ویل ہے (۳) اَوْلٰى لَهُمْ ۔ مبتدا ہے اور اس کی خبر ہے طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ یعنی ان کے لئے جزع و فزع کرنے سے زیادہ بہتر اور مناسب تھا کہ اطاعت کو قبول کر لیتے اور اچھی بات منہ سے نکالتے ۔

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۔ اس کی بھی کئی ترکیبیں کی گئی ہیں (۱) ایک ترکیب تو وہی ہے جو ابھی گزر چکی ہے کہ یہ اَوْلٰى لَهُمْ کی خبر ہے (۲) یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ اَحْسَنُ وَاَمْثَلُ لَهُمْ ۔ یعنی اطاعت کرنا اور نیک بات کہنا ان کے لئے بہتر اور موزوں تھا (۳) یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی اَمْرُنَا

فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۱﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا

پس ویل ہو ان کے لئے اطاعت کرنا اور نیک بات کہنا ان کے لئے اچھا تھا، پس جب بات کا فیصلہ ہوجاتا ہے (تو اگر سچے

اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۲﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا

توڑ دیتے ہیں) پس اگر اللہ کیساتھ سچ کرتے تو ان کے لئے بہتر تھا کیا تم سے یہی توقع ہے کہ اگر والی بنائے جاؤ تو فساد کروگے

فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۳﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ

زمین میں اور قطع رحمی کروگے؟ ایسے لوگوں پر اللہ نے لعنت کی ہے

فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۴﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ

پس ان کو بہرہ کردیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۔ یعنی ہمارا حکم اطاعت اور قول معروف ہے یعنی ہمارا حکم یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اچھی بات منہ سے نکالی جائے۔

فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۔ اس کی خبر محذوف ہے ۔ یعنی حق تو یہ ہے کہ جب ہماری طرف سے حتمی آرڈر ہوجائے تو ان کو سرتابی کی بجائے اطاعت گذاری کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ لیکن اس کے برعکس جب ہمارا حکم حتمی طور پر ہو تو وہ عہد کرنے کے باوجود روگردانی کرتے ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ نَكَلُوْا وَكَذَّبُوْا ۔ یعنی جب ہمارا حکم پختہ ہوجائے تو وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور حکم کی تکذیب کرتے ہیں۔ پس اگر اپنے عہد کی ایفاء کرتے اور ہمارے حکم کے سامنے جھک جاتے تو ان کے لئے اچھا ہوتا

قطع رحمی سے ممانعت

فَهَلْ عَسَيْتُمْ یہ حکام وقت کو خطاب ہے کہ کیا تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت سونپ دی جائے تو تم زمین میں رشوت ستانی کا بازار گرم کرکے فساد برپا کروگے ۔ اور قطع رحمی کا ارتکاب کروگے۔ تفسیر برہان میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ قاطع الرحم سے دوستانہ نہ کرو، کیونکہ اللہ کی کتاب میں اس پر تین جگہ لعنت ہوئی ہے۔ ایک تو اس جگہ پر اگلی آیت میں فرمایا۔ ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے دوسری جگہ قطع رحمی کرنے والے کے متعلق فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ اور تیسری جگہ سورہ بقرہ میں قطع رحمی کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ قطع رحمی کرتے ہیں وہ خسارے میں ہیں۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت بنی اُمیہ کے متعلق ہے۔

فَاَصَمَّهُمْ : یعنی نہ تو کلمہ حق سنتے ہیں اور نہ آنکھوں سے دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں گویا وہ بہرے اور اندھے ہیں۔

ظواہر قرآن کی حجیت: ۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ ۔ آیت مجیدہ میں قرآن مجید میں تدبر کرنے کی واضح دعوت موجود ہے

عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ

دلوں پر پردے ہیں ؟ تحقیق جو لوگ پچھلے قدموں پر مرتد ہو کر پلٹ گئے ہدایت کے

مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَی الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰی لَهُمْ ﴿۲۶﴾ ذٰلِكَ

واضح ہونے کے بعد تو شیطان نے ان کے لئے آسان کر دیا یا مزین کر دیا اور انکو ڈھیل دیدی یہ اس لئے

بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ

کہ انہوں نے کہا اُن سے جنہوں نے ناپسند کیا اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کو کہ ہم تمہاری بعض معاملات میں اطاعت کریں گے

وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ

اور اللہ ان کی رازداری کو جانتا ہے پس کیا حال ہوگا جب ان کو فرشتے موت دیں گے تو ماریں گے

لیکن اس کی آیات کی تفسیر و توضیح آل محمدؐ کی ہدایات کے ماتحت ضروری ہے ورنہ تفسیر بالرائے لازم آئے گی اور حدیث متواتر میں موجود ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی اپنے رائے سے تفسیر کرے اس کی جگہ جہنم ہے۔ البتہ جن مقامات و مسائل میں آل محمدؐ کی طرف سے کوئی فرمان وارد نہ ہو اور قرآن مجید کی آیت اس پر مطابقی یا تضمنی یا التزامی طور پر دلالت کرتی ہو تو اس مقام اصولیین اور اخباریین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ اخباریین کا مسلک یہ ہے کہ ایسے مقامات پر جہاں اہل بیت کی جانب سے کوئی توضیح و تشریح موجود نہ ہو وہاں آیت قرآنیہ کی حجیّت ساقط ہے لیکن اصولیین کا مسلک یہ ہے کہ قرآنی آیات کو آل محمدؐ کی فرمائشات کے ماتحت حل کیا جائے گا لیکن جہاں آل محمد کی جانب سے کوئی وضاحت موجود نہ ہوگی وہاں ظاہر قرآن حجت ہوگا اور اس پر عمل کیا جائے گا اور یہی قول صحیح ہے اور قرآن مجید کی مذکرہ بالا آیت استشہاد کے لئے کافی ہے۔

منافق کی نشانی

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا ۔ تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ فلاں فلاں اور فلاں مراد ہیں جنہوں نے ولایت علی کو ترک کیا۔

قَالُوْا لِلَّذِیْنَ ۔ یہ بنو امیہ کے حق میں ہے جنہوں نے حضرت علی کے حق میں اُترنے والی آیات کو ناپسند کیا۔ اگرچہ ظاہر آیت تنزیل کے لحاظ سے معین ہو لیکن تاقیامت اس کی تاویل جاری ہے اور تمام راہ حق سے روگردانی کرنے والے لوگوں کو شامل ہے تفسیر صافی اور برہان میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ آیت مجیدہ فلاں فلاں اور ان کے اتباع کے حق میں اُتری کیونکہ انہوں نے بنو امیہ کو اپنے خفیہ عہد نامے میں شریک کیا اور اُن سے یہ عہد لیا کہ حکومت کو آل محمد کی طرف پلٹنے نہ دیا جائے اور نہ ان کو خمس دیا جائے۔ کیونکہ اگر ان کو خمس بھی دیا گیا تو ان کے حالات سنور جائیں گے اور وہ حکومت کے چھن جانے کی بھی پرواہ نہ کریں گے۔ پس بنو امیہ نے ان کو جواب دیا سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۔ یعنی ہم تمہاری بعض امور

وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۸﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ

ان کے چہروں اور پشتوں پر کیونکہ انہوں نے اتباع کی ایسی شئی کی جو اللہ کے لئے موجب ناراضگی تھی اور

كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۹﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ

انہوں نے ناپسند کیا اللہ کی رضا کو پس حبط کر دیئے ان کے اعمال کیا جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ نَشَآءُ

وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے کینوں اور عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا؟ اور اگر ہم چاہیں تو

لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ

تجھے وہ دکھا دیں پس تو ان کو پہچان لے گا علامتوں سے اور ان کو پہچان لے گا بات کے لہجے سے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۱﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ

اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے اور ہم تم کو ضرور آزمائیں گے تاکہ جان لیں تم میں جہاد کرنے والوں

میں اطاعت کریں گے یعنی ان کو خمس سے حصہ نہ دیں گے۔ اور وہ اللہ کی نازل کردہ چیز جس کو انہوں نے ناپسند کیا تھا وہ حضرت علی کی ولایت تھی اور ان کے ہمراہ اس میٹنگ میں ابو عبیدہ بھی شامل تھا۔ پھر اگلی آیت میں ارشاد ہے کہ ان لوگوں نے اس چیز کی اطاعت کی جس پر اللہ ناراض تھا اور اللہ کی رضامندی کو انہوں نے ناپسند کیا۔ لہذا ان کے اعمال حبط ہو گئے۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے وہ یہ نہ خیال کریں کہ اللہ ان کے کینوں اور سازشوں کو ظاہر نہ کرے گا بلکہ اگر ہم چاہیں تو تم کو دکھا دیں اور تم خود ان کی علامتوں سے اور کلام کے لہجے سے بھی پہچان لو گے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ لحن القول سے مراد بغض علیؑ ہے۔ یعنی تم منافقوں کو بغض علی کی نشانی سے خود بخود پہچان لو گے۔ ابو سعید خدری سے منقول ہے كُنَّا نَعْرِفُ الْمُنَافِقِيْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِبُغْضِهِمْ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ۔ یعنی زمانِ پیغمبر میں ہم منافقوں کو بغض علی کی نشانی سے پہچان لیا کرتے تھے اور جابر بن عبداللہ انصاری سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ اور عبادہ بن صامت سے مروی ہے كُنَّا نَبُوْرُ اَوْلَادَنَا بِحُبِّ عَلِيٍّ فَاِذَا رَاَيْنَا اَحَدَهُمْ لَا يُحِبُّهٗ عَلِمْنَا اَنَّهٗ لِغَيْرِ رِشْدَةٍ۔ یعنی ہم اپنی اولاد کو محبت علی کی تربیت دیتے تھے اور جب کسی کے متعلق ہمیں پتہ چلتا تھا کہ وہ علی سے محبت نہیں رکھتا تو ہمیں علم ہو جاتا تھا کہ وہ حلال زادہ نہیں ہے۔ اور انس سے منقول ہے مَا خَفِيَ مُنَافِقٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ بَعْدَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ۔ یعنی زمان پیغمبر میں اس آیت کے بعد کوئی منافق مخفی نہیں رہ سکا۔ اور تفسیر برہان میں اسی مضمون کی متعدد احادیث وارد ہیں۔

مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا

کو اور صبر کرنے والوں کو اور آزما لیں تمہارے پوشیدہ رازوں کو ۔ تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا ۔ اور اللہ

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ

کے راستے سے روکا اور رسول سے دشمنی کی بعد اس کے کہ ان کے لئے ہدایت واضح ہو گئی وہ اللہ کو کچھ

يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ ان کے اعمال کو حبط کر دے گا اے ایمان والو

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا

وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾

اور اللہ کے راستے سے روکا پھر کفر کی حالت میں مر گئے ۔ اُن کو ہرگز اللہ نہ بخشے گا

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَ

پس کمزور نہ بنو کہ ان کو صلح کی پیش کش کرو حالانکہ تم ہی بلند ہو اور اللہ تمہارا ساتھی ہے اور

لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ

وہ ہرگز نہ کمی کرے گا تمہارے اعمال کی جزا میں بجز اس کے نہیں کہ دنیاوی زندگی لہو و لعب ہے

وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا جو شخص سبحان اللہ کہے اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے ۔ جو شخص الحمد للہ کہے اس کے لئے بھی جنت میں ایک درخت کاشت کیا جاتا ہے ۔ اور جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے اس کے لئے بھی جنت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے اور جو اللہ اکبر کہے اس کے لئے بھی جنت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے ۔ یہ سن کر قریش میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ اس صورت میں تو جنت میں ہمارے درخت کافی ہیں ۔ آپ نے فرمایا آگ بھیج کر ان کو جلانے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ خدا فرماتا ہے لا تبطلوا اعمالکم ۔ یعنی اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو ۔

فَلَا تَهِنُوْا ۔ یعنی اپنی سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرکے خواہ مخواہ کافروں سے صلح و آشتی کی کوشش نہ کرو بلکہ جہاد کر کے ان سے کلمہ حق منوانے کی کوشش کرو کیونکہ حق تمہارے ساتھ ہے اور تم بلند ہی رہو گے

رکوع ۸

وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿٣٧﴾

اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہیں تمہارا اجر دے گا اور تم سے سارے اموال طلب نہ کرے گا

إِنْ يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ﴿٣٨﴾ هَا أَنْتُمْ

اگر وہ تم سے طلب کرے سارے مال پس تمہیں مشقت میں ڈالے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے حسد اور کینے کو ظاہر کریگا آگاہ ہو تم

هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخَلُ ۖ وَمَنْ

بلائے جاتے ہو تاکہ خرچ کرو اللہ کے راستے میں تو بعض تم میں سے بخل کرتے ہیں اور جو بھی

يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ ۚ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا

بخل کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے نفس سے بخل کرتا ہے اور اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو اور اگر تم برگشتہ ہو جاؤ

يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴿٣٩﴾ ع

تو وہ تمہارے بدلہ میں اور قوم لائے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے

پس اللہ کی نصرت پر یقین رکھو وہ تمہارا ساتھی ہے۔

وَلَا یَسْئَلْکُمْ۔ یعنی خدا تم سے سارا مال نہیں مانگتا بلکہ وہ صرف نصاب مکمل ہونے کے بعد زکوٰۃ کے طور پر معمولی حصہ طلب کرتا ہے اور زکوٰۃ کے جملہ احکام و مسائل جلد ۷ ص۳۳ تا ص۵۶ پر گذر چکے ہیں۔

یُحْفِکُمْ احفا کا معنی ہے لیچڑپن کر سوال کرنا اور تہی دستی کی حالت تک پہنچا دینا۔ فرماتا ہے کہ اگر تم سے سارا مال طلب کیا جائے جو تمہیں تہی دست بنا دے تو تم بخل کرو گے تَبْخَلُوا جزائے شرط ہے اور یُخْرِجْ کا اس پر عطف ہوگا۔ یعنی سارا مال ایک طرف تمہارے بخل کا موجب ہوگا اور ساتھ ہی وہ اللہ و رسول کے متعلق تمہارے حسد و بغض کو ظاہر کر دے گا یعنی تم خدا و رسول کے متعلق بغض رکھنے لگ جاؤ گے۔ اس لئے اس نے تمہاری آسانی کے لئے بہت کم حصہ بطور زکوٰۃ تم پر فرض کیا ہے تاکہ تم پر بوجھ بھی نہ ہو اور تم خدا و رسول پر بدظنی بھی نہ کرنے لگ جاؤ۔

ھَا اَنْتُمْ۔ یعنی تمہاری کمزوریٔ ایمان کا تو یہ عالم ہے کہ تمہیں جہاد کے موقعہ پر راہِ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو تم میں بعض لوگ بخل کرنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کا نفع یا نقصان خود تمہاری طرف پلٹتا ہے تو گویا جو اس موقعہ پر بخل کرتا ہے وہ اپنے نفس پر بخل کرتا ہے۔

یَسْتَبْدِلْ۔ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ جب آیت نازل ہوئی کہ اگر تم منحرف ہو جاؤ تو خدا تم سے بہتر قوم تمہارے

بدلہ میں لائے گا تو لوگوں نے عرض کی کہ حضور! وہ کونسی قوم ہے جس کا ذکر ہے۔ اُس وقت حضرت سلمانؓ آپ کے بالکل قریب بیٹھے تھے۔ آپؐ نے سلمان کے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا وہ یہ لوگ ہیں۔ اور فرمایا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ لَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ مَنُوْطًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ مِنْ فَارِسٍ ۔ یعنی اگر ایمان ثریّا کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا تب بھی ایرانی لوگ اُسے حاصل کر لیتے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس بارے میں مروی ہے کہ یہ خطاب قریشیوں سے تھا کہ اگر تم ایمان سے برگشتہ ہو جاؤ تو خدا تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر قوم لائے گا۔ آپ نے فرمایا اس سے مراد غلام طبقہ کے لوگ ہیں چنانچہ خدا نے غریب اور غلام طبقہ کے بہترین لوگ اسلام کے دامن سے وابستہ کر دیئے جنہوں نے اسلام میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو رہتی دنیا تک مسلمانوں سے خراجِ تحسین حاصل کرتے رہیں گے۔

سورۂ الفتح

یہ سورۂ مبارکہ مدنیہ ہے۔
اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت تیس ہے۔
تفسیر مجمع البیان میں ابی بن کعب سے مروی ہے نبی کریمؐ نے فرمایا جو اس کی تلاوت کرے گویا وہ فتح مکہ میں میرے ساتھ شریک تھا اور دوسری روایت میں ہے گویا اس نے حضورؐ کی شجرہ کے نیچے بیعت کی تھی۔ انس سے مروی ہے کہ حدیبیہ سے واپسی پر ہم نہایت غمزدہ تھے کہ اچانک حضورؐ پر انا فتحنا نازل ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی جو میرے لئے پوری دنیا سے بہتر ہے۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ انا فتحنا پڑھ کر اپنے اموال عورتوں اور جملہ مملوکہ اشیاء کی حفاظت کا انتظام کیا کرو۔ کیونکہ جو شخص اس کی ہمیشہ تلاوت کرے گا اس کو قیامت کے دن ندا پہنچے گی جس کو تمام مخلوق سنے گی تو میرے مخلص بندوں میں سے ہے۔ پھر حکم ہوگا کہ اس کو میرے صالحین بندوں کے ساتھ ملا دو اور جنت النعیم میں اس کو ٹھکانا دو اور رحیق مختوم سے اس کو سیراب کرو۔ جو کافور سے ملا ہوا ہے۔
تفسیر برہان میں خواص القرآن سے منقول ہے جو شخص اس سورہ کو لکھ کر اپنے سر کے نیچے رکھے وہ چوروں سے محفوظ رہے گا اور جو شخص اس کو لکھ کر زمزم کے پانی سے دھو کر پیئے گا لوگوں کے نزدیک اس کی بات واجب القبول ہوگی اور جو چیز سنے گا اس کو یاد کرے گا۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص لڑائی جھگڑے کے وقت اس کو اپنے پاس رکھے گا وہ محفوظ رہے گا اور اس پر خیر کے دروازے کھل جائیں گے اور جو شخص اس کا پانی دھو کر پیئے گا اس کے دل کی دھڑکن ختم ہوگی اور اس سے رعب جاتا رہے گا۔ اور جو شخص بحری سفر میں اس کو اپنے پاس رکھے گا وہ غرقابی سے محفوظ رہے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿۲﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ

بے شک ہم نے آپ کو فتح دی تاکہ بخش دے اللہ تیری (امت کے) گناہ جو

رکوع ۹ فتح مبین

اس فتح مبین کے متعلق مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) یہ فتح مکہ کے متعلق خوش خبری ہے کیونکہ جب صلح حدیبیہ کے بعد حضورؐ اور آپ کے صحابہ شکستہ خاطر مراجعت فرمائے مدینہ منورہ ہوئے تو راستہ میں إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا اتری پس آپ کا چہرہ ہشاش بشاش ہو گیا۔ چنانچہ جابر سے مروی ہے کہ حدیبیہ سے پہلے ہمیں فتح مکہ کا کوئی علم نہ تھا۔

(۲) فتح خیبر کی پیشین گوئی ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں مجمع بن خارجہ انصاری سے مروی ہے جب ہم حدیبیہ سے واپس پلٹے تو دیکھا کہ لوگ اونٹوں کو تیز دوڑائے جا رہے ہیں۔ دریافت کرنے سے پتہ چلا کہ حضرت نبی کریمؐ پر کوئی وحی اتری ہے اس لئے لوگ وحی کو سننے کی خاطر جلدی سے پہنچنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے بھی سواریوں کو تیز کر لیا اور منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔ حضور بنفس نفیس کراع الغمیم کے مقام پر انتظار فرما رہے تھے۔ پس جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے اپنی سواری کے اوپر کھڑے ہو کر إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا پڑھ کر سنائی۔ عمر نے دریافت کیا کہ حضورؐ! کیا یہ فتح ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں یہ فتح ہے اور آپ نے قسم بھی کھائی۔ چنانچہ خیبر فتح ہوا۔ اور اس کا مال غنیمت انہی لوگوں پر تقسیم ہوا جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے (۳) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس جگہ فتح سے مراد حضورؐ کی معجزات و کرامات اور دلائل و براہین کے ذریعے سے مقبولیت عام ہے اور یہی اسلام کی حقیقی فتح ہے (۴) اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے یعنی صلح حدیبیہ کے بعد حضورؐ اور آپ کے صحابہ چونکہ شکستہ خاطر تھے اور اللہ کی جانب سے وحی نازل ہوئی کہ تمہیں صلح حدیبیہ سے کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ صلح تمہارے لئے فتح مبین ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جنگ کے ذریعے سے ہی فتح ہو بلکہ درحقیقت پائدار فتح وہ ہے جو بغیر جنگ کے اصولوں پر فتح ہو جائے اور صلح حدیبیہ میں یہی فتح تھی کیونکہ مشرکین کے ساتھ جو مکمل بائیکاٹ تھی وہ ختم ہو گئی اب مسلمانوں کو مشرکوں کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے کی آزادی حاصل ہو گئی اور مسلمانوں کو اپنے حقائق کے نشر کا موقع ہاتھ آگیا اور آزادی سے کلمہ حق کی ترویج کی فضا سازگار ہو گئی اس لئے مشرکین میں سے جو لوگ منصف مزاج اور حق پسند تھے۔ ان کو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کا موقع مل گیا پس ان کے لئے اسلام کا قبول کرنا آسان ہو گیا۔ چنانچہ زہری کہتا ہے کہ اسلام کو صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس صلح کی بدولت مشرکوں کو مسلمانوں کے نظریات سمجھنے کا موقعہ مل گیا جس کی بدولت بہت سے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی حقانیت اتر گئی اور تین سالوں کے اندر اندر

بہت کافی تعداد میں لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں کی تعداد میں اچھا خاصہ اضافہ ہو گیا۔ اور شعبی کہتا ہے کہ حدیبیہ میں بیعت رضوان کی گئی اور اس کے بعد خیبر فتح ہوا۔ اور رومیوں کو جو اہل کتاب تھے ایرانی مجوسیوں پر فتح نصیب ہوئی

حدیبیہ میں معجزۂ پیغمبرؐ

مقام حدیبیہ میں ایک کنواں تھا جس کا پانی ختم ہو گیا تھا لیکن پیغمبرؐ کی اعجاز نمائی سے پانی سے بھر گیا اور اس کے بارے میں متعدد روایات وارد ہیں۔ (۱) براء بن عازب سے منقول ہے کہ تم لوگ فتح مکہ کو فتح سمجھتے ہو۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بھی فتح تھی لیکن بڑی فتح حدیبیہ کے دن بیعت رضوان سے ہوئی تھی اس دن ہماری تعداد چودہ سو تھی اور حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے جس کا پانی ہم نے آتے ہی ختم کر دیا تھا حتیٰ کہ اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہ تھا سب حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو آپ بنفس نفیس تشریف لائے اور کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے پانی منگوایا جس سے وضو فرمایا اور کُلّی کا پانی اس کنوئیں میں گرا دیا اور دعا مانگ کر باقی پانی بھی انڈیل دیا۔ بس تھوڑی دیر میں وہ کنواں پانی سے بھر گیا کہ ہم اور ہمارے حیوانوں نے سیر ہو کر پیا۔ سلمہ بن اکوع کی روایت میں ہے کہ آپ نے دعا کی یا کنوئیں میں لعاب دہن گرا دیا۔ پانی جوش مار کر ظاہر ہوا۔ اور اس قدر بڑھا کہ ہم نے خود بھی پیا اور حیوانوں کو بھی سیراب کیا (۲) مسور بن مخرمہ سے مروی ہے کہ حضور لڑائی کے لئے نہیں بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ جب آپ نے ساتھیوں کو ایک جگہ اترنے کا حکم دیا تو لوگوں نے عرض کی یا حضرت: اس جگہ پانی نہیں ہے۔ پس آپ نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ایک شخص کو دے کر فرمایا کہ اس جگہ ایک گڑھے میں اتر کر اس تیر کو اس کے وسط میں گاڑ دے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا تو فوراً پانی فوارے کی طرح جوش مار کر نکلا۔ پس تمام لوگوں نے اس کے ارد گرد ڈیرے ڈال دئے

(۳) عروہ سے روایت ہے کہ آپ کے پہنچنے کی خبر قریش مکہ کو پہنچی تو ان کی ایک جماعت بھی پہنچ گئی اور انہوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تو آپ حدیبیہ پر ٹھہر گئے۔ اس زمانہ میں گرمی شدت سے پڑ رہی تھی اور آباد کنواں وہی ایک تھا جس پر قریشی قابض ہو چکے تھے۔ اور ادھر مسلمانوں کی تعداد بھی زیادہ تھی لہذا پیاس کے خطرہ کا دامن گیر ہونا بھی لازمی تھا۔ چند آدمیوں نے حدیبیہ کے کنوئیں میں اتر کر اس کو کھودنا شروع کر دیا اور حضورؐ نے پانی منگوا کر وضو فرمایا اور کلی کر کے اس میں ڈالا اور باقی پانی بھی اسی کنوئیں میں انڈیل دیا پھر اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر اس میں پھینکا اور اللہ سے دعا کی تو بقدرت خدا پانی جوش کھا کر نکلا۔ اور اس قدر بلند ہوا کہ کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ کر لوگ چلو سے پانی پی سکتے تھے (۴) سالم بن ابی الجعد سے مروی ہے کہ میں نے جابر سے دریافت کیا کہ اس دن تمہاری کیا تعداد تھی جس دن بیعت شجرہ واقع ہوئی تو اس نے جواب دیا کہ ایک ہزار پانچسو تھے اور پیاس کا غلبہ تھا تو حضورؐ کے پاس ایک برتن میں پانی لایا گیا آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈبو دیا۔ چنانچہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح پانی جاری ہو گیا پس ہم نے جی بھر کر پیا۔ میں نے پوچھا پینے والے کتنے تھے؟ تو اس نے کہا خواہ ایک لاکھ بھی ہوتے وہ سب کو کافی ہوتا لیکن ہم پندرہ سو تو تھے ہی۔

عصمت انبیا ۔ لِیَغْفِرَ لَکَ ۔ مذہب شیعہ کا عقیدہ ہے کہ انبیاء سب کے سب معصوم ہوتے ہیں ۔ اور

گناہانِ صغیرہ یا کبیرہ اُن سے قطعاً صادر نہیں ہوا کرتے نہ قبل از بعثت اور نہ بعد از بعثت۔ اور تقریباً اس مسلک میں شیعہ باقی مسلمان قوموں سے امتیازی شان رکھتے ہیں۔ انبیاء کی عصمت کے متعلق تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۹۵ اور مقدمۂ تفسیر میں مدلّل و مبرہن بیان کیا جا چکا ہے نیز کتاب لمعۃ الانوار میں اس موضوع پر کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اس مقام پر اس قدر عرض کرنا ہے کہ جب انبیاء کا معصوم ہونا ضروریاتِ مذہب میں سے ہے تو قرآن مجید کی وہ آیات جن میں انبیاء کی عصمت کے خلاف الفاظ ملتے ہیں مثلاً حضرت آدمؑ کے متعلق عصیان یا ظلم یا غوایت کے الفاظ اسی طرح حضرت موسیٰ کے متعلق ظلم یا غوایت یا فساد کے الفاظ اور اسی طرح حضرت خاتم الانبیاء کی طرف آیت متذکرہ میں ذنب کی نسبت وغیرہ ان تمام الفاظ کی ایسی تاویل کی جائے گی جو قواعد عربیہ کے خلاف بھی نہ ہو اور عصمتِ انبیاء پر بھی کوئی دھبہ نہ آئے۔ چنانچہ ہم نے موقعہ بہ موقعہ تمام آیاتِ قرآنیہ کا مسلک آلِ محمدؐ کے ماتحت حل پیش کیا ہے۔

قرآن مجید کے اُردو تراجم جو ہندوستان و پاکستان میں شائع ہوئے ہیں اُن میں سے اکثر میں آیت متذکرہ کے ترجمہ میں حضور نبی اکرمؐ کو گنہگار ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعضوں نے تو صاف اس طرح ترجمہ کیا ہے کہ خدا تیرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے گا۔ تفسیر مجمع البیان میں جو غیر شیعہ اقوال نقل کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں (۱) نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کے گناہ (۲) فتح مکہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد کے گناہ (۳) جو ہو چکے ہیں اور جو ہونے والے ہیں ان کے متعلق مغفرت کا وعدہ ہے (۴) پہلے گناہوں سے مُراد حضرت آدم و حوا کے گناہ ہیں اور بعد والے گناہوں سے حضور کی اُمت کے گناہ مُراد ہیں یعنی لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِ اَبَوَيْكَ وَمَا تَاَخَّرَ مِنْ ذُنُوْبِ اُمَّتِكَ۔ یعنی ہم نے تم کو فتح عطا کی تاکہ گذشتہ تیرے ماں باپ حضرت آدم و حوا کے گناہ بخش دئے جائیں۔ اور بعد میں تیری اُمت کے گناہ بخشے جائیں اس آخری تاویل میں اگرچہ گناہ کی نسبت حضرت نبی اکرمؐ سے نہیں لیکن حضرت آدمؑ کی طرف گناہ کی نسبت بھی ایسے ہی ناجائز ہے جس طرح حضرت نبی اکرمؐ کی طرف ناجائز ہے۔ جو لوگ گناہ سے مراد اس جگہ گناہِ صغیرہ لیتے ہیں جو قابلِ معافی ہوتے ہیں ان کا قول اس لئے باطل ہے کہ جو گناہ خود بخود قابلِ معافی ہے اُس کا حضورؐ پر احسان جتلانے کا مقصد ہی کیا ہے۔ کیونکہ احسان جتلانا تو تب صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ گناہ گرفت کے قابل ہو اور حضور کی برکت سے اُس سے درگذر کیا جائے۔ اور ثانیاً ان تمام اقوال کے باطل و عاطل ہونے کے لئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں فتح مکہ کی بشارت دی ہے۔ اور فتح مکہ کو گناہوں کی بخشش سے کونسا ربط ہے اور اس معنی میں کیا خوبی رہے گی۔ اگر کہا جائے ہم نے آپ کو فتح دی تاکہ آپ کے یا آپ کی اُمت کے یا آپ کے والدین کے گناہ بخشے جائیں۔ اس لئے اس قسم کے تمام معانی و تراجم قابلِ قبول نہیں ہیں۔ جن میں عصمتِ انبیاء پر آنچ آئے یا فصاحت و بلاغتِ قرآنی کے منافی ہو۔

اقوالِ متذکرہ بالا کے مقابلہ میں شیعہ نقطۂ نظر سے آیت مجیدہ کے جو معانی کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں (۱) ذنب کی نسبت اگرچہ نبی اکرمؐ کی طرف ہے لیکن مراد اُمت ہے اور مفضل بن عمرو کی روایت بھی اس معنی کی تائید کرتی ہے کہ ایک شخص نے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیت مجیدہ کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضورؐ کے دامن پر کسی گناہ کا داغ دھبہ نہیں تھا جس کی مغفرت کا وعدہ کیا جاتا بلکہ یہاں شیعان علی کے گناہوں کی بخشش کی ضمانت دی گئی ہے۔ یعنی ان کے سابق ولاحق گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اسی طرح عمر بن یزید کی روایت میں بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہی مضمون وارد ہے۔ اس تاویل میں اگرچہ انبیاء کی طرف گناہ کی نسبت کا اشکال تو ختم ہو جاتا ہے لیکن فتح کی علت یا غرض بخشش گناہ کو قرار دینا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اور سید مرتضیٰ اعلی اللہ مقامہ نے بھی اس معنی کی معقولیت سے انکار کیا ہے (۲) سید مرتضیٰ اعلی اللہ مقامہ نے فرمایا ہے کہ ذنب مصدر ہے اور اس کی اضافت مفعول کی طرف ہے اور اس کا فاعل محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ذَنْبُهُمْ اِيَّاكَ یعنی کفار مکہ نے جو آپ کے حق میں گناہ کئے ہیں اور انہوں نے جو آپ کو اذیتیں پہنچائی ہیں ان سب کا ازالہ فتح مکہ سے کر دیا جائے گا۔ اور متقدم و مؤخر سے مراد یہ ہوگا کہ ہجرت سے پہلے یا ہجرت کے بعد انہوں نے پیغمبرؐ کے حق میں یا مسلمانوں کے حق میں جو بھی گستاخیاں اور شرارتیں کی ہیں اُن سب کا ازالہ فتح مکہ سے ہو جائے گا اور گذشتہ تمام زخموں پر مرہم لگ جائے گی۔ اور غفران کا معنی ڈھانپنا ہوتا ہے یعنی کفار مکہ کی سب سرزوریاں اور سرکشیاں جو تیرے یا مسلمانوں کے حق میں واقع ہوئی ہیں سب پر پردہ پڑ جائے گا پس وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ اور مسلمانوں کو بالادستی نصیب ہوگی (۳) ذنب سے مراد مجازاً کمزوری لی جائے یعنی آپ کی جملہ کمزوریوں کو فتح مکہ کے بعد ختم کر دیا جائے گا پس حق کا بول بالا ہوگا اور باطل کا منہ کالا ہوگا (۴) ایک دفعہ مجھ سے میرے ایک دوست نے آیت مجیدہ کا معنی دریافت کیا اور اُس نے میرے سامنے تمام وہ اُردو تراجم پیش کئے جو سُنیوں نے کئے تھے اور اُن میں حضورؐ کے گناہوں کی بخشش مراد لی گئی ہے۔ اگرچہ شیعی تفاسیر یا تراجم میرے سامنے موجود نہ تھے فوراً اللہ نے میرے ذہن میں اس آیت مجیدہ کی ایک تاویل ڈال دی جو میں نے موقعہ پر بیان کر دی اور وہ پوری طرح مطمئن ہو گیا۔ میں نے کہا حضور کا اعلائے کلمہ حق اگرچہ اللہ کے نزدیک اور واقع میں بہت بڑی نیکی تھی لیکن کفار مکہ کے آبائی عقیدہ کے ماتحت وہ گناہ تھا اور مشرکین مکہ آپ کی تبلیغی مساعی جمیلہ کو گناہ سمجھتے تھے۔ پس آپ ان کی نظروں میں بہت بڑے گنہگار اور مجرم تھے اور اسی طرح جو لوگ آپ کے ہمنوا ہو جاتے تھے وہ بھی مشرکین مکہ کی نگاہوں میں مجرم اور گنہگار قرار دیئے جاتے تھے۔ پس اللہ نے اس آیت مجیدہ میں پیشین گوئی کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی تاکہ مشرکین مکہ کی نظروں میں جو آپ کے گناہ ہیں۔ وہ معاف ہو جائیں یعنی کلمہ اسلام اور دعوت حق پر کان دھرنے اور اسلام کے حلقہ بگوش ہونے کے بعد وہی لوگ جو آپ کو تبلیغ اسلام میں گنہگار سمجھتے تھے کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ آپ گنہگار نہیں تھے بلکہ آپ حق بجانب تھے اور ہم گنہگار تھے یعنی یہ فتح آپ کی نظریاتی فتح ہے اور اصول کی فتح ہے۔ پس مشرکین مکہ کی نظروں میں آپ کے گناہ ثواب سے تبدیل ہو جائیں گے کیونکہ وہ خود شرک کے دائرہ سے نکل کر اسلام کے دائرہ میں آجائیں گے۔ اور اس مطلب کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ علی بن محمد بن جہم سے منقول ہے کہ میں ایک دفعہ دربار مامون میں

حاضر ہوا۔ اُس وقت حضرت امام علی رضا علیہ السلام بھی تشریف فرما تھے۔ مامون نے دریافت کیا کہ اے فرزندِ رسولؐ! کیا تمہارے نزدیک انبیاء علیہم السّلام معصوم نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا بے شک انبیاء معصوم ہوا کرتے ہیں تو مامون نے انبیاء کے متعلق ان آیات کی تلاوت کی جن سے انبیاء کے غیر معصوم ہونے کا شُبہ پڑتا ہے۔ چنانچہ اس نے متذکرہ بالا آیت لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ الخ بھی پڑھی تو آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مشرکین مکہ کے نزدیک حضور سرورِ کائنات سے زیادہ گنہگار اور کوئی نہ تھا کیونکہ وہ اللہ کے سوا تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ جب حضورؐ نے کلمۂ توحید پیش کیا تو اُن کو بہت ناگوار گذرا اور کہنے لگے کہ اس نے سب خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا اختیار کر لیا ہے یہ تو قابلِ تعجب امر ہے۔ پھر بڑے بڑوں نے باہمی مشورے سے طے کیا کہ بس اپنے خداؤں کی پوجا پاٹ پر ڈٹے رہو۔ اور ان کی ایک نہ سُنو۔ پس جب مکہ فتح ہوا اور یہ آیت اُتری تو اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی دعوتِ توحید کی وجہ سے مشرکین مکہ کے نزدیک آپ کے جس قدر گناہ تھے وہ سب دُھل گئے کیونکہ مشرکین مکہ میں سے بعض حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور بعض مکہ کو چھوڑ کر دوسرے مقامات پر چلے گئے۔ اور جو بچ گئے ان میں انکارِ توحید کی جرأت ہی نہیں رہی پس مشرکین مکہ کے نزدیک آپ کا گناہ آپ کے غلبہ کی وجہ سے مغفور ہو گیا تو مامون نے آپ کی اس توجیہ کو قبول کیا اور سراہا۔

صلح حدیبیہ

تفسیر برہان وصافی میں تفسیر علی بن ابراہیم قمی سے بروایت ابن سنان منقول ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اس سُورہ مجیدہ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ کو خواب میں اللہ کا حکم ہوا کہ مسجد الحرام میں تشریف لے جائیں اور طواف وحلق کے احکام بجا لائیں۔ چنانچہ آپ نے صحابہ کو بتایا اور روانگی کا حکم دیا۔ پس کافی تعداد میں صحابہ حضورؐ کی معیت میں روانہ ہو گئے۔ جب مقام ذوالحلیفہ میں پہنچے تو عمرہ کا احرام باندھ لیا اور قربانیاں تیار کر لیں۔ چنانچہ حضورؐ نے ۶۶ اونٹ قربانی کے لئے تیار کئے اور ان کا اشعار کیا اور تلبیہ پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے۔ جب قریش مکہ کو حضور کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے دو سو جنگی جوانوں پر مشتمل ایک دستہ فوج کی کمان خالد بن ولید کو دے کر آپ کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے مکہ سے روانہ کیا۔ یہ سوار فوج حضور کے صحابہ کے ساتھ اعلانیہ لڑنے کی جرأت نہ کر سکی۔ نماز ظہر کا وقت آیا تو بلال نے اذان کہی اور نماز باجماعت ادا کی گئی۔ اُس وقت خالد بن ولید نے اپنی فوج سے کہا کہ ہم نے وقت ضائع کر دیا ہے۔ کاش! ہم ان پر اس وقت اچانک حملہ کرتے جب وہ نماز میں مشغول تھے کیونکہ یہ لوگ نماز کو کسی قیمت پر نہیں توڑتے۔ اس کے بعد وہ نماز عصر کے وقت اپنے ارادۂ فاسدہ کی تکمیل کرنا چاہتے تھے کہ نماز خوف کا حکم نازل ہوا۔ یعنی یہ کہ آدھے آدمی آپ کے پیچھے نماز پڑھیں اور ایک رکعت باجماعت پڑھ کر دوسری رکعت کو انفرادی طور پر جلدی سے ختم کر کے اپنے مورچے سنبھال لیں۔ اور جو لوگ دشمن کے سامنے مورچے جمائے ہوئے تھے وہ آکر حضور کے پیچھے اپنی نماز پڑھیں۔ اس طرح نماز بھی ادا ہو جائے گی۔ اور دشمن کو حملہ کرنے کا موقعہ بھی نہ ملے گا۔

دوسرے دن حضورؐ نے مقام حدیبیہ پر نزول اجلال فرمایا اور یہ مقام حرم مکہ کی آخری حد ہے۔ راستہ میں حضورؐ نے عرب قبائل کو اپنے ہمراہ چلنے کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا وہ یہ کہتے تھے کہ محمد اور اس کے اصحاب کو دل سے یہ خواہش ہی نکال دینی چاہیئے کہ ہم مکہ میں داخل ہوں گے۔ کیونکہ جب یہ لوگ مکہ میں پہنچیں گے تو قریش موقع پا کر ان کو قتل کر دیں گے۔ پس ان میں سے ایک نفر بھی پلٹ کر مدینہ کی طرف نہ جا سکے گا۔ ادھر جب آپ حدیبیہ میں پہنچے تو قریش مکہ نے اطلاع پاتے ہی لات وعزیٰ کی قسمیں کھا کر باہمی طور پر پختہ عہد کیا کہ ہم ان کو مکہ میں ہرگز ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے۔ پس رسول اللہؐ نے ان کی طرف ایک آدمی روانہ فرمایا کہ میں لڑنے کے لئے نہیں آیا بلکہ میں تو صرف عبادت کرنے آیا ہوں۔ ہم مناسک ادا کرنے کے بعد اونٹ نحر کر دیں گے اور ان کا گوشت بھی تمہارے لئے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

قریش مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا جو ایک ادیب و دانشور انسان تھا۔ یہ طائف کے رہنے والا تھا اور اسی کے متعلق ہے۔ قَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ یعنی قریش مکہ کہتے تھے کہ اگر خدا نے قرآن بھیجنا تھا تو مکہ و طائف کے کسی عظیم انسان پر نازل کیوں نہیں کیا گیا۔ وہ اس عظیم شخصیت سے یہی عروہ بن مسعود ثقفی طائفی مراد لیتے تھے۔ اس نے آکر عرض کی کہ قریش مکہ نے لات وعزیٰ کی قسمیں کھا کر ایک دوسرے سے پختہ عہد کیا ہوا ہے کہ جب تک ان میں ایک آنکھ بھی متحرک موجود ہے آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے تو ان حالات میں کیا آپ کو یہ بات گوارا ہے کہ اپنی قوم اور خاندان کو تباہ کر دیں؟ آپ نے نہایت سکون و اطمینان سے اس کو جواب دیا کہ میں لڑائی کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ میں تو اپنے مناسک ادا کرنے کے لئے آیا ہوں پس ہم مناسک ادا کر کے اونٹ نحر کریں گے۔ اور گوشت بھی ہم ان لوگوں کے لئے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ عروہ نے عرض کی کہ آپ مناسک کی ادائیگی سے معذور ہو چکے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا اور ان کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ قریش مکہ نے سوچا کہ حضور رسول کریمؐ اور صحابہ کی مکہ میں آمد ہماری انتہائی ذلت ہے اگر وہ مکہ میں داخل ہو گئے تو عرب قبائل کے اندر ہمارا رہا سہا وقار بھی جاتا رہے گا۔ اور عرب لوگ اس کو ہماری کمزوری خیال کریں گے اور ہر قبیلہ ہمارے اوپر جرأت کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے دوبارہ حفص بن احنف اور سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ حضورؐ نے ان کو دیکھتے ہی کلمۂ حسرت زبان سے جاری فرمایا کہ افسوس قریش کو لڑائی نے ختم کر دیا۔ کاش یہ لوگ میرے معاملہ میں مخل نہ ہوتے اور باقی عرب قبائل کے لئے مجھے واگذار کرتے۔ پس اگر میں سچا تھا تو نبوت کے ساتھ ساتھ سلطنت ظاہری کا بھی ان کو فائدہ پہنچتا۔ اور اگر میں (معاذ اللہ) جھوٹا تھا تو باقی عرب میرا کام تمام کر دیتے۔ بہرکیف آج قریشی لوگ مجھ سے جو کچھ منوائیں گے میں مان لوں گا بشرطیکہ ایسی بات نہ ہو جو اللہ کے لئے ناراضگی کی باعث ہو۔ چنانچہ انہوں نے عرض کی آپ اس دفعہ واپس چلے جائیں تاکہ ہم آپ کے معاملہ میں مزید فکر کر لیں اور عرب قبائل کا ردعمل بھی دیکھیں۔ کیونکہ سب عربوں کو آپ کا تشریف لانا معلوم ہے۔ پس اگر آپ اس طریقہ سے حرم میں داخل ہو جائیں تو ہم عربوں میں ذلیل ہو جائیں گے اور دوسرے قبائل بھی ہم پر جری ہو جائیں گے۔ اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگلے سال اس مہینہ میں

تین دنوں کے لئے کعبہ کو ہم لوگ آپ کے لئے خالی کر دیں گے ۔ آپ بے شک مناسک ادا کریں ۔ پس حضورؐ نے ان کی یہ بات مان لی تو انہوں نے دوسری شرط یہ پیش کی کہ ہمارا جو آدمی آپ کے پاس جائے گا آپ اُسے ہمیں واپس کریں گے ۔ اور آپ کی جانب سے بھاگ کر جو آدمی ہمارے پاس آئے گا ہم اُس کو واپس کر دیں گے ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو تمہارا آدمی بھاگ کر ہمارے پاس آئے گا ہم واپس کر دیں گے لیکن جو ہم سے بھاگ کر تمہارے پاس آئے اُسے واپس لانے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے ۔ البتہ ہماری طرف سے یہ شرط ہو گی کہ مکہ میں جو لوگ مسلمان بن کر رہیں گے انہیں اعلانیہ طور پر شعائر اسلامیہ کے اظہار کی کھلی چھٹی ہو گی ۔ اور ان کو کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو گی ۔ اور اُن کو اس بارے میں کوئی تکلیف نہ دی جائے گی ۔ انہوں نے اس شرط کو تسلیم کر لیا پس صلح کی گفتگو طے ہو گئی ۔ لیکن اس صلح نامہ کو سُنتے ہی صحابہ چیں بجبیں ہو گئے اور حضرت عمر کا رویہ سب سے زیادہ سخت تھا وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ! کیا ہم حق بجانب نہیں ہیں ؟ آپ نے فرمایا ہاں ہم حق بجانب ہیں تو وہ کہنے لگا ہم اپنے دین میں یہ کمزوری کیوں برداشت کریں ۔ آپ نے فرمایا مجھ سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرتا ۔ وہ کہنے لگا کاش ! آج میرے ساتھ چالیس آدمی بھی متفق ہو جائیں تو میں اس صلحنامے کو ٹھکرا دوں گا ۔

بہر کیف کفار قریش کے دو نمائندے صلح کی بات چیت مکمل ہونے کے بعد واپس چلے گئے تو حضرت عمر نے نبی کریمؐ سے پھر جھگڑنا شروع کر دیا کہ آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم مسجد الحرام میں داخل ہوں گے اور سر بھی منڈوائیں گے ۔ آپ نے اس کو سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ بے شک میں نے وعدہ کیا تھا لیکن وہ اس سال کے لئے معین نہ تھا بلکہ میں نے تو کہا تھا کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ میں مکہ کو فتح کروں گا پھر طواف و سعی بھی کروں گا اور جملہ مناسک حج ادا کروں گا ۔ لیکن معترضین نے صلح کے ٹھکرانے پر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا چلو اگر صلح منظور نہیں تو جا کر لڑو چنانچہ جب یہ لوگ آگے بڑھے تو کفار قریش اپنے مقام پر لڑائی کے لئے مستعد تھے ۔ انہوں نے ان کو بری طرح پسپا کر دیا ۔ چنانچہ حضرت علی نے بھی تلوار میان سے نکال لی تو کفار قریش کے حوصلے پست ہوئے اور کہنے لگے یا علی ! کیا حضرت محمدؐ نے اپنا فیصلہ بدل دیا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ وہ اپنے فیصلہ پر قائم ہیں ۔

ادھر صحابہ شرمندگی سے جب واپس آئے تو حضورؐ نے فرمایا کیا تم میرے وہی بدر والے ساتھی نہیں ہو ۔ کیا تم احد میں پہاڑوں پر چڑھنے والے جوان نہیں ہو ؟ پس سر جھکا کر عرض گذار ہوئے کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں ہم اسے چار و ناچار قبول کر لیں گے ۔ پس قریش کے سابق نمائندے کفار مکہ سے مصالحانہ گفتگو کی منظوری لے کر واپس پلٹے اور صلحنامہ کو تحریری شکل میں مکمل کرنے کی کاروائی عمل میں لائی گئی ۔ حضرت علی علیہ السلام نے صلحنامہ تحریر کیا ۔ حضورؐ نے فرمایا لکھو ۔ پس حضرت علی نے سرنامے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو قریشی نمائندوں نے اس کو رد کیا ۔ اور کہا وہی لفظ لکھوائیے جو آپ کے بزرگ لکھا کرتے تھے یعنی بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ۔ چنانچہ آپ نے یہی کلمہ لکھوایا ۔ اس کے بعد یہ عبارت لکھی گئی کہ یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد رسول اللہ اور قریش مکہ کے درمیان حدیبیہ کے مقام پر طے پایا تو قریشی نمائندوں نے رسول اللہ کے لفظ پر جرح کی کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ

تسلیم کرتے تو یہ جھگڑا کیوں ہوتا۔ آپ اپنا نام محمد بن عبداللہ لکھوا دیجئے۔ پس آپ نے فرمایا یا علی وہی لفظ لکھیئے۔ جو یہ کہتے ہیں تو علیؑ نے عرض کی حضورؐ! آپ کے نام سے رسالت و نبوت کو حذف کرنا مجھے گوارا نہیں ہے تو حضورؐ نے اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر تحریر فرمایا ھٰذَا مَا اصْطَلَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَالْمَلَأُ مِنْ قُرَيْشٍ یعنی یہ وہ صلحنامہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور قریشی سرداروں کے درمیان طے ہوا۔ جس کے شرائط حسب ذیل ہیں۔

(۱) دس برس تک فریقین جنگی کارروائیوں اور اشتعال انگیزیوں سے باز رہیں گے۔

(۲) جو شخص رسول اللہ کے دین میں داخل ہونا چاہے گا اس پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے گی اور جو قریشیوں سے اپنا عہد وابستہ رکھے گا اس پر بھی کوئی پابندی نہ ہوگی۔

(۳) قریشیوں میں سے جو کوئی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد کی طرف آئے گا (خواہ وہ مسلمان ہو) اُسے واپس کر دیا جائے گا۔ اور جو محمد کے اصحاب میں سے قریش کی طرف جائے گا اُسے قریش واپس کرنے کے پابند نہ ہوں گے اس شرط پر مسلمانوں نے اعتراض کیا لیکن حضورؐ نے فرمایا جو شخص مسلمان ہوگا اُس کا اللہ محافظ ہے۔

(۴) مکہ مکرمہ میں اسلام ظاہر ہوگا۔ اور مسلمانوں پر اپنے اسلامی اعمال بجالانے میں کوئی پابندی نہ ہوگی۔ اور دینی معاملہ میں کسی کو مجبور نہ کیا جائے گا نہ اذیت دی جائے گی اور نہ اس پر مذاق کیا جائے گا۔

(۵) اصحاب محمدؐ میں سے جو شخص حج یا عمرہ کے لئے آئے گا۔ اس کا جان و مال محفوظ ہوگا اور قریش میں سے جو شخص مصر اور شام جاتے ہوئے مدینہ سے گذرے گا اُس کا جان و مال بھی محفوظ ہوگا۔ اور یہ عہدنامہ ایسی بند گھڑی میں محفوظ ہے جس میں نہ خیانت کی جا سکتی ہے نہ چوری (مجمع البیان)

(۶) حضرت محمد مصطفےٰ اور اس کے اصحاب اس سال اسی جگہ سے عمرہ ادا کئے بغیر واپس چلے جانے کے پابند ہوں گے۔

(۷) اگلے سال حضرت محمد مصطفےٰ اور ان کے صحابہ کو مکہ میں داخلہ کی اجازت ہوگی۔ اور تین دن کے لئے مکہ کو مسلمانوں کے لئے خالی کر دیا جائے گا۔

(۸) کوئی شخص ہتھیار لگا کر مکہ میں داخل نہ ہوگا۔ البتہ مسافروں کے لئے تلوار نیام میں بند رکھنے کی صورت میں اجازت ہوگی

(۹) اس سال قربانیوں کو اسی جگہ ذبح یا نحر کیا جائے جہاں مسلمانوں کو روک دیا گیا۔

(۱۰) یہ صلحنامہ حضرت علی علیہ السلام نے تحریر فرمایا اور مہاجرین و انصار کی گواہی ثبت کی گئی۔

اس صلحنامہ کی تکمیل کے بعد حضرت رسالت مآبؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ تجھے میرے نام سے نبوت و رسالت کے الفاظ مٹانے گوارا نہیں تھے لیکن مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق نبی مبعوث کیا ہے۔ ان لوگوں کی اولاد تجھ سے ایسا ہی سلوک کرے گی اور تجھے مجبوراً ان کی بات ماننی پڑے گی چنانچہ جب جنگ صفین کے بعد تحکیم کے فیصلہ کا اعلان ہوا تو جنگ بندی کے معاہدہ پر طرفین کی طرف سے جو وثیقہ لکھا گیا اس پر حضرت علی علیہ السلام نے لکھوایا ھٰذَا مَا اصْطَلَحَ

علیہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب و معاویۃ بن ابی سفیان ۔ یعنی یہ وہ صلحنامہ ہے جو امیر المومنین علی علیہ السلام اور معاویہ کے اتفاق رائے سے طے پایا تو عمرو عاص نے فوراً اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو امیر المومنین تسلیم کر لیتے تو جنگ وجدال کیوں ہوتا اور اس قدر خون خرابے کی نوبت کیوں آتی لہذا آپ امیر المومنین کی لفظ اپنے نام سے حذف کرا کے صرف علی بن ابی طالب لکھوائیں ۔ اس وقت آپ نے فرمایا واقعی میرے آقائے نامدار نبی کریم کا فرمان بجا تھا اور انہوں نے جو کچھ فرمایا تھا حرف بحرف درست ثابت ہوا پس صلحنامہ کی عبارت مکمل ہوگئی ۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب عہدنامہ لکھا گیا ۔ اس کی ایک نقل حضرت نبی کریم کے پاس رہی اور دوسری قریش کو دی گئی ۔ اسی مقام پر قبیلہ خزیمہ نے رسول اللہ کے عہد میں داخل ہونے کا اعلان کیا ۔ اور قبیلہ بکر نے قریشیوں کی حمایت کا اعلان کیا ۔ سہیل بن عمر اور حفص بن احنف دوسری نقل لے کر واپس قریش کی طرف پلٹ گئے ۔

حضرت نبی کریم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اونٹوں کو نحر کر لو اور سروں کو منڈوا لو ۔ لیکن وہ کہنے لگے کہ کیسے یہ ہو سکتا ہے حالانکہ نہ ہم نے طواف کیا اور نہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی ۔ آپ صحابہ کے ردِعمل سے غمزدہ ہو کر ام سلمہ کے خیمہ میں داخل ہوئے اور ام سلمہ نے عرض کی کہ حضورؐ آپ خود بنفسِ نفیس اپنے اونٹوں کو نحر کر کے سر منڈوالیں ۔ چنانچہ آپ کے عمل کے بعد صحابہ نے بھی بعضوں نے یقین کی بنا پر اور بعضوں نے شک و ریب میں مبتلا ہو کر چار و ناچار حضور کے عمل کی اتباع کی ۔ پس آپ مدینہ کی طرف چل دیے اور جب مقام تنعیم میں پہنچے تو ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لیے اترے ۔ وہ صحابہ جنہوں نے آپ کی صلح پر نکتہ چینی کی تھی انہوں نے اپنے معذرت نامے پیش کئے اور اپنی لغزش پر شرمساری کا اظہار کیا اور حضور سے معافی کی درخواست کی ۔ چنانچہ آیت رضوان نازل ہوئی ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ۔ یعنی ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی تاکہ اللہ تیرے (یعنی تیری امت کے) سابق و لاحق گناہ بخش دے ۔

معاویہ بن عمار نے حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے روایت مذکورہ معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کی ہے کہ حضورؐ ماہ ذوالقعدہ میں روانہ ہوئے تھے جب اس مقام پر پہنچے جہاں سے احرام باندھا تو صحابہ نے ہتھیار سنبھال لئے کیونکہ آپ کو خالد بن ولید کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی ۔ پس آپ نے فرمایا کوئی ایسا واقف کار آدمی تلاش کرو جو کسی غیر معروف راستے سے ہمیں لے چلے ۔ چنانچہ بنی مزینہ یا جہینہ کا ایک آدمی آگے بڑھا لیکن وہ اس معاملہ میں ناکام رہا تو دوسرا آدمی آگے بڑھا ۔ اور وادی عقبہ میں پہنچا وہاں سے پہاڑ کی چڑھائی مشکل تھی لیکن حضورؐ نے فرمایا جو لوگ اس پر چڑھیں اُن کے گناہ اس طرح معاف ہوں گے جس طرح حطہ کہنے سے بنی اسرائیل کے معاف ہوئے تھے ۔ یہ سنتے ہی قبیلہ اوس و خزرج کے جوان مرد سواریوں کو لے کر بڑھے اور اپنی ہمت سے منزل کو آسان کر لیا اور اس وقت کل تعداد اٹھارہ سو تھی ۔ پس پہاڑی سے اتر کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچے وہاں ایک عورت اپنے بچے کو لے کر کنوئیں کے کنارے پانی لینے کے لئے بیٹھی تھی مسلمانوں کے

ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۝۲

پہلے کے ہیں اور جو بعد کے ہیں اور تیرے اوپر اپنی نعمت کو تمام کرے اور تجھے صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے

وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا ۝۳ هُوَ الَّذِيۡۤ اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ فِيۡ

اور تجھے شاندار کامیابی عطا فرمائے وہ وہ ذات ہے جس نے سکون بخشا مومنوں کے

قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِيۡمَانًا مَّعَ اِيۡمَانِهِمۡ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ

دلوں کو تاکہ زیادتی حاصل ہو ان کے ایمان میں ایمان کی اور اللہ کے پاس

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۝۴ لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ

آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ دانا بینا ہے تاکہ داخل کرے مومنوں کو

کثیر التعداد لشکر کو دیکھ کر عورت کا بچہ ڈر کے مارے بھاگنے لگا تو عورت نے حضورؐ کو پہچان لیا۔ پس اس نے بچے سے کہا گھبراؤ نہیں کیونکہ یہ لوگ نیک ہیں۔ چنانچہ آپ نے بنفسِ نفیس پانی طلب کیا تو عورت نے ڈول کھینچ کر پیش کیا۔ آپ نے پانی پیا اور منہ ہاتھوں کو دھویا اور باقی پانی کو اس کنوئیں میں انڈیل دیا گیا چنانچہ آپ کی برکت سے وہ پانی اب تک موجود ہے۔

مشرکین نے حضورؐ کی آمد کو روکنے کے لئے ابان بن سعید کو گھوڑے سواروں کا ایک لشکر دے کر روانہ کیا تو جب اُس نے قربانی کے اونٹوں کو دیکھا ابو سفیان سے کہنے لگا میں ان حاجیوں کو روکنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں اور ہمارے باہمی عہد و پیمان میں یہ شق شامل نہیں کہ ہم قربانی کرنے والوں کو بھی روکیں گے۔ ابو سفیان نے اُسے خاموش کرا کے عروہ بن مسعود ثقفی کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ چنانچہ کافی دیر تک بات چیت جاری رہی لیکن یہ ملاقات کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہو گئی اور کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا تو کفار نے ایک دوسرا وفد سہیل بن عمرو کی قیادت میں بھیجا تاکہ رسول کریمؐ سے بات چیت کے ذریعے سے پُر امن تصفیہ تک نوبت پہنچ جائے لیکن یہ ملاقات بھی کامیاب نہ رہی اور باہمی کش مکش جوں کی توں باقی رہی۔ نہ کفار مسلمانوں کے مکہ میں داخلے پر راضی تھے اور نہ مسلمان اس امر پر راضی ہوتے تھے کہ طواف و دیگر مناسک ادا کئے بغیر واپس چلے جائیں۔ آخر کار اسی صلحنامہ پر طرفین کا فیصلہ ہوا جو سابق روایت میں گذر چکا ہے۔

نَصۡرًا عَزِيۡزًا ۔ یعنی اللہ آپ کی ایسی مدد کرے گا کہ کوئی سرکش دشمن آپ پر غلبہ حاصل نہ کر سکے گا چنانچہ اللہ کا وعدہ پورا ہوا اور دین اسلام چہار دانگ عالم میں پھیل گیا اور تمام ادیانِ عالم کے مقابلہ میں اسلام کو شاندار کامیابیاں نصیب ہوئیں۔

اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ ۔ یعنی پے در پے اپنی نشانیاں اور دلائل و براہین بھیج کر مومنوں کے دلوں میں ایسی بصیرت پیدا کر دی کہ وہ دین حق پر پوری طرح مطمئن اور پُر سکون ہیں۔ اور یہی وہ نعمت تامہ ہے جو مومنوں کو خاص طور پر عطا ہوتی ہے کیونکہ وہ لوگ

وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ یُكَفِّرَ

اور مومنات کو ان باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں کہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں اور دور کرے

عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۙ﴿۶﴾ وَّ

اللہ ان سے ان کی برائیاں اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے اور

یُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّیْنَ

تاکہ عذاب دے منافق مردوں اور عورتوں کو اور مشرک مردوں اور عورتوں کو جو اللہ پر

بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ

برا گمان کرتے ہیں ان ہی پر آئے گا برائی کا عذاب اور ان پر اللہ کا غضب اور

لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۷﴾ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ

لعنت ہے اور ان کے لئے اس نے تیار کیا ہے جہنم اور وہ بری باز گشت ہے اور اللہ کے پاس آسمانوں

جن کے ایمان غیر پختہ ہوتے ہیں وہ معمولی شبہات سے بھی متزلزل ہو جایا کرتے ہیں اس لئے کہ یقین و اطمینان سے وہ محروم ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی اس جگہ مراد لی جا سکتی ہے کہ خدا نے مومنوں کے دلوں میں جوشِ ایمانی کی بدولت وہ استقامت و قوت بخشی ہے کہ بڑے سے بڑے دشمن کے مقابلہ میں بھی ڈٹ کر کوہ گراں کی طرح جم جاتے ہیں اور سکون و اطمینانِ قلب کی بدولت کوئی طاقت ان کے قدموں میں لغزش نہیں ڈال سکتی۔

لِیَزْدَادُوْا۔ یعنی آثارِ فتح و کامیابی اور دلائلِ حقانیت اسلام کی بدولت ان کے ایمان تازہ ہوتے ہیں اور ان میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ :۔ یعنی اللہ کے پاس آسمانوں اور زمین میں ملائکہ و جنات وغیرہ کی فوجیں موجود ہیں۔ اگر چاہے تو تمام دشمنانِ اسلام کو ختم کر دے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ ان مشرکوں کی پشتوں سے بعض مومن پیدا ہوں گے نیز اس کی حکمت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مومن جہاد کر کے اپنے حسنِ اختیار سے جنت کے مستحق بنیں اور ان کے گناہ معاف ہوں اور تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ پانی اور ہوا بھی اللہ کے لشکر ہیں جن سے بعض اوقات دشمنانِ دین کو ہلاک کیا جاتا ہے۔

ظَنَّ السَّوْءِ۔ تفسیر برہان میں اس کے مصداق وہ لوگ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کا انکار کیا تھا۔

جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ۔ تکرار اس لئے ہے کہ پہلی جگہ مومنوں کی تسلی کے لئے تھا اور اس جگہ کافروں کے ذکر سے متصل ہے اور

وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا

اور زمین کے لشکر موجود ہیں اور اللہ غالب حکمت والا ہے ہم نے آپ کو شاہد مبشر اور نذیر

وَّنَذِيْرًا ﴿٩﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ

بنا کے بھیجا ہے تاکہ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی مدد کرو اور اسکی عزت کرو اور اللہ کی صبح و

بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿١٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ

شام تسبیح کرو تحقیق جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں

فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا

پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے پس جو بیعت کو توڑے گا تو اس کا وبال خود اس پر ہی ہوگا اور جو اللہ سے کئے وعدے

عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١١﴾ سَيَقُوْلُ لَكَ

کو پورا کرے گا تو اللہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا عنقریب کہیں گے آپ سے جو

الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ

پیچھے رہ گئے تھے بدوی لوگوں میں سے کہ ہمیں مال و متاع اور اہل و عیال نے مشغول کر رکھا تھا پس ہمارے لئے بخشش کی

ان کو تنبیہ کرنا مقصود ہے۔

لِتُؤْمِنُوْا۔ بعض قاریوں نے لِيُؤْمِنُوْا پڑھا ہے اور باقی صیغے بھی اسی طرح ہیں لیکن جو لوگ لِتُؤْمِنُوْا مخاطب کے صیغے سے پڑھتے ہیں انکے نزدیک عبارت میں کچھ مقدر کرنا پڑے گا یعنی قل لھم انا ارسلناك الخ۔ مقصد یہ ہوگا کہ ان سے کہدیجئے کیونکہ ہم نے تم کو شاہد و مبشر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اکہ رسول کو ہم نے اس لئے بھیجا ہے کہ تم ایمان لاؤ اور اس کی تعظیم و توقیر کیا ساتھ ساتھ اس کی مدد و نصرت بھی کرو اور غائب کے صیغوں کی صورت میں تو معنی واضح ہے کہ ہم نے تم کو بھیجا ہے تاکہ یہ لوگ ایمان لائیں تا آخر۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ۔ اس جگہ بیعت سے مراد بیعت حدیبیہ ہے جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ اور تفسیر صافی میں ارشاد مفید سے منقول ہے کہ مامون نے امام رضا علیہ السّلام سے جب کہا تھا کہ آپ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائیں تاکہ لوگ آپ کی بیعت کریں تو آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کو بلند کیا کہ منہ کے برابر آگیا اور آپ نے فرمایا کہ صحابہ نے رسول اللہ کی بیعت اس طرح کی تھی کہ ان کے ہاتھ نیچے تھے اور حضورؐ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر تھا اور بیعت کا طریقہ بھی یہی ہونا

يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ

دعا کرو وہ زبانوں سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں کہدیجئے کون مالک ہوگا تمہارے لئے اللہ سے کسی

شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

چیز کا اگر وہ تم کو تکلیف دینا چاہے یا تمہیں نقصان پہنچانا چاہے بلکہ اللہ آگاہ ہے اس سے جو تم کرتے

چاہیئے کیونکہ اللہ نے رسول اللہ کے ہاتھ کو اپنی طرف منسوب کرکے فرمایا کہ جن لوگوں نے رسول اللہ کی بیعت کی گویا انہوں نے اللہ کی بیعت کی اور ان کے ہاتھوں کے اوپر جو رسول اللہ کا ہاتھ تھا وہ گویا ان کا نہیں بلکہ اللہ کا ہاتھ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ بیعت رضوان میں شریک تھے وہ بہت بلند مرتبہ کے لوگ تھے کیونکہ اللہ نے ان کا ذکر بڑے وقیع لفظوں میں فرمایا۔ البتہ اس بیعت کے ذکر کے بعد اس شرط کا اضافہ فرمایا کہ جو لوگ اس بیعت کی وفا کریں گے ان کے لئے اجر عظیم ہے اور جو لوگ اس بیعت کے بعد منحرف ہو جائیں گے اور بیعت کے تقاضوں کو بھلا کر اور نبی کریم کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر اپنی خواہشات نفس کے پیچھے چلیں گے تو ان کو یہ بیعت کوئی نفع نہ دے گی بلکہ اس بیعت شکنی کا وبال ان کے سر پر ہوگا۔

عَلَيْهُ اللَّهَ ۔ حفص قاری نے ضمیر غائب پر ضمہ پڑھا ہے اور موجودہ قرآنوں میں یہی رائج ہے۔

رکوع ۱۱

سَيَقُولُ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ذوالقعدہ ۶ھ میں آپ عمرہ کرنے کی غرض سے روانہ ہونے لگے تو مدینہ کے گرد و نواح کی بستیوں کے لوگوں کو آپ نے ہمراہ جانے کے لئے دعوت دی۔ کیونکہ یہ خیال تھا کہ مبادا قریش مکہ مزاحمت کریں یا لڑائی پر آمادہ ہو جائیں تو مسلمانوں میں قوت دفاع کا ہونا ضروری ہے۔ اس وقت مدینہ کے گرد و نواح میں جو قبائل آباد تھے جن کو دعوت سفر دی گئی وہ قبیلہ غفار۔ قبیلہ اسلم۔ مزینہ۔ جہنیہ۔ اشجع اور قبیلہ دئل کے لوگ تھے۔ انہوں نے کفار قریش سے ڈرتے ہوئے آپ کی دعوت ٹھکرادی۔ اور یہ بہانا بنا لیا کہ آج کل ہماری مصروفیات کے دن ہیں اور ہم اپنے اموال و عیال کو چھوڑ کر شریک سفر نہیں ہو سکتے۔ حضورؐ چونکہ عمرے کی نیت سے روانہ ہو رہے تھے اس لئے قربانیاں ہمراہ کرلیں تاکہ تمام لوگ جان لیں کہ یہ قافلہ حج وعمرہ کو جا رہا ہے نہ کہ لڑائی کرنے کے لئے روانہ ہے۔

يَقُولُونَ ۔ خداوند کریم نے ان کے اعذار باردہ کی پر زور تردید فرمائی کہ یہ لوگ منافق طبع ہیں۔ زبان سے کچھ اور کہتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں کچھ اور ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ لوگ حضورؐ کی دعوت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان کی قندیل روشن نہیں تھی۔ لہٰذا ان کی دعائے بخشش کی خواہش بھی صرف رسمی رواداری کے طور پر تھی اُن کے دل کی آواز نہیں تھی۔

فَمَن يَمْلِكُ ۔ یعنی اللہ اگر تم کو نفع یا نقصان دینا چاہے تو کون ہے جو تم کو اس سے بچا سکے۔

بَلْ ظَنَنتُمْ ۔ جن لوگوں نے حضورؐ کی دعوت کو رد کیا تھا اور حدیبیہ کی طرف جانے سے انکار کیا تھا ان کو یہ خیال تھا کہ جب مسلمان مکہ میں پہنچیں گے تو کفار قریش موقع پا کر ان کو قتل کر دیں گے۔ اور ان میں سے ایک بھی گھر کو نہ پلٹ سکے گا۔ پس انہوں

خَبِيْرًا ﴿۱۲﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى

بلکہ تم نے خیال کیا تھا کہ رسول اور مومن لوگ اب اپنے گھروں کی طرف ہرگز نہ ہو

اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖ وَكُنْتُمْ

پلٹیں گے اور یہی بات مزین کی گئی تمہارے دلوں میں اور تم نے بدگمانیاں کیں (رسول کے متعلق) اور تم

قَوْمًاۢ بُوْرًا ﴿۱۳﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

ہلاک ہونیوالی قوم ہو اور جو نہ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر تو ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں

سَعِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ

کے لئے جہنم اور آسمانوں اور زمین کا ملک اللہ ہی کا ہے جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے گرفتارِ

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵﴾ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا

عذاب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے عنقریب کہیں گے پیچھے رہنے والے جب تم

انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا

جاؤ گے غنائم (خیبر) کی طرف تاکہ حاصل کرو ان کو کہ ہمیں اجازت دو کہ تمہارے ساتھ چلیں وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا

نے اپنی جان کی خیر منائی اور حضور کی دعوت ٹھکرائی۔ اللہ فرماتا ہے یہ بدگمانی شیطان نے ان کے دلوں میں ڈالی تھی اور یہ خیال اُن کے دلوں میں پختہ تھا بلکہ مزین تھا۔

سَيَقُوْلُ۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب مسلمان صلح حدیبیہ کر کے پلٹے تو خداوند کریم نے آپ کو فتح خیبر کی وحی فرمائی اور یہ یقین دہانی بھی کرائی کہ وہاں سے غنیمتیں بھی حاصل ہوں گی۔ اور ساتھ یہ تخصیص بھی تھی کہ خیبر کی غنیمتیں صرف ان لوگوں میں تقسیم ہوں گی جو صلح حدیبیہ میں شامل تھے۔ پس لوگوں نے یہ خبر سُنی تو جو لوگ حدیبیہ میں شریک نہ تھے اور پیچھے رہ گئے تھے اُن کے دلوں میں بھی خیبر کی طرف جانے کا لالچ پیدا ہوا۔ اور کہنے لگے کہ ہمیں بھی ساتھ لے جائیے گا۔ تو اُن کے جواب میں اللہ فرماتا ہے۔ ان پیچھے رہ جانے والے لوگوں سے کہئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ آؤ گے۔ اور اللہ نے پہلے سے ہی فیصلہ کر دیا ہے کہ خیبر کی غنیمتیں صرف ان لوگوں ہی تقسیم ہوں گی جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے اور تم اللہ کے فیصلے کو تبدیل نہیں کر سکتے اور نہ اللہ کے فیصلہ کو جھوٹا ثابت کیا جا سکتا ہے۔ گویا وہ لوگ جنگ خیبر میں شرکت و شمولیت کر کے اللہ کے فیصلے کو تبدیل کرنے اور اُسے جھوٹا ثابت کرنے کے درپے ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ اللہ کا فیصلہ حرف بحرف ثابت ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ میں شریک تھے

كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ

کلام (فیصلہ) بدل جائے ان سے کہدو کہ ہرگز ہمارے ساتھ نہ آؤ اور اسی طرح اللہ نے پہلے بھی فرمایا ہے پس وہ کہیں گے

بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ

بلکہ تم لوگ ہم پر حسد کرتے ہو بلکہ وہ (حق کو) نہیں سمجھتے مگر کم کہدیجئے پیچھے رہ جانے والوں کو

مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ

بدؤں میں سے کہ عنقریب تم کو بلایا جائے گا ایک ایسی قوم کی طرف جو سخت جنگجو ہوں گے کہ ان سے تم لڑوگے یا وہ

يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا

مسلمان ہوجائیں گے پس اگر تم نے بات مان لی تو تم کو خدا بہتر اجر عطا کرے گا اور اگر تم پھر گئے جس طرح

تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ

پہلے پھر گئے تھے تو تم کو دردناک عذاب دے گا اندھے پر لنگڑے پر اور

وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

مریض پر کوئی حرج نہیں (اگر جنگ کے لئے نہ جا سکیں) اور جو اللہ اور اس کے رسول

وہی خیبر جا سکے اور دوسرا کوئی بھی جنگ خیبر میں نہ جا سکا۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ ۔ یعنی جب مسلمانوں نے ان کو کہا کہ تم ہرگز نہیں جا سکو گے کیونکہ اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تو وہ جواب دیتے تھے کہ تم لوگ خواہ مخواہ ہم پر حسد کرتے ہو تاکہ ہم خیبر کی غنیمتوں میں حصہ نہ لے سکیں حالانکہ وہ خود بات کی حقیقت کو نہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ مسلمان ان کو منع نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو خبر دیتے تھے کہ چونکہ اللہ کا فیصلہ ہے لہذا تم ہرگز شریک نہ ہو سکو گے کیونکہ اللہ کے وعدے میں جھوٹ نہیں ہوا کرتا اور وہ اس کو مسلمانوں کے حسد پر محمول کرتے تھے۔ اور یہ سراسر ان کی بے سمجھی تھی۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ ۔ یعنی ان لوگوں سے کہدیجئے کہ چلو خیبر کی جنگ میں تو تمہاری شرکت نہ ہو سکے گی لیکن بعد میں ایک دوسری قوم سے جہاد در پیش ہوگا۔ اور تم لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی جائے گی۔ اور اس سے مراد صفین طائف موتہ اور تبوک کے غزوات ہیں۔ پس مسلمانوں کو ان سے جنگ کرنا پڑے گا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ پس ان لوگوں سے کہدو کہ اگر تم اسلام سے سچی ہمدردی رکھتے ہو تو آنے والی جنگوں کے لئے تیار رہو۔ پس اگر تم اطاعت کرو گے اور ثابت قدمی سے کفار کا

وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ

کی اطاعت کرے گا اس کو داخل کرے گا ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو پھر جائے اس کو دردناک

عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٨ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

عذاب دے گا بے شک اللہ راضی ہے مومنوں سے جب کہ وہ آپ کی بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے

مقابلہ کرو گے تو اجرِ عظیم پاؤ گے ورنہ عذاب الیم کے حقدار ہو گے۔ البتہ اندھے لنگڑے اور بیمار لوگ اس حکم سے مستثنا ہیں۔

بیعت رضوان — رکوع ۱۱۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ۔ قرآن مجید کے ان لفظوں سے مسلمانوں نے صحابہ کے نام کے ساتھ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لگانا سیکھا ہے۔ حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے صحابہ نے حضور پاکؐ کی بیعت کی تھی۔ اور وہ کیکر کا درخت تھا۔ اور یہ بیعت اس امر کا عہد تھا کہ ہم حضورؐ کی معیت میں ہر خطرہ کا مقابلہ کریں گے۔ اور ہر سخت سے سخت مرحلہ پر بھی حضورؐ کو چھوڑ کر کہیں نہ جائیں گے۔ اور یہ عہد حضرت رسول اللہؐ کی شریعت کے جملہ احکام کے من وعن تسلیم کرنے کا عہد تھا اور ایسا کرنے والوں کو خداوند کریم نے اپنی رضامندی کی پیش کش فرمائی ہے۔

بیعت رضوان کے بعد رَضِيَ اللّٰهُ کے الفاظ تمام صحابہ کی عدالت وایمان کی دلیل نہیں بن سکتے۔ اسی لئے تو گذشتہ آیت نمبر ۱۰ میں اس کی وضاحت فرمائی کہ مَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ یعنی جو شخص اس بیعت کو توڑے گا تو اس کا وبال اس کے اپنے سر پر ہو گا۔ پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ کی رضامندی صرف ان صحابہ کے لئے ہے جنہوں نے بیعت کی اور پوری بقایا زندگی میں اس بیعت کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اور اس پر ثابت قدمی سے جمے رہے۔ لیکن وہ لوگ جو بیعت کرتے وقت بھی دیکھا دیکھی کی بنا پر منافقانہ چال چل رہے تھے کہ ظاہر میں دوستی اور دل میں دشمنی پوشیدہ تھی یا یہ کہ اُس وقت بدل وجان بیعت تو کر لی لیکن بعد میں اس کو توڑ ڈالا اور ثابت قدم نہ رہ سکے یا یہ کہ حضورؐ کی زندگی میں تو ثابت قدم رہے لیکن وفات پیغمبرؐ کے بعد راہ حق سے منحرف ہو گئے۔ چنانچہ بخاری شریف میں صحابہ کے ارتداد کی حدیثیں وارد ہیں اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں بعض کو نقل کیا ہے تو ایسے لوگ یقیناً رضائے پروردگار کے مستحق نہیں اور نہ یہ آیت ان کو شامل ہے۔ لہذا آیت مجیدہ کی رُو سے تمام صحابہ کو عدول ثابت کرنا یا ان کو بلا استثنا رجنتی کہنا اپنے نفس کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔

قصہ بیعت وصلح حدیبیہ کی وضاحت — تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ حضورؐ مکہ کی طرف جاتے ہوئے جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کی اونٹنی رک گئی۔ آپ نے اُس کو آگے بڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ آگے بڑھنے کے بجائے بیٹھ گئی۔ صحابہ بھی یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے تو آپ نے فرمایا کہ چلتے چلتے رک جانا اس اونٹنی کی عادت نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ رک جانے میں ہماری مصلحت ہے اور اس کو اسی ذات نے روکا ہے جس نے ہاتھیوں کو روکا تھا۔ پس آپؐ نے عمر بن خطاب کو بلایا اور فرمایا کہ جا کر اہل مکہ کو

فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۱۹

پس اللہ کو ان کے دل کی سچائی معلوم ہے لہذا اُس نے اُن کو سکون بخشا اور ان کو فوری فتح (فتح مکہ یا فتح خیبر) عطا کی

وَّمَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۲۰

اور بہت سی غنیمتیں جو انہوں نے حاصل کیں (غنائم خیبر یا غنائم ہوازن) اور اللہ غالب دانا ہے

ہماری آمد کی اطلاع دو تاکہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ اور ہم بھی اعمال عمرہ بجالائیں اور قربانیاں کر کے واپس چلے جائیں تو انہوں نے معذرت پیش کی کہ وہاں میرا کوئی خاص رشتہ دار موجود نہیں ہے لہذا قریش مکہ کی دشمنی سے مجھے سخت خطرہ ہے اور میرے بجائے عثمان بن عفان کا بھیجنا زیادہ موزوں ہے کیونکہ اُس کا کافی قبیلہ وہاں موجود ہے۔ پس آپ نے عثمان کو اپنی طرف سے ہدایات دے کر روانہ فرمایا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کے لئے اور اعمال عمرہ بجالانے کے لئے آئے ہیں تاکہ قریشی مزاحمت نہ کریں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمان کو جاتے ہی قریشیوں نے گرفتار کر لیا اور یہ خبر مشہور ہوگئی کہ عثمان کو قتل کر دیا گیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اب فیصلہ کئے بغیر ہم یہاں سے حرکت نہ کریں گے۔ چنانچہ ایک کیکر کے درخت کا سہارا لے کر کھڑے ہوگئے اور لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا۔ پس لوگوں نے مشرکوں کے ساتھ لڑنے اور فرار نہ کرنے کے عہد میں آپ کی بیعت کی۔ عبداللہ بن معقل کا بیان ہے کہ میں اس وقت حضور کے پیچھے کیکر کی ایک شاخ پکڑ کر کھڑا تھا۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ نے صحابہ سے موت پر نہیں بلکہ فرار نہ کرنے کے عہد پر بیعت لی تھی۔ مسور بن مخرمہ کی روایت میں ہے کہ ایک ہزار سے زیادہ کی تعداد میں صحابہ مدینہ سے آئے تھے۔ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو حضور نے اپنی قربانیوں کو اشعار یا تقلید کر کے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی بطور جاسوس کے روانہ فرمایا تاکہ قریشیوں کے ردِ عمل کی اطلاع دے۔ پس جب آپ عسفان کے قریب غدیر الاشطاط کے مقام پر پہنچے تو اُس جاسوس نے واپس آکر اطلاع دی کہ قبائل قریش مختلف قبائل سے فوجیں جمع کر کے لڑائی کے لئے بالکل تیار ہیں اور ان کا ارادہ ہے کہ بیت اللہ تک آپ کو نہ پہنچنے دیں گے آپ نے اس خبر کی پرواہ کئے بغیر صحابہ کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔

چلتے چلتے ایک مقام پر آپ رُک گئے اور فرمایا کہ کفارِ قریش کی سوار فوج کا ایک دستہ لے کر خالد بن ولید غمیم کے مقام پر ہمارا راستہ روکنے کے لئے اُترا ہوا ہے لہذا ہمیں راستہ چھوڑ کر دائیں طرف مڑ جانا چاہیئے۔ چنانچہ آپ ثنیہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کی سواری رُک گئی اور بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا یہ اس کی عادت نہیں ہے بلکہ اس کو اُس ذات نے روکا ہے جس نے ہاتھیوں کو روکا تھا۔ پس آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ قریش اگر مجھ سے ایسی چیز کا مطالبہ کریں جس میں اللہ کے حرم کی تعظیم کا راز مضمر ہو تو میں ضرور اُسے قبول کروں گا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی سواری کو چلایا تو وہ روانہ ہوگئی۔ پس آپ نے حدیبیہ کی آخری سرحد پر ایک کنوئیں کے کنارے نزول اجلال فرمایا۔ جس میں پانی بہت کم تھا اور تھوڑا تھوڑا رستا تھا

جس سے صحابہ سیر نہ ہو سکتے تھے۔ پس انہوں نے پیاس کی شکایت کی تو آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور پانی کے رسنے کی جگہ پر اس کو گاڑنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کی برکت سے کنوئیں میں پانی کافی موجود ہو گیا۔ اور سب لوگ سیراب ہوئے۔ اسی اثناء میں بدیل بن ورقا خزاعی قبیلۂ خزاعہ کے چند آدمیوں کو ساتھ لیکر حاضرِ خدمت ہوا اور یہ شخص اہلِ مکہ میں سے آپ کا خیر خواہ تھا اُس نے عرض کی کہ قریش اپنی پُوری طاقت کے ساتھ آپ کو بیت اللہ سے روکنے پر آمادہ ہیں اور وہ خون کا آخری قطرہ بہا دینے پر تیار ہیں۔ چنانچہ اس غرض سے اُنہوں نے اپنے نوزائیدہ بچّوں اور اُن کی ماؤں کو بھی اپنے ہمراہ شریکِ جنگ ہونے کے لئے آمادہ کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا میں کسی سے لڑنے کے لئے نہیں بلکہ اعمالِ عمرہ بجا لانے کے لئے آیا ہوں اور قریش کو جنگوں نے کمزور کر دیا ہے اور ان کو کافی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ اب میں ان کو ایک مدت تک کی مہلت دیتا ہوں کہ وہ میرے راستہ میں حائل نہ ہوں۔ اور مجھے دُوسرے عرب قبائل سے نپٹنے کے لئے واگذار کریں۔ پھر جو راستہ دوسرے عرب اختیار کریں یہ بھی ان میں داخل ہو جائیں۔ اور اگر یہ لوگ خواہ مخواہ مجھ سے اُلجھنے کی کوشش کریں گے تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں اپنے مشن کی تکمیل کے لئے ضرور ان سے لڑوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کروں گا۔ بدیل بن ورقا نے واپس جا کر قریش کو حضور کا پیغام پہنچایا تو عروہ بن مسعود ثقفی نے کھڑے ہو کر قریش کے بھرے مجمع میں ایک تقریر کی اور قریش کو نصیحت کی کہ جو کچھ حضور نے پیغام بھیجا ہے اس میں تمہاری خیر خواہی کا راز مضمر ہے لہذا اس کو قبول کر لینے میں تمہیں پس و پیش نہیں کرنی چاہیئے۔ اور اگر تمہاری مرضی ہو تو مزید بات چیت کے لئے میں خود اُن کے پاس جاتا ہُوں۔ تو اُنہوں نے کہا تم خود جاؤ اور رو برو بات کر کے کوئی اچھا فیصلہ کر کے ہمیں اطلاع دو۔ چنانچہ وہ حاضرِ بارگاہِ رسالت ہوا تو آپ نے اپنی وہی تقریر دہرائی جو اس سے قبل بدیل بن ورقا خزاعی کے سامنے کی تھی۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ آپ کے لئے اپنی قوم قریش سے لڑنا کسی طرح بھی مناسب نہیں اور کوئی دانشمند اپنی اصل و جڑ کو اکھیڑنا پسند نہیں کرتا اور اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو یہ اِدھر اُدھر سے جمع ہو کر آپ کے ہمراہ آپ کی محبت کا دم بھرنے والے لوگ دوڑ جائیں گے اور آپ کو تنہا مصائب میں چھوڑ جائیں گے (کیونکہ مشکل و مصیبت میں صرف اپنا خون ہی کام آتا ہے) یہ سُن کر ابو بکر نے اُس کو جھڑک کر کہا اُمصص بظر اللّات۔ یعنی جاؤ اور لات کی شرمگاہ کو چاٹو۔ لات[1] ایک بت تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔ مقصد یہ کہ تم اپنے بتوں کی پوجا کرو ہمیں یہ طعنہ کیوں دیتے ہو کہ ہم رسول اللہ کو چھوڑ کر کہیں بھاگ جائیں گے۔ عروہ بن مسعود نے پوچھا یہ کون شخص ہے تو اس کو جواب دیا گیا کہ یہ ابو بکر ہے۔ تو عروہ نے کہا کہ تیرا ایک احسان مجھ پر نہ ہوتا تو میں تجھے اس کا جواب دیتا۔ اس کے بعد دوسری باتیں ہوتی رہیں۔

مغیرہ بن شعبہ حضور کے پاس کھڑا تھا اور عروہ جب بھی بات کرتا تھا تو حضور کی ریش مبارک کو ہاتھ لگاتا تھا پس مغیرہ نے جھڑک کر کہا کہ اپنے نجس ہاتھ کو حضور کی ریش اقدس کے قریب نہ لے جاؤ ورنہ اس ہاتھ کو میں توڑ دوں گا۔ عروہ نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ ہے۔ پس وہ کہنے لگا کہ یہ دھوکا باز آدمی ہے اس سے اُلجھنے کا کوئی فائدہ نہیں

[1] لات طائف میں ایک بت تھا جس کی بنی ثقیف پوجا کرتے تھے

اس کا واقعہ یہ ہے کہ اسلام لانے سے پہلے مغیرہ بن شعبہ نے طائف کے چند تاجروں کے ساتھ سفر تجارت میں شرکت کی تھی تو اس نے موقعہ پاکر ان سب کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ کر اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ پس عروہ بن مسعود مقتولین کے وارثوں کے ہمراہ طائف سے چل کر مکہ میں اسی معاملہ کے فیصلہ کے لئے آیا ہوا تھا لیکن مغیرہ بن شعبہ نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کو قبول کر لیا اور وہی طائف کے تاجروں سے لوٹا ہوا مال بھی پیش خدمت کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ تیرے اسلام کو ہم نے قبول کر لیا ہے لیکن تیرے اس لوٹ کھسوٹ کے مال کو ہم قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ ٹھگی اور دھوکے کا مال ہے۔

بہرکیف عروہ بن مسعود ان تمام باتوں کا جائزہ لیتا رہا اور صحابہ کا حضورؐ سے برتاؤ کا طریقہ بھی دیکھتا رہا۔ جس سے وہ خود بہت متاثر ہوا۔ چنانچہ اُس نے دیکھا کہ آپ کی زبان سے نکلا ہوا کوئی لفظ صحابہ ضائع نہ ہونے دیتے تھے اور آپ کے حکم کی فوری تعمیل کرتے تھے اور جب آپ وضو فرماتے تو صحابہ کا ہر فرد ایک دوسرے سے بڑھ کر تبرک کے لئے وہ پانی حاصل کرنے کا خواہشمند ہوتا تھا جو آپ کے اعضا سے گرتا تھا۔ اور حضورؐ کے سامنے کوئی بھی صحابی بلند آواز سے بات کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور نہ کوئی حضورؐ کی آنکھ میں آنکھ ملانے کی جسارت کرتا تھا۔ پس ان تمام باتوں سے کافی تاثر لے کر عروہ بن مسعود واپس پلٹا تو کہنے لگا کہ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں اور میں قیصر و کسریٰ و نجاشی ایسے حکمرانوں کے پاس بھی حاضر ہوا ہوں لیکن بخدا میں نے آج تک ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی تعظیم اس کے ہم نشین اتنی کرتے ہوں۔ جو محمد کی تعظیم اس کے اصحاب کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب وہ حکم کریں تو تعمیل حکم میں وہ ایک دوسرے سے سبقت کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اُن کے وضو کے پانی کو حاصل کرنے کے لئے جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں وہ ان کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند نہیں کرتے اور نہ اُن کو تیز نگاہوں سے دیکھنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ بے شک انہوں نے تم لوگوں کی طرف اچھا پیغام بھیجا ہے لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ اس کو قبول کرنے میں پس و پیش نہ کرو۔

اس کے بعد بنی کنانہ میں سے ایک شخص کو کفار قریش نے بطور وفد بھیجا۔ آپ نے اُس کو دیکھ کر فرمایا یہ شخص اُس قوم میں سے ہے جو بیت اللہ کی قربانیوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لہٰذا اس کے سامنے اپنی قربانیوں کو ظاہر کرو۔ تاکہ حقیقت اس کے سامنے کھل جائے۔ چنانچہ صحابہ نے اپنی قربانی کے جانوروں کو ظاہر کر کے تلبیہ کے کلمات اپنی زبانوں پر جاری کئے تو وہ شخص کافی متاثر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ قریش کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ان لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے روکیں چنانچہ اُس نے کفار قریش کے سامنے واپس جا کر اپنے تاثرات پیش کر دئے اور ان کو غلط اقدام سے روکنے کی فہمائش کی۔

اس کے بعد کفار کی جانب سے مکرز بن حفص بات چیت کے لئے بارگاہِ نبوی میں پہنچا۔ لیکن یہ ایک فاسق و فاجر شخص تھا۔ حضور نبی اکرمؐ کے ساتھ اس کی گفتگو کسی اچھے فیصلے تک نہ پہنچ سکی۔ اس کے بعد کفار کی طرف سے سہیل بن عمرو آیا اور حضورؐ نے اس کی آمد کو باہمی گفتگو اور اچھے فیصلے کے لئے نیک فال قرار دیا کیونکہ اس کا نام سہیل سہل سے

مشتق تھا جو سہولت، اور آسانی کے معنی میں ہے۔ پس بات چیت نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور فریقین میں صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ اور تحریری طور پر اسے مکمل کیا گیا جس کی تفصیل صفحہ ۲۲ پر ابھی گزر چکی ہے۔

باہمی معاہدہ کی تحریری تکمیل ابھی نہیں ہوئی تھی کہ کفارِ قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو کا بیٹا ابو جندل جس کو اسلام لانے کے جرم میں قریشیوں نے پابند سلاسل کیا ہوا تھا وہ اپنے زنجیروں اور بیڑیوں کو گھسیٹتا ہوا آن پہنچا اور اس نے اپنی مظلومیت کی درد بھری کہانی سنائی۔ اور مسلمانوں سے امداد اور فریادرسی کی درخواست کی۔ سہیل بن عمرو نے اپنے مظلوم بیٹے کی حالت پر ترس کھانے کے بجائے انتہائی سنگدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ معاہدہ کی رو سے میرے بیٹے ابو جندل کو تو آپ واپس کرنے کے پابند ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ابھی تک چونکہ معاہدہ پر طرفین کے دستخط نہیں ہوئے لہٰذا دستخطوں کے بعد طرفین پر پابندی عائد کی جا سکے گی۔ تو ابو جندل کے سنگدل باپ نے کہا کہ آپ میرے بیٹے کو واپس نہیں کریں گے تو صلحنامہ بیکار متصور ہو گا۔ آپ نے فرمایا اس کو پناہ میں لے لو۔ تو سنگدل باپ نے بیٹے کو پناہ دینے سے بھی انکار کر دیا اور حضورؐ کے اصرار کے باوجود بھی وہ نہ مانا تو ابو جندل نے پھر مسلمانوں کو خطاب کر کے اپنی مار پٹائی اور کفار کی جانب سے دی جانے والی اذیتوں کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ مجھے واپس کفار کی طرف نہ بھیجا جائے لیکن حضورؐ نے معاہدہ کی رو سے اس کی درخواست ٹھکرا دی۔ اسی مقام پر عمر بن خطاب نے کہا وَاللّٰهِ مَا شَكَكْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ اِلَّا يَوْمَئِذٍ۔ یعنی میں جس دن سے مسلمان ہوا ہوں خدا کی قسم اس دن کی طرح مجھے کبھی نبوت میں شک نہیں ہوا۔ اور میں نے رسول اللہ کے پاس جا کر عرض کی۔ کیا آپ نبی نہیں ہو؟ آپ نے فرمایا۔ میں نبی ہوں۔ تو میں نے کہا کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا بے شک ہم حق پر اور دشمن باطل پر ہیں۔ تو میں نے کہا پھر ہم اس قدر کمزوری کیوں کریں؟ آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی کسی صورت میں نہیں کر سکتا اور وہی ہمارا مددگار ہے۔ میں نے کہا کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا بے شک میں نے کہا تھا لیکن میں نے اس سال کے لئے نہیں کہا تھا اور یقیناً ایک وقت آئے گا کہ ہم بیت اللہ کا آ کر طواف کریں گے۔

پھر کیونکہ صلحنامہ کی تحریری تکمیل کے بعد حضورؐ نے قربانیاں ذبح کر دیں اور سر منڈوا دیا اور مسلمان واپس مدینہ پلٹ کر آ گئے۔
کچھ دنوں بعد ابو بصیر نامی ایک قریشی مسلمان ہو کر مکہ سے بھاگا اور مدینہ میں پہنچا تو اس کے پیچھے دو آدمی اس کو واپس لینے کے لئے آ پہنچے۔ پس معاہدہ کی رو سے حضورؐ نے اس کو واپس کر دیا۔ جب مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو ابو بصیر نے اپنے ان دو ساتھیوں میں سے ایک سے تلوار طلب کی کہ عمدہ تلوار ہے میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس نے دے دی۔ پس مسلمان نے فوراً ہی اسی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ دیکھ کر دوسرا کافر بھاگ کھڑا ہوا۔ اور مسجد نبوی میں ہانپتا کانپتا ہوا داخل ہو گیا۔ آپ نے فرمایا یہ شخص کسی حادثہ کا شکار ہے۔ چنانچہ اس نے قریب پہنچ کر اپنی داستان سنائی کہ میرا ساتھی قتل کیا جا چکا ہے اور میں بھی قتل کیا جانے والا تھا کہ جان بچا کر بھاگ آیا ہوں۔ اتنے میں ابو بصیر مسلم وارد مسجد ہوا۔ اور اس نے عرض کی حضورؐ! آپ

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ

اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا جو تم حاصل کرو گے پس یہ غنیمت تم کو اس نے فوراً دیدی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے اس نے روک

نے اپنے کئے ہوئے عہد کی وفا کی تھی اور مجھے واپس بھیج دیا تھا لیکن خدا نے مجھے ان لوگوں سے نجات دے دی ہے آپ نے اس سے منہ پھیر کر صحابہ سے فرمایا کہ اس شخص نے پھر جنگ کی آگ کو بھڑکانے کی ابتدا کی ہے اسے واپس لے جاؤ۔ جب اس نے یہ کلمات سنے تو اس کو یقین ہو گیا کہ مجھے دوبارہ کفار کی طرف لوٹایا جائے گا۔ لہٰذا وہ فوراً مسجد سے نکلا۔ اور ساحل سمندر کا رخ کیا۔ اُدھر سے سہیل بن عمرو کا بیٹا ابوجندل بھی کسی طریقہ سے قریش مکہ سے جان بچا کر ساحل سمندر پر ابوبصیر سے جا ملا اور ان کے بعد جو بھی آدمی مکہ میں مسلمان ہوتا وہ وہاں سے بھاگ کر ان کے ساتھ جا ملتا۔ چنانچہ چند ہی دنوں میں ان کی اچھی خاصی ایک جماعت بن گئی۔ پس قریش کی جو جماعت سفر تجارت میں شام کا رخ کرتی یہ لوگ اُن کو لوٹتے اور قتل کر ڈالتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے کفار قریش کا ناک میں دم کر دیا۔ پس انہوں نے مجبوراً حضورؐ کی طرف ایک وفد بھیجا کہ خدا کے لئے ان مسلمانوں کو اپنے پاس بلا لیجئے اور اب جو بھی مسلمان ہم میں سے علیحدہ ہو کر آپ کے پاس پہنچے گا ہم اس سے متعرض نہ ہوں گے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی خدا نے مسلمانوں کے ساتھ بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا جو تا قیام قیامت مسلمانوں کو حاصل ہوتی رہیں گی۔

فَعَجَّلَ لَكُمْ۔ اس فوری غنیمت سے مراد غنیمت خیبر ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کو کافی مال و دولت ہاتھ آیا۔

كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب حضورؐ نے خیبر پر چڑھائی کا قصد فرمایا اور جا کر یہودیوں کا محاصرہ کیا تو قبیلہ اسد و غطفان کے لوگوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اب مسلمانوں کی لڑاکا فوج خیبر کے محاذ پر یہودیوں سے نبرد آزما ہے اور مدینہ میں صرف عورتیں اور بچے موجود ہیں لہٰذا مدینہ پر حملہ کر کے ان کو لوٹ لیا جائے اور بعض روایات میں ہے کہ ان قبیلوں نے خیبری یہودیوں کے ساتھ فوجی امداد کا عہد و پیمان کیا تھا۔ بہر صورت خداوند کریم نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا کہ وہ اپنے ارادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے سے قاصر رہے پس کچھ منازل طے کرنے کے بعد پشیمان ہوئے اور واپس اپنے گھروں کو چلے گئے آیت مجیدہ میں خداوند کریم مسلمانوں کو قبائل عرب کے ارادہ ہائے فاسدہ کی اور اپنے احسان کی اطلاع دے رہا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں اس آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق تین اقوال منقول ہیں (۱) حدیبیہ کے سال کفار قریش نے چالیس جوان بھیجے تھے تاکہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کریں لیکن وہ سب کے سب گرفتار ہو گئے اور اللہ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا لیا تاہم حضورؐ نے ان کو معاف کر دیا۔ کیونکہ آپ کا مقصد اعمال عمرہ کو بجا لانا تھا (۲) اہل مکہ نے اسی (۸۰) آدمیوں کو بھیجا تھا جو صبح کی نماز کے وقت مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے کوہ تنعیم سے اُترے لیکن گرفتار ہو گئے اور حضورؐ نے ان کو رہا کر دیا تھا (۳) صلحنامہ لکھتے وقت تیس آدمیوں کا ایک دستہ مسلح ہو کر اچانک حملہ کرنے والا تھا کہ آپ کی بددعا سے وہ سب نابینا ہو گئے اور گرفتار کر لئے گئے پس آپ نے ان کو معاف کر دیا۔

جنگ خیبر۔ فتح حدیبیہ سے واپس آکر حضورؐ نے بیس دن مدینہ میں آرام فرمایا اور پھر اُسی فوج کے ہمراہ ۷ھ ہجری میں

عَنۡكُمۡ وَلِتَكُوۡنَ اٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَيَهۡدِيَكُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۝۲۱

دیئے اور تاکہ (یہ غنیمت) مومنوں کے لئے (صداقت اسلام کی) نشانی ہو اور تاکہ تم کو خدا صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے

عازم خیبر ہوگئے۔ کیونکہ یہود خیبر کافی دنوں سے مسلمانوں پر دانت پیس رہے تھے اور دن بدن فوجی طاقت بڑھا رہے تھے۔ اور یہ ڈر تھا کہ مبادا کسی دن مسلمانوں پر اچانک حملہ کردیں۔ لہذا ان کی سرکوبی کے لئے لشکر کشی کرنا ضروری تھا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ سلمہ بن اکوع سے مروی ہے ہم نے رات کے وقت سفر کیا اور عامر نامی صحابی جو شاعر تھا۔ اس نے حدی خوانی کے طور پر چند اشعار پڑھے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے تو جواب ملا کہ عامر ہے۔ آپ نے فرمایا یَرۡحَمُهُ اللهُ۔ پس لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ شخص شہید ہوگا کیونکہ آپ جنگ سے پہلے جس شخص کے لئے مغفرت کی دعا فرماتے تھے وہ اس جنگ میں شہید ہوجاتا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سب سے پہلے مرحب کے ساتھ لڑتے ہوئے وہ مارا گیا تھا۔

پس مسلمانوں نے قلعہ خیبر کا محاصرہ کرلیا۔ اور اس محاصرہ نے کافی طول کھینچا۔ اسلامی فوج نے اپنے مورچے مضبوط کر لئے اور لڑائی جاری رہی۔ حضورؐ نے فوج اسلام کا علم عمر بن خطاب کے حوالہ فرمایا لیکن ناکام واپس آئے وہ کہتا تھا سپاہی بزدل تھے اور سپاہی کہتے تھے سالار لشکر نے بزدلی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان دنوں حضرت نبی کریمؐ کو درد شقیقہ کی تکلیف تھی۔ لہذا باہر نہ آسکتے تھے جب درد کی شدت میں کمی ہوئی اور آپ تشریف لائے تو جنگ کی موجودہ پوزیشن کا جائزہ لینے کے بعد فرمایا۔ لَاُعۡطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُوۡلُهٗ كَرَّارًا غَيۡرَ فَرَّارٍ لَا يَرۡجِعُ حَتّٰى يَفۡتَحَ اللهُ عَلٰى يَدَيۡهِ۔ یعنی کل فوج کا علم اس شخص کے حوالہ کروں گا جو اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔ کرار ہوگا فرار نہ ہوگا۔ اور فتح کے بعد وہ واپس نہ ہوگا۔ راوی کہتا ہے پیغمبرؐ کا فرمان سننے کے بعد تمام دلوں میں یہ تمنا نئے سرے سے پیدا ہوگئی کہ فوجی علم ایک بار عطا ہو۔ چنانچہ ساری رات صحابہ بستروں پر پہلو بدلتے رہے لیکن جب صبح ہوئی تو حضورؐ نے علی کو طلب کیا۔ لوگوں نے عرض کی کہ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ آپ نے حضرت علی کو طلب کرکے زبان وحی کا لعاب ان کی آنکھوں میں ڈالا۔ تو فوراً درد کافور اور چہرہ مسرور ہو گیا۔ آپ نے اپنے دست حق پرست سے علم فوج حضرت علی کے حوالہ کیا تو حضرت علی نے عرض کی میں اس وقت تک جنگ بند نہ کروں گا جب تک کہ وہ (دائرہ اسلام میں داخل ہوکر) ہم جیسے نہ ہوجائیں گے۔ حضورؐ نے مشایعت کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دیجئے۔ اور حقوق اللہ کی ادائیگی کی تبلیغ کیجئے کیونکہ ایک آدمی کا بھی ہدایت پا جانا ہر بڑی سے بڑی غنیمت سے افضل ہے۔ پس حضرت علی اپنی شجاعانہ شان اور مجاہدانہ انداز سے واردِ میدانِ کارزار ہوئے۔

مرحب جو کفار یہود کا مایہ ناز بہادر تھا وہ حضرت علی کے مقابلہ میں آیا اور اس نے اپنے رجزیہ اشعار پڑھے۔

قَدۡ عَلِمَتۡ خَيۡبَرُ اِنِّيۡ مَرۡحَبُ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبُ اِذَا الۡحُرُوۡبُ اَقۡبَلَتۡ تَلَهَّبُ

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں سلاح پوش آزمودہ کار بہادر ہوں جبکہ لڑائی کی آگ کے شعلے بھڑک اٹھیں

حضرت علی السلام نے اس کے جواب میں رجزیہ اشعار میں اپنا تعارف ان لفظوں سے کرایا۔

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہْ كَلَیْثِ غَابَاتٍ كَرِیْهِ الْمَنْظَرَہْ

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے میں بیشۂ شجاعت کا وہ شیر ہوں جس کے دیکھنے سے بہادروں پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے

اس کے بعد طرفین میں تلوار کی آمد و رفت ہوئی اور چند لمحوں بعد مرحب فی النار ہوا۔ (اور پورا میدان علی کے رعب سے سکتہ میں تھا) رسول اللہ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ میں حضرت علی کے ہمرکاب تھا جب آپ قلعۂ خیبر کے قریب پہنچے تو یہودیوں کی پوری فوج مقابلہ کے لئے نکل کھڑی ہوئی اور حضرت علی نے گھمسان کی جنگ لڑی۔ اثنا حرب و ضرب میں ایک یہودی نے حضرت علی پر تلوار کا وار کیا جس کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں سے ڈھال گر گئی تو آپ نے فوراً ہی قلعۂ خیبر کے دروازے میں ہاتھ ڈالا اور اسے اکھیڑ کر ڈھال کی جگہ اس کو استعمال کیا اور لڑائی کو برابر جاری رکھا۔ آخر کار یہودیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ تب حضرت علیؑ نے اس دروازہ کو پھینک دیا۔ اس کے بعد ہم سات آدمیوں نے اس دروازہ کو پلٹنا چاہا لیکن ہم اس کو حرکت نہ دے سکے۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت علی کے دائیں ہاتھ میں تو تلوار تھی جس سے مسلسل جنگ کر رہے تھے تو دروازہ کو بائیں ہاتھ سے ہی اکھیڑا ہو گا کیونکہ وہی فارغ تھا اور اسی بائیں ہاتھ میں ہی اٹھا کر اسے ڈھال بنایا ہو گا۔ پس یہ علی کے بائیں ہاتھ کا کمال تھا اور دائیں ہاتھ کا کمال یہ تھا کہ یہودیوں کے ٹڈی دل لشکر کو تنہا علی نے مار مار کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ ایک یا دو بہادروں کے مارے جانے سے ہتھیار نہیں ڈالے جاتے، بلکہ جب کام کے بہادر اور چوٹی کے جنگاور ختم ہو جائیں تو باقیوں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علی نے خیبری جنگجو بہادروں کا پوری طرح صفایا کر دیا تھا اور مرحب کے بعد رہی سہی ان کی شان و شوخی بھی جاتی رہی۔

جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام نے تنہا باب خیبر کو اٹھایا اور اس کے بعد تمام مسلمان اس پر سے گذر کر قلعہ میں داخل ہوئے۔ اور جب آپ نے پھینک دیا تو چالیس آدمی مل کر بھی اس کو نہ اٹھا سکے اور دوسری روایت میں ستر آدمیوں کا ذکر ہے۔

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام سردی اور گرمی میں موٹی قبا زیب تن فرماتے تھے تو لوگوں کو حیرت ہوتی کہ گرمی کے موسم میں اس قسم کی موٹی قبا جس میں روئی بھی بھری ہے پہننا قابل تعجب ہے جب کہ موسم سرما میں بعض اوقات آپ باریک لباس میں ملبوس نظر آتے ہیں۔ راوی کہتا ہے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم اپنے باپ سے دریافت کرو کیونکہ وہ رات بھر حضرت علی کی خدمت میں رہتا ہے۔ چنانچہ میرے باپ نے موقعہ پا کر آپ سے پوچھ ہی لیا کہ آپ کا گرمیوں میں موٹی قبا پہننا اور سردیوں میں باریک لباس کا زیب تن کرنا باعث حیرت ہے۔ آپ اس کی حقیقت سے ہمیں مطلع فرمائیں تو فرمانے لگے کیا تم لوگ خیبر میں موجود نہیں تھے۔ راوی نے عرض کی کہ ہم موجود تھے تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں

معلوم نہیں کہ حضورؐ نے حضرت ابوبکر کو علم دے کر روانہ فرمایا تھا لیکن وہ شکست کھا کر واپس پلٹے پھر علم فوج حضرت عمر کے حوالہ کیا لیکن اُسے بھی شکست کھا کر پس پا ہونا پڑا۔ تب حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ الْیَوْمَ رَجُلاً یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ۔ یعنی آج میں علم اس مرد میدان کے حوالہ کروں گا جو اللہ و رسول کا محب اور محبوب ہوگا اور اس کے ہاتھوں اللہ فتح نصیب کرے گا۔ وہ کرار ہوگا فرار نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضورؐ نے وہ علم مجھے عنایت فرمایا اور دعا کی اللھم اکفہ الحر والبرد اے اللہ اس کو گرمی و سردی سے محفوظ رکھ۔ بس حضور کی دعا کا ہی اثر ہے کہ مجھ پر گرمی و سردی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ سب دلائل النبوۃ بیہقی سے منقول ہے۔ (مجمع البیان)

اور حبیب السیر صفحہ ۱۳۲ سے اس طرح منقول ہے کہ پہلے حضرت عمر علمبردار ہو کر گئے اور ناکام پلٹے تو دوسرے روز حضرت ابوبکر تشریف لے گئے جب وہ بھی ناکام واپس آئے تو تیسرے روز پھر حضرت عمر فوج کا علم لے کر میدان میں گئے لیکن عروسِ فتح و کامیابی سے ہمکنار نہ ہو کر شکست خوردہ واپس آئے۔ تب حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کل میں علم فوج اس شخص کے حوالہ کروں گا جو کرار و غیر فرار ہوگا اور فتح کے بغیر واپس نہ پلٹے گا اور وہ اللہ اور اس کے رسول کا محب و محبوب ہوگا۔

تاریخ کامل ج ۲ صفحہ ۸۳ سے منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سُرخ لباس زیب تن فرما کر عازمِ میدانِ حرب ہوئے جب قلعہ کے قریب پہنچے تو ایک یہودی نے قلعہ سے جھانک کر دریافت کیا کہ آپ کا نامِ نامی و اسمِ گرامی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں تو وہ یہودی کہنے لگا۔ اے قوم یہود اب تم مغلوب ہی ہو گئے۔

اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام علم لے کر سیدھے قلعۂ قموص کے نیچے پہنچے اور ایک پتھر کی چٹان میں علم کو نصب کر کے ٹہلنے لگے تو بالاخانہ سے ایک یہودی عالم نے جھانک کر آپ سے دریافت کیا کہ آپ کا نام و نسب کیا ہے؟ (غالباً یہ وہی شخص ہے جس کو ذاکرین نجومی سے تعبیر کرتے ہیں) آپ نے فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں تو وہ یہودی عالم اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا مجھے تورات کی قسم تم لوگ مغلوب ہو جاؤ گے کیونکہ یہ شخص فتح کے بغیر واپس ہرگز نہ جائے گا۔ اس خبر سے یہ بات عیاں ہے کہ وہ یہودی تورات سے حضرت علی کے اوصاف اور آپ کی شجاعت کے کارناموں سے واقف تھا (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۳۰۱)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم پر مرحب نامی بہادر کا قبضہ تھا اور انہی دو قلعوں پر گھمسان کی جنگ ہوئی باقی تمام قلعے ان سے پہلے ختم کئے جا چکے تھے (سوانح حضرت عمر حصہ دوم صفحہ ۵۵ مطبوعہ کھجوا بہار)

جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام میدان کو فتح کر کے واپس پلٹے تو حضرت رسالت پناہ استقبال کے لئے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور گلے لگا کر پیشانی نورانی پر بوسہ دیا۔ اور حضرت علی اس قدر خوش ہوئے کہ خوشی کے مارے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت رسالت مآب نے وجہ دریافت کی تو علی نے عرض کی حضور! یہ خوشی کے آنسو

ہیں۔ اور اس موقع پر میں کیوں خوش نہ ہوں جب کہ میرے کارنامہ سے آپ اس قدر خوشنود ہیں کہ بہرِ استقبال خیمہ سے باہر تشریف لاکر مجھے اپنی رضامندی کا تمغہ دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تنہا راضی نہیں بلکہ خدا اور جبریل و میکائیل اور تمام ملائکہ آپ کے اس کارنامہ پر خوشنود ہیں (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۳۰۷)

مناقب اخطب خوارزم سے منقول ہے کہ اس دن حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علی سے فرمایا کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تیرے بارے میں میری اُمت کے لوگ وہی عقیدہ رکھنے لگیں گے جو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق نصرانیوں نے رکھا تھا تو میں تیرے متعلق ایسی بات بیان کرتا کہ تو مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گذرتا وہ تیرے قدموں کے نیچے سے خاک اٹھا کر اسے باعث شفا جانتے البتہ اتنا کہتا ہوں کہ تیری مجھ سے وہ نسبت ہے جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ سے تھی الخ (منقول از ینابیع المودۃ ص۱۳۰)

اکثر روایات میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام خیبر میں موجود تھے اور آشوب چشم کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہوئے تھے اس لئے محاصرے نے طول کھینچا اور یہ تصریح کہیں نہیں مل سکی کہ حضور نے چالیس دن کا وعدہ فرمایا تھا اور چالیسویں دن ہی جنگ فتح ہوئی۔ بہرکیف اس جنگ میں فتح کا سہرا حضرت علیؑ کے سر پر تھا اور آپ کی ہی بدولت یہودیوں کا تکبر و غرور خاک میں مل گیا۔ اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے سامنے دب کر زندگی گذارنے پر مجبور ہوئے اور جزیہ کی پیش کش کرکے غلامی کی زندگی قبول کرلی۔ اور مقام عبرت و افسوس ہے کہ مسلمانوں نے حضرت علی کی سیرت و کردار کو ترک کردیا اور اسوۂ نبوت کو چھوڑ بیٹھے جس کی بدولت مسلمانوں کو یہ دن دیکھنے نصیب ہوئے کہ مٹھی بھر یہودی تمام ممالک اسلامیہ سے ٹکرانے کی جرأت کر رہے ہیں اور اسرائیلی سلطنت اسلامی ممالک کے جسم میں ایک مستقل ناسور کی حیثیت سے ظاہر ہوگئی۔ خداوند کریم مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ قوت ایمانی کے ساتھ پرچم حیدری ہاتھوں میں تھامے ہوئے میدان کارزار میں قدم بڑھا کر تمام غیر اسلامی طاقتوں سے برد آزما ہونے کی جرأت کا مظاہرہ کریں اور نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے اسلامی شوکت و سطوت کے ساتھ پورے عالم میں اپنی فتح و کامرانی سے اسلامی صداقت کا لوہا منوا سکیں۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یکے بعد دیگرے خیبر کے قلعے فتح کئے جاتے رہے اور مسلمان مالِ غنیمت کو اکٹھا کرتے رہے یہاں تک کہ قلعہ وطیح اور سلالم تک پہنچے اور یہ آخری قلعے تھے اور اسلامی فوج نے ان کا دس دن سے زیادہ تک محاصرہ جاری رکھا جب کنانہ بن ابی الحقیق نامی یہودی کے مضبوط ترین قلعہ قموص[۱] کو فتح کیا گیا تو صفیہ بنت حی بن اخطب کو ایک دوسری یہودیہ عورت کے ہمراہ گرفتار کرکے حضرت بلال خدمت نبویؐ میں لایا۔ جب ان دونو عورتوں کو یہودی مقتول جوانوں کی لاشوں کے پاس سے گذارا گیا تو دوسری یہودی عورت نے اپنا سر اور منہ پیٹ لیا اور سر میں خاک ڈال دی حضورؐ نے اس سے منہ پھیر لیا اور صفیہ پر اپنی چادر ڈال دی جس سے مسلمانوں کو علم ہوگیا کہ اس کو حرم نبویؐ میں داخل کیا گیا ہے ۔ پس آپ نے بلال سے فرمایا۔ اے بلال! کیا تمہارے دلوں میں اتنا رحم بھی نہیں کہ ان دو عورتوں کو ان کے مقتول مردوں کی لاشوں کے قریب سے گذار کر لائے ہو؟ اس کے بعد یہودی افواج نے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کردیا اور جنگ بندی کا طرفین سے خیر مقدم کیا گیا تو یہودی حکمران

[۱] قموص اس پہاڑی کا نام ہے جس کے دامن میں یہ قلعہ واقع تھا اور اسی مناسبت سے اس کو قلعہ قموص کہا جاتا تھا۔

ابن ابی الحقیق نے تاجدار اسلام حضرت رسالت مآبؐ سے نزاعات ختم کرنے کے لئے مصالحانہ گفتگو کا وقت مانگا چنانچہ آپ نے نہایت کشادہ روئی سے وقتِ ملاقات کا تعین کر دیا اور آخر کار مندرجہ ذیل شرائط پر صلح ہوجانے کے بعد افواجِ اسلامی کو واپس پلٹنے کا حکم دے دیا گیا۔ اس جنگ میں ۱۵ مسلمان شہید ہوئے اور ۹۳ یہودی مارے گئے۔

(۱) یہودیوں کی لڑاکا فوج جو قلعہ بند تھی ان کو عام معافی دے دی جائے۔

(۲) یہودیوں کی تمام املاک مال ومتاع اور جملہ نقدی مسلمانوں کی ملکیت متصور ہوگی۔ اور اگر کسی نے کوئی چیز چھپانے کی کوشش کی تو اُس سے عام معافی کی رعایت سلب کر لی جائے گی۔

(۳) یہودی لوگ مزارعین وآبادکاروں کی حیثیت سے وہاں رہیں گے اور جملہ آمدنیوں کی بٹائی نصف ونصف ہوگی۔

(۴) ان کی نوعیت جرم بتائے بغیر بھی مسلمان جس وقت چاہیں گے ان کو زمینوں اور مکانوں سے بے دخل کرنے کے مجاز ہوں گے۔

ان شرائط پر طرفین متفق ہوئے اور صلحنامہ پر طرفین کے دستخط ہوگئے۔ چنانچہ بہت کافی غنائم مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اور تمام منقول وغیر منقول مال کو فوری طور پر تقسیم کر دیا گیا۔ اور زمینوں پر یہودیوں کا قبضہ بحال رکھا گیا تاکہ مزارعین کی حیثیت سے کاشت کرتے رہیں۔ اور نصف حصہ مالکانہ اپنے مسلمان حصہ دار کو دیتے رہیں۔ جس کے حصہ میں وہ زمین بطور غنیمت آئی ہو۔ اور خیبر سے اس قدر غنیمتیں مسلمانوں کو ہاتھ آئیں کہ اس قدر اور کسی جنگ میں ہاتھ نہ آئی تھیں۔ بعض مسلمانوں نے تو اس جنگ سے پہلے کبھی پیٹ بھر کر کھانا بھی نہ کھایا تھا لیکن فتح خیبر کے بعد مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اور یہ سب ید اللّٰہی احسان تھا جس کے سب مسلمان ممنون تھے۔

ردِّ شمس اسی جنگ سے واپسی کے موقعہ پر جب حضورؐ منزل صہبا پر پہنچے تو نماز عصر پڑھ کر حضرت علیؑ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ ابھی تک حضرت علیؑ نے فریضۂ عصر ادا نہیں کیا تھا۔ حضورؐ پر وحی کی آمد شروع ہوگئی۔ پس آفتاب غروب ہوا۔ تو اختتامِ وحی پر آپؐ نے علیؑ سے نمازِ عصر کے متعلق دریافت فرمایا۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ نہیں پڑھ سکا تو حضورؐ نے دعا مانگی۔ اے پروردگار چونکہ علیؑ میری اور تیری اطاعت میں پابند تھا لہذا اس کے لئے سورج کو دوبارہ پلٹا دے تاکہ نماز پڑھ لے۔ چنانچہ فوراً سورج نے پلٹا کھایا اور حضرت علیؑ نے نمازِ عصر ادا فرمائی (مدارج النبوۃ ج ۲ صـ۳۱) اور یہ روایت علامہ دیار بکری کی تاریخ خمیس ج ۲ صـ۶۱ سے بھی منقول ہے۔

فدک خیبر سے متصل علاقہ فدک بھی یہودیوں کی آبادی کا علاقہ تھا اور چونکہ یہودیوں کی عسکری قوت کا مرکز اور فوجی ہیڈ کوارٹر خیبر ہی تھا۔ نیز یہودیوں کی آبادیوں میں تحتِ اقتدار بھی خیبریوں کے زیرِ نگیں تھا۔ اس لئے خیبر کی فتح سے پورے یہودی علاقوں پر اسلامی فتح کا جھنڈا لہرانے لگا۔ چنانچہ جب اہل فدک کو معلوم ہوا کہ خیبر میں یہودی افواج نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور متذکرہ بالا شرائط کے ماتحت صلح نامہ طے ہو چکا ہے تو انہوں نے حضورؐ سے خواہش کی کہ ہم اپنا پورا علاقہ

چھوڑ کر چلے جاتے ہیں پس ہمارے اموال و اراضی سب کچھ آپ لے لیں لیکن ہمیں کسی قسم کا جانی نقصان نہ پہنچایا جائے آپ نے ان کی درخواست قبول فرمالی۔ پس فدک اور خیبر کے اموال و غنائم میں یہ فرق واضح ہے کہ خیبر چونکہ فوج کشی کے ذریعے سے فتح ہوا لہٰذا اس کے غنائم میں تمام مجاہدین کا حصہ تھا پس وہ سب میں تقسیم کیا گیا۔

لیکن چونکہ فدک فوجی کاروائی کے بغیر ہاتھ آیا تھا لہٰذا وہ رسول اللہ کے لئے مخصوص تھا اور اس میں مجاہدین کا کوئی حصہ نہ تھا۔ سوانح حضرت عمر حصہ دوم ص۶۳ پر تفسیر در منثور کی جلد ۴ ص۷۷ سے منقول ہے کہ فدک کے صلحنامہ کے بعد جبریل کا نزول ہوا۔ اور آت ذَا الْقُرْبیٰ حَقَّهٗ الایۃ اتری۔ حضورؐ نے جبریل سے پوچھا ذوالقربیٰ کون ہیں تو جبریل نے کہا کہ فدک کو فاطمہؑ کے حوالے کر دو۔ چنانچہ حضورؐ نے جناب فاطمہ کو بلا کر ان کو فدک کا وثیقہ تحریر کر دیا۔

جب مسلمانوں اور یہودیوں کے باہمی تنازعات کا وفاقی حل طے ہو گیا اور فوجی کاروائیوں کا ہمیشہ کے لئے سدباب کر دیا گیا تو سلام بن مشکم کی عورت زینب بنت حارث جو مرحب کی بھتیجی تھی نے حضورؐ کو کھانے کے لئے مدعو کیا اور بکرے کی چوڑی کو جو کہ آنحضورؐ کی محبوب ترین غذا تھی زہر آلود کر دیا۔ جب حضورؐ کے سامنے کھانا رکھا گیا تو آپ نے اس زہر آلود ٹکڑے سے ایک ہی لقمہ کھایا اور باقی کو رکھ دیا۔ آپ کے ساتھ بشر بن البراء بن معرور نے بھی کچھ کھایا لیکن باقی لوگوں کو آپ نے روک دیا اور فرمایا کہ بکرے کا بھونا ہوا گوشت مجھے اپنے زہر آلود ہونے کی اطلاع دے رہا ہے۔ چنانچہ زینب بنت حارث کو فوراً طلب کر لیا گیا تو معمولی پوچھ گچھ کے بعد ہی اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ جب حضورؐ نے اس سے اس سنگین جرم کے ارتکاب کی وجہ دریافت کی تو اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ آپ کی قوم نے میری قوم سے جو سلوک کیا ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے۔ پس میں نے انتقامی کاروائی کے طور پر یہ عمل کیا ہے کہ اگر سچ مچ نبی ہو گا تو وہ خود اس سے مطلع ہو جائے گا لیکن اگر دنیاوی حکمران ہو گا تو ہم ہمیشہ کے لئے اس کی گرفت سے محفوظ ہو جائیں گے۔ پس آپ نے اس کو رہا کر دیا۔ چنانچہ بشر بن البراء تو اسی زہر کے اثر سے مر گیا اور حضورؐ پر اس کا فوری اثر کچھ نہ ہوا۔ لیکن جب آپ بیمار ہوئے اور بشر کی ماں آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ گوشت جو میں نے تیرے بیٹے کے ہمراہ تناول کیا تھا اس کا اثر میرے جسم میں باقی رہا اور یہ بیماری بھی اسی کے اثر کے نتیجہ میں ہے۔ اسی بنا پر اہل اسلام کے نزدیک حضورؐ کی موت شہادت کی موت تھی۔ (مجمع البیان)

وَاُخْرٰی ص۸۴۔ اس سے مراد یا تو دوسری غنیمتیں ہیں جیسے فدک وادی قریٰ اور قبیلہ ہوازن وغیرہ سے حاصل شدہ اموال یا اس سے مراد دوسری بستیاں ہیں جن کی پیشین گوئی اس آیت میں کی گئی ہے۔

قَدْ اَحَاطَ اللّٰہُ ص۸۴:۔ یا تو اس سے مراد علمی احاطہ ہے یعنی اللہ کے علم میں ہے کہ تم ان پر فتح پاؤ گے یا یہ کہ اس سے مراد ہے کہ خدا نے ان کو تمہارے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔ یعنی وہاں تم ہی حکومت کرو گے۔ کسی اور قوم کی وہاں دسترس نہ ہو سکے گی۔

وادیٔ قریٰ۔ خیبر کی فتح کے بعد فدک والوں نے اپنا تمام علاقہ حضورؐ کے حوالہ کر دیا اور جب واپس روانہ ہوئے تو مقام صہبا

وَاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

اور (وعدہ کیا) اور غنیمتوں کا جن پر تم کو قدرت نہیں ہوئی حالانکہ اللہ ان پر حاوی ہے اور اللہ ہر شے پر قدرت

سے گذر کر یہودیوں کی ایک آبادی وادی قریٰ میں پہنچے۔ ان لوگوں نے افواج اسلامیہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن آخر تاب نہ لا کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئے اور یہ واقعہ جمادی الاخری ۷ھ ہجری کا ہے۔ کافی مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور جزیہ کی شرط

فتح مکہ

اگلے سال ۸ھ ہجری ماہ رمضان میں حضور بنفسِ نفیس مسلمانوں کی دس ہزار فوج کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے کیونکہ قریش نے صلح حدیبیہ کی شرائط کو پس پشت ڈالتے ہوئے عہدنامہ کو توڑ ڈالا تھا اور بنو خزاعہ پر ظلم کیا تھا۔ بہر کیف آپ یکم رمضان کو روانہ ہوئے اور بلا روک ٹوک مکہ میں داخل ہوئے۔ افواج اسلام کا سپہ سالار حضرت علی علیہ السلام کو مقرر کیا گیا تھا۔ حضورؐ نے مکہ میں داخلہ کے بعد عام معافی کا اعلان کر دیا۔ طواف بیت اللہ کے بعد کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور بتوں کو توڑ ڈالا۔ اور جو اونچے رکھے ہوئے تھے ان کے لئے پہلے حضرت علیؑ نے کندھا جھکایا کہ آپ سوار ہو کر خود گرائیں لیکن جب حضرت علی کی کمزوری محسوس کی تو آپ نے بنفسِ نفیس اپنا کندھا جھکا کر علیؑ کو اوپر سوار ہونے کی پیش کش کی اور بت شکنی کا حکم دیا۔ چنانچہ تعمیل حکمِ نبوی میں حضرت علیؑ نے دوشِ نبوت پر سوار ہو کر تمام بتوں کو توڑ کر گرا دیا۔ اس وقت حضرت پیغمبرؐ نے پوچھا کہ یا علیؑ تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ تو علی نے عرض کی یوں سمجھتا ہوں کہ میرے سامنے سے حجاب اٹھ گئے ہیں۔ اور میرا سر ساقِ عرش تک پہنچ چکا ہے۔ آپ نے فرمایا اے علی تم خوش نصیب ہو کہ اللہ کا کام کر رہے ہو۔ اور میں خوش نصیب ہوں کہ حق کا بوجھ اٹھا رہا ہوں۔ بت شکنی کے بعد حضرت علیؑ دوشِ پیغمبرؐ سے اترتے تو مسکرانے لگے۔ آپ نے وجہ دریافت کی تو علی نے عرض کی حضور! ازراہِ تعجب مسکرا رہا ہوں کہ اس قدر بلندی سے چھلانگ لگانے کے باوجود مجھے کوئی چوٹ نہیں لگی تو آپ نے فرمایا جس کو محمدؐ اٹھانے والا ہو اور جبریل اتارنے والا ہو اس کو چوٹ کیوں لگے؟

تاریخ خمیس دیار بکری ج ۲ ص ۹۶ سے چند اشعار منقول ہیں جس میں شاعر نے اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے (غالباً یہ اشعار حسان بن ثابت کے ہیں)

قِيْلَ لِيْ قُلْ لِعَلِيٍّ مَدْحًا   ذِكْرُهُ يُخْمِدُ نَارًا مُوْصَدَهْ

مجھے کہا گیا علی کی تعریف کرو۔ جس کا ذکر جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھا دیتا ہے

قُلْتُ لَا اَقْدِمُ فِيْ مَدْحِ امْرِءٍ   ضَلَّ ذُو اللُّبِّ اِلٰى اَنْ عَبَدَهْ

(ازراہِ معذرت) میں نے کہا ایسے شخص کی تعریف میں نہیں کر سکتا جس کو صاحبانِ دانش نے بھٹک کر معبود ٹھہرا لیا

وَالنَّبِيُّ الْمُصْطَفٰى قَالَ لَنَا   لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ لَمَّا صَعِدَهْ

اور ہمیں نبی مصطفٰےؐ نے خبر دی جب وہ شب معراج مقام بلندی پر پہنچے،

شَیۡءٍ قَدِیۡرًا ﴿۲۲﴾ وَلَوۡ قٰتَلَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوَلَّوُا الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ

رکھنے والا ہے اور اگر لڑائی کرتے تم سے وہ جو کافر ہیں تو پشت دکھا کر بھاگ جاتے پھر

لَا یَجِدُوۡنَ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیۡرًا ﴿۲۳﴾ سُنَّۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ

نہ پاتے اپنا کوئی دوست و مددگار اللہ کا طریقہ جو پہلے سے رائج ہے

وَضَعَ اللّٰہُ بِظَھۡرِیۡ یَدَہٗ فَاَحَسَّ الۡقَلۡبُ اَنۡ قَدۡ بَرَدَہٗ

تو خدا نے میری پشت پر اپنا ہاتھ رکھا کہ دل نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی

وَعَلِیٌّ وَاضِعٌ اَقۡدَامَہٗ فِیۡ مَحَلٍّ وَضَعَ اللّٰہُ یَدَہٗ

اور علی نے اپنے قدم اس جگہ رکھے جہاں اللہ نے اپنا ہاتھ رکھا تھا

سوانح عمری حضرت عمر حصہ دوم مطبوعہ کھجوا بہار ص۶۶ اور یہ اشعار المجالس المرضیہ (علامہ محمد باقر مرحوم) میں بھی موجود ہیں (اقول) شب معراج دوش پیغمبر پر اللہ کے ہاتھ رکھنے مقصد غالباً مہر نبوت ہی ہے کہ اس کی تحریر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تھی کیونکہ خداوند کریم جسم و جسمانیات سے پاک و مبرا ہے۔ بہرکیف حضرت علی علیہ السّلام کا دوش پیغمبرؐ پر قدم رکھنا وہ شرف ہے جس میں ان کا کوئی بھی ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ اور مروی ہے کہ جب حضرت علیؑ کو مسند خلافت پیش کی گئی اور آپ منبر رسولؐ پر وہاں بیٹھے جہاں حضرت پیغمبرؐ تشریف رکھا کرتے تھے تو آپ سے پہلے خلفا چونکہ منبر کی سیڑھیوں پر بیٹھا کرتے تھے اور علیؑ اوپر چلے گئے تو لوگوں نے عبرت سے دیکھا۔ پس حضرت علیؑ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا۔ اِنِّیۡ وَضَعۡتُ قَدَمَیَّ ھَاتَیۡنِ عَلٰی مَنۡکِبَیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ فَمَا ھٰذِہِ الدَّعۡوَادُ؟ یعنی میں نے تو یہ قدم دوش پیغمبرؐ پر رکھے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں یہ لکڑیوں کا منبر کیا چیز ہے جس پر تم تعجب کر رہے ہو۔ (مجالس مرضیہ)

سُنَّۃَ اللّٰہِ۔ مفعول مطلق ہے دراصل سَنَّ اللّٰہُ سُنَّۃً تھا۔ یعنی اللہ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے انبیاء کی مدد کرتا ہے اور کافروں کو ذلیل کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر اگر کفار قریش تم سے لڑ پڑتے تو وہ یقیناً ذلیل و رسوا ہوتے یا یہ کہ خیبر کی طرف پیش قدمی کے زمانہ میں قبیلہ اسد و غطفان نے جو مدینہ پر چڑھائی کی تجویز بنائی تھی۔ اگر وہ حملہ آور ہو جاتے تو یقیناً بری طرح مار کھاتے اور ان کا کوئی مددگار و دوست نہ ہوتا جو ان کو رسوائی سے بچا سکتا اور یہ اللہ کی ہمیشہ سے سنّت جاریہ ہے جس کو کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی۔ فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کی بیعت کا ذکر اسی جلد کے آخر میں مذکور ہوگا۔

فتح حنین

فتح مکہ کے بعد اسی سال ۸ھ ہجری ماہ شوال میں معرکہ حنین پیش آیا کہ قبیلہ ہوازن ثقیف اہل طائف اور بنو سعد نے اجتماعی طاقت کے ذریعے شوکت اسلامی کو مٹانا چاہا تو آنحضورؐ بنفس نفیس فتح مکہ کے فوراً بعد مکہ ہی سے ۱۲ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ چنانچہ وادی حنین میں پہنچے تو لشکر کفار پہلے سے

قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ

اور ہرگز اللہ کے طریقے میں تبدیلی نہ پاؤ گے　اور وہ ہے جس نے تمہاری اذیت سے ان کے ہاتھوں کو

اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

روکا اور تمہارے ہاتھوں کو مکہ کے اندر ان (کے قتل) سے روکا بعد اس کے کہ تمہیں ان پر غلبہ دیدیا　اور اللہ اس سے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ

جو تم کرتے ہو واقف ہے　وہ وہی ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد الحرام سے روکا

الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ

اور قربانیوں کو اپنے مقام ذبح تک پہنچ کر ذبح ہونے سے روکا　اور اگر نہ ہوتے

اپنے مورچے سنبھال چکا تھا۔ اور انہوں نے اچانک مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملہ سے پہلی بار تو مسلمانوں کے حواس ٹھکانے نہ رہے اور ان کے قدم اکھڑ گئے۔ حتیٰ کہ حضرت علی عقیل عباس۔ حارث۔ ابن زبیر اور خود زبیر اور اسامہ بن زید کے علاوہ دیگر اکابر صحابہ سب دوڑ گئے۔ حضورؐ پیچھے سے پکارتے رہے او بیعت رضوان والو ٹھہر جاؤ۔ لیکن کون سنتا تھا؟ اور سیرت حلبیہ ج۳ ص۱۰۹ سے منقول ہے کہ صرف چار آدمی بچ گئے تھے۔ علی۔ عباس۔ حارث اور ابن مسعود۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس مقام پر خوب جوہر شجاعت دکھائے حتیٰ کہ کفار کی حملہ آور فوج کے حوصلے پست ہو گئے ستر آدمی فوج کفار کے بہادروں میں سے واصل جہنم ہوئے اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کی دوڑ جانے والی فوج کی جان میں جان آئی اور وہ بھی واپس پلٹ کر آ گئی۔ جنگ حنین کی فتح کے بعد مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا جو واپسی پر تقسیم کیا گیا اور اس تقسیم سے ان لوگوں کو بھی حصہ دیا گیا جو فتح مکہ کے وقت عام معافی میں شامل تھے۔ بہرکیف یہ سب وہ ہیں جن کا اللہ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا۔ زمانِ پیغمبر میں ہی پورا ہوا۔* جنگ حنین کی تفصیل تفسیر کی جلد، ص۳۲ پر ملاحظہ ہو۔

هُوَ الَّذِيْ كَفَّ ۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے سال مشرکوں نے چالیس آدمی یا بروایتے اسّی آدمی مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے کے لئے بھیجے تھے۔ لیکن وہ اپنے ارادے میں ناکام ہوئے اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کر کے خدمت نبوی میں حاضر کیا۔ اور حضورؐ نے کمال مہربانی سے ان کو معاف کر کے رہا کر دیا۔ پس مسلمان ان کی ایذا رسانی سے بال بال بچ گئے اور طرفین کا جنگ سے بچ جانا اور صلح کا ہو جانا اہل اسلام پر خدا کا ایک عظیم احسان تھا۔

مَعْكُوْفًا ۔ حال واقع ہوا ہے اس کا معنی ہے رکی ہوئی چیز جو کسی اور کام نہ آسکے۔ اور حکم شرعی یہ ہے کہ عمرہ کی قربانی کا مقام ذبح مکہ ہوتا ہے اور حج کی قربانی کا مقامِ ذبح منیٰ ہوتا ہے۔ چونکہ حضورؐ عمرہ کے اعمال کے لئے تشریف لا رہے تھے۔ لہذا

مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم
مومن مرد اور مومن عورتیں (مکہ میں) جنہیں تم نہیں پہچانتے ممکن تھا کہ تم ان کو کچل ڈالو پس لاعلمی میں تمہیں

مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا
ان کی وجہ سے رنج پہنچتا (تم کو اہل مکہ کے قتل سے اللہ نے روکا) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کرے اگر (مومن و کافر)

لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٢٦﴾ إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا
متمیز ہو سکتے تو ہم ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب میں گرفتار کرتے جب کہ کافر لوگوں نے اپنے دلوں میں

فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ
زمانۂ جاہلیت کی سی خودداری کو جگہ دی پس اللہ نے سکون و اطمینان کو اپنے رسول اور

ان کا احرام عمرے کا تھا اور قربانیاں بھی عمرہ کے لئے تھیں۔ اور جب کفار مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر آپ کو آگے جانے سے روک دیا تو قربانیوں کو وہیں حدیبیہ میں ذبح کرنا پڑا۔ اور مکہ میں لے جا کر ان کو ذبح نہ کیا جا سکا۔

صلح حدیبیہ کی علت

وَلَوْلَا رِجَالٌ ۔ مکہ میں بعض مرد اور عورتیں موجود تھے۔ جن کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن تھی لیکن اہل مکہ کے ڈر سے سہمے ہوئے تھے اور اپنا مسلمان ہونا ظاہر نہ کر سکتے تھے اس آیت مجیدہ میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے باز رکھنے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ اور لَوْلَا کا جواب محذوف ہے یعنی اگر مکہ کے اندر ایسے مرد و عورتیں جو مومن ہیں اور تم ان سے بے خبر ہو، نہ ہوتے تو تم کو ان کے ساتھ لڑنے کا حکم دے دیا جاتا۔ پس اس لئے تمہیں ان کے قتل سے روک دیا گیا ہے کہ لاعلمی کی صورت میں ان کے قتل کرنے سے تمہارے دامن پر بے گناہ مومن کے قتل کا داغ لگ جاتا۔ اور کفار کو کہنے کا موقعہ مل جاتا کہ انہوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کر دیا ہے۔ اور مَعَرَّةٌ کا معنی عیب یا امر مکروہ کیا گیا ہے۔

لِيُدْخِلَ ۔ یعنی تم کو قتل اہل مکہ سے روک دیا تاکہ غیر معروف مومنوں کے قتل سے بچ جاؤ۔ پس دونو پر اللہ کی رحمت ہوگی کہ یہ قتل کرنے سے اور وہ قتل ہونے سے بچ گئے۔

لَوْ تَزَيَّلُوا ۔ تزیل کا معنی متمیز ہونا۔ یعنی اگر مومنوں اور کافروں کے درمیان اشتباہ نہ ہوتا تو کفار کے قتل عام کا حکم دے دیا جاتا۔

حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ ۔ حمیت کا معنی خودداری یا احساس برتری ہے۔ اور اس جگہ کفار مکہ کی جاہلانہ حمیت کی مذمت کی گئی ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ اپنی بڑائی اور خودبینی کی بنا پر دوسروں کی حق بات اور صحیح مقال کو بھی ماننے کے لئے تیار نہ

رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ

مومنوں پر نازل کیا اور ان کو کلمۂ تقویٰ (توحید) کا سہارا دیا اور وہ اس کے اہل اور حقدار

بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۲۶ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ

بھی تھے اور اللہ ہر شی کو جاننے والا ہے تحقیق سچا دکھایا اللہ نے اپنے رسول

رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ

کو خواب حق کے ساتھ کہ ضرور داخل ہوگے تم مسجد الحرام میں اگر اللہ نے چاہا

ہوتے تھے۔ کیونکہ اس میں وہ اپنی توہین خیال کرتے تھے۔ حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ نے بعینہٖ اسی قسم کی خود داری، اور عزت نفس کا اظہار کیا تھا کہ چونکہ محمد ہمارے بزرگوں اور سرداروں کا قاتل ہے اگر وہ بلا مزاحمت مکہ میں چلا آئے۔ تو عرب قبائل میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔ لوگ کہیں گے قریشی اس قدر کمزور ہوگئے ہیں کہ آج محمد ان کے گھروں میں ان کے سامنے کعبہ کا طواف کر رہا ہے اور وہ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ اور اسی جاہلانہ خودداری نے ان کو ایمان کے قبول کرنے سے روکے رکھا۔ اور اسی بنا پر انہوں نے صلحنامہ کی تحریر کو بسم اللہ سے شروع نہ کرنے دیا۔ اس آیت مجیدہ میں واضح کیا گیا ہے کہ کفار مکہ اپنی اس جاہلانہ حمیت کی بنا پر عذاب کے مستحق تھے لیکن نادانستہ طور پر بعض مومنوں کے کچلے جانے کا ڈر تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو کفار قریش کے قتل عام سے روک دیا گیا۔ اور صلح کرلی گئی۔ اور یہ صلح جنگ سے بدرجہا بہتر اور فائدہ مند تھی۔ کیونکہ جو مومن چھپے ہوئے تھے۔ ان کو اعلانیہ طور پر مسلمان کہلانے کا موقع مل گیا۔ اور کافروں کو مسلمانوں سے میل جول کرنے۔ اور اسلام کے حقائق کو سمجھنے کا موقعہ دستیاب ہوگیا۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ۔ یعنی قریش مکہ کی مزاحمت اور صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کے جذبات تو ابھرے تھے لیکن اللہ نے اپنی جانب سے رسول اللہ اور مومنوں کے دلوں میں سکون نفس اور اطمینان قلب کو نازل فرمایا اور کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ کا ان کو سہارا دیا جس کے وہ اہل تھے۔ حق اور احق میں اس طرح فرق ہے جس طرح مستحب اور واجب دونوں حق ہیں۔ لیکن ان میں سے واجب احق ہے۔ اور بِھَا میں ھا ضمیر مجرور کا مرجع کلمۃ التقویٰ یا دخول مکہ یا نزول سکینہ قرار دیا جا سکتا ہے

رکوع ۱۲

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ۔ مروی ہے کہ عمرہ کی طرف روانگی سے پہلے جناب رسالت مآبؐ نے خواب میں مسلمانوں کو مسجد الحرام میں داخل ہوتا دیکھا تھا۔ جب آپ نے صحابہ کو اطلاع دی تو وہ نہایت خوش ہوئے اور ان کو یقین تھا کہ اسی سال ہی ہم مسجد الحرام میں داخل ہوں گے۔ لیکن جب ان کو اپنی توقع کے خلاف صلح کرکے واپس پلٹنا پڑا تو منافقوں نے خوب بغلیں بجائیں۔ پس مومنوں کو اور زیادہ رنج پہنچا تو خداوند کریم نے یہ آیت بھیجی کہ رسول اللہ کا قول سچا تھا اور اللہ نے ان کو سچا خواب دکھایا تھا جو ضرور پورا ہوگا۔ اور جب بھی اللہ چاہے گا۔ تم

اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا

پرامن سر منڈوانے والے اپنے سروں کو اور تقصیر کرانے والے کر نہ خوف کرو گے پس اس کو علم ہے جو تمہیں نہیں

فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِکَ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

پس کر دی اس نے داخلہ مکہ سے پہلے قریبی فتح (فتح خیبر) وہ وہ ہے جس نے اپنا رسول ہدایت کے

بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَکَفٰی بِاللّٰهِ

ساتھ بھیجا اور دین حق کے ساتھ تاکہ اس کو غالب کرے تمام دینوں پر اور اللہ کافی ہے

شَهِیْدًا ﴿۲۹﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَی

گواہ محمد اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت

لوگ مکہ میں پرامن داخل ہوگے۔ تم میں سے بعض سر منڈوانے والے اور بعض تقصیر کرانے والے ہوں گے۔ اور کسی مشرک کی مزاحمت کا تم کو خطرہ نہ ہوگا۔

اور چونکہ اس آیت کے نزول اور داخلہ مکہ میں ایک سال کا فاصلہ تھا۔ لہٰذا ان شاء اللہ کا استثناء کر دیا تاکہ جو لوگ ان میں سے سال کے دوران میں مر جائیں ان کے حق میں آیت کا مضمون غلط ثابت نہ ہو۔

مُحَلِّقِیْنَ۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام سے خارج ہونے کے لئے حلق اور تقصیر میں اختیار ہے۔ حلق کا معنی ہے سر منڈوانا۔ تقصیر کا معنی ہے سر یا ڈاڑھی یا مونچھوں میں سے کچھ بالوں کا کتروا دینا۔ اور مروی ہے کہ جو شخص پہلی دفعہ حج کو جائے اس کے لئے حلق یعنی سر کا منڈوانا افضل ہے۔ البتہ عورت پر تقصیر واجب ہے اس کے لئے حلق نہیں ہے۔

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا۔ پیغمبر کے خواب کو سن لینے کے بعد مسلمانوں کا خیال تھا کہ اسی سال یعنی سنہ ۶ھ میں ہی ہم مکہ میں بلا مزاحمت داخل ہوں گے۔ لیکن اللہ کو اس چیز کا علم تھا جس کا ان کو علم نہ تھا۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک صلح حدیبیہ میں مصلحت تھی اور اس صلح کے ذریعے سے کفار قریش کو اسلامی تعلیمات کے قریب لانا زیادہ آسان ہوگیا۔ اور کافی لوگ ان میں سے صحیح معنوں میں اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ اور دوسری طرف وہ مومن مرد و عورتیں جو کفار کے ڈر سے سہمے ہوئے تھے اور اظہار اسلام نہ کر سکتے تھے وہ قتل ہونے سے بچ گئے۔ اور صلح حدیبیہ کے بعد ان کو اعلانیہ اسلامی زندگی کی سعادت نصیب ہوگئی۔ اور صلح حدیبیہ کے بجائے جنگ لڑی جاتی تو یہ فائدہ حاصل نہ ہو سکتا۔

عمرہ قضا

مِنْ دُوْنِ ذٰلِکَ۔ یعنی اللہ نے داخلہ مکہ سے پہلے ایک اور فتح مسلمانوں کو عطا فرما دی۔ اور وہ تھی فتح خیبر۔ یعنی صلح حدیبیہ کے بعد واپس مدینہ میں گئے اور وہاں بیس روزہ قیام کے بعد خیبر کی طرف سنہ ۷ھ میں چلے گئے پھر خیبر

الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا

اور آپس میں رحیم ہیں ان کو دیکھے گا رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے کہ چاہتے ہیں فضل اللہ کا

مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ

اور اس کی رضامندی اُن کی علامت اُن کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں۔ یہ جو بیان کی گئی ہے

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ

اُن کی صفت تورات میں ہے اور یہی صفت ان کی انجیل میں ہے (وہ) اس انگوری کی مثل ہیں جو

شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

اپنی کونپل نکالے پس اس کو مضبوط کرے پس وہ سخت ہو جائے پس اپنی ساق پر کھڑی ہو جائے کہ کاشت کرنیوالے کو خوش کرے

والیس قری اور فدک کی فتوحات کے بعد واپس پلٹے تو اسی سال ۷ھ ماہ ذوالقعدہ میں عمرہ قضا کے لئے مکہ روانہ ہو گئے اور بلا روک ٹوک مسجد الحرام میں داخل ہوئے

پس مسلمان تین دن مکہ مکرمہ میں رہے اور بعد میں واپس مدینہ کی طرف چلے گئے۔ حضرت رسالتمآبؐ نے جناب جعفر طیارؓ کی وساطت سے میمونہ بنت حارث عامریہ کی طرف شادی کا پیغام بھجوایا۔ تو اس نے اپنے نکاح کا اختیار اپنے بہنوئی حضرت عباس بن عبدالمطلب کو دیا۔ حضرت عباس کی زوجہ ام الفضل بنت حارث تھی۔ پس حضرت عباس نے میمونہ کا نکاح حضرت رسالتمآبؐ سے کر دیا۔ طواف کعبہ کے موقعہ پر حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ اپنے کندھوں سے چادریں سرکا لیں۔ اور ایسی شان سے طواف کریں کہ کفارِ قریش پر ان کا رعب طاری ہو۔ پس جب یہ لوگ طواف میں مشغول ہوئے۔ تو مکہ کے زن و مرد اور بچے بوڑھے جوان سب ان کے طواف کی کیفیت کو دیکھنے کے لئے اردگرد جمع ہو گئے تھے۔ اور عبداللہ بن رواحہ نے دورانِ طواف میں ایسے رجزیہ اشعار پڑھے جن میں شوکتِ اسلامی اور سطوتِ ایمانی کا برملا اظہار تھا۔

كَزَرْعٍ۔ اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی هُمْ كَزَرْعٍ۔ پس حضورؐ کی مثل اس انگوری کی سی ہے اور صحابہ کی مثل کونپل کی سی ہے کہ ابتدا میں نہایت کمزور ہوتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ طاقت و توانائی میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جاتی ہے۔ اور آخر کار وہ وقت آجاتا ہے کہ کاشت کرنے والا اس سے خوش ہوتا ہے اور وہ اپنے پورے شباب پر پہنچتی ہے۔ پس اسی طرح خدا نے مسلمانوں کو شوکت عطا فرمائی تاکہ کفار از راہِ غیظ و غضب دیکھتے اور جلتے رہیں اور نتیجہ میں حق کا بول بالا ہوتا ہے اور باطل کا منہ کالا۔

ان آیات میں صلح حدیبیہ کے اسباب حقیقیہ پر خوب روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور آخر میں حضرت رسالتمآبؐ کی

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

(یہ اس لئے) تاکہ کفار کو غیظ میں لائیں (پس وہ جلتے رہیں) وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لا کر نیک اعمال بجا لائیں

مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٠﴾ ع

بخشش کا اور اجرِ عظیم کا

پوزیشن کو واضح کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں یعنی ان کا کفار کے ساتھ معاملہ صلح اپنی خواہشات کا ترجمان نہیں تھا بلکہ بحیثیت رسول اللہ ہونے کے انہوں نے صلح کا فیصلہ کیا تھا اور مسلمان چونکہ اس صلح کے انجام خیر سے واقف نہ تھے۔ اس لئے وقتی طور پر ان کے جذبات کو ٹھیس لگی۔ لیکن بعد میں سنبھل گئے لہذا ان کی بھی آخر میں تعریف کی گئی کہ وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں الخ اور ان سب صفات کا جامع حضرت علی علیہ السلام ہے۔

حضرت علیؑ کی صلح

تفسیر صافی میں آیات متذکرہ کے ذیل میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا حضرت امیر المومنین علیہ السلام جسمانی طور پر طاقتور نہ تھے۔ اور اللہ کے دین کے معاملے میں مضبوط نہ تھے؟ تو آپ نے فرمایا وہ طاقتور اور مضبوط تھے تو سائل نے عرض کی پھر کیوں خاموش بیٹھے رہے اور دفاع نہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت علی کو قرآن مجید کی ایک آیت نے روک رکھا تھا تو اس شخص نے عرض کی کہ وہ کونسی آیت ہے؟ تو آپ نے سورہ فتح کی آیت ۲۶ پڑھی کہ جس طرح مکہ میں ایسے مرد و عورتیں اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے جن کو مسلمان نہیں جانتے تھے۔ اگر صلح حدیبیہ نہ ہوتی اور جنگ چھڑ جاتی تو وہ خفیہ ایمان رکھنے والے کافروں کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوتے جس کا مسلمانوں کو بعد میں رنج پہنچتا اور ان کے دامن ایمان پر بے گناہ مسلمانوں کے قتل کا دھبہ لگ جاتا جس کا ان کو کفارہ یا دیت ادا کرنی پڑتی۔ پس صلح حدیبیہ ان دونوں کے لئے رحمت ثابت ہوئی۔ اسی طرح حضرت علی علیہ السلام اگر تلوار اٹھاتے تو منافقوں اور کافروں کی صلبوں سے قیامت تک پیدا ہونے والے مومن ضائع ہو جاتے۔ لہذا جب تک اللہ کی وہ امانتیں جو منافقوں کے اصلاب میں مخفی تھیں ظاہر نہ ہو جاتیں تلوار نہیں چلا سکتے تھے پس جب وہ ظاہر ہو گئیں تو جن کو قتل کرنا تھا علی نے قتل کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کا بھی ظہور و خروج اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کافر و منافق اصلاب سے اللہ کی امانتیں خارج نہ ہو جائیں۔ اقول۔ اور جس طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگی تھی اور کلمۃ التقوی لا الٰہ الا اللہ سے ان کو سکون نفس عطا ہوا۔ اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کی خاموشی سے محبان علی کے جذبات کو جو ٹھیس لگتی ہے ان کو کلمۃ التقوی (ولائے محمد و آل محمد) سے سکون نفس و اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے چنانچہ تفسیر صافی میں متعدد روایات اس مضمون کی وارد ہیں کہ کلمۃ التقوی حضرت علی اور اس کی اولاد طاہرین ہے اور حضرت رسالت مآب سے مروی ہے کہ علی وہ کلمۃ التقوی جو متقیوں کا سہارا قرار دیا گیا ہے۔

سورۃ الحجرات

یہ سورہ مدینہ ہے۔
اس کی آیات بسم اللہ سمیت انیس ہیں۔
ابی بن کعب سے مروی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جو شخص سورہ الحجرات کی تلاوت کرے گا تمام اطاعت گذاروں اور نافرمانوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج کی جائیں گی۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جو شخص سورہ الحجرات کی تلاوت کرے گا بروز محشر حضرت رسالت مآبؐ کے زائرین میں محشور ہوگا۔ (مجمع البیان)
خواص القرآن سے منقول ہے جو شخص اس سورہ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے اور اس کے بعد کسی لڑائی یا جھگڑے میں شامل ہو تو اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور ہر نیکی کا دروازہ اس پر کھل جائے گا۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر مصروع پر لٹکائے تو اس کا شیطان اس سے دور ہو جائے گا اور پھر پلٹ کر نہ آئے گا اور وہ ہر خوف سے محفوظ رہے گا۔
جو عورت اس کو دھو کر پانی پی لے تو اس کا دودھ زیادہ ہوگا بچہ محفوظ ہوگا اور وہ خود بھی ہر خوف و خطرہ سے محفوظ رہے گی۔ باذن اللہ (برہان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

رکوع نمبر ۱۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت زرارہ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا نہ تلواریں سونتی گئیں ۔ نہ نماز و جنگ میں صف آرائی کی گئی ۔ نہ باآواز بلند اذان کہی گئی اور نہ یا ایھا الذین آمنوا کی کوئی آیت اُتری جب تک قبیلہ اوس و خزرج کے لوگ اسلام کے دامن سے وابستہ نہ ہوئے ۔

لَا تُقَدِّمُوْا ۔ باب تفعیل سے ہے لیکن باب تفعل کے معنی میں ہے اور فعل لازم ہے یعنی لَا تَتَقَدَّمُوْا (آگے نہ بڑھو) اس جگہ اس کے معانی میں چند اقوال ہیں ① اللہ اور اس کے رسول کی اطلاع کے بغیر کسی بھی معاملہ میں حتمی فیصلہ نہ کر لیا کرو ② اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے پہلے کسی معاملہ میں جلد بازی سے امر یا نہی کا فیصلہ نہ کیا کرو ۔ ③ اللہ و رسول کے مقرر کردہ اوقات سے پہلے عبادت بجالانے میں جلد بازی سے کام نہ لیا کرو ۔ ④ کہنے کرنے اور چلنے میں رسول اللہ سے سبقت نہ کیا کرو بلکہ رفتار و گفتار و کردار میں رسول اللہ کے نقش قدم پر چلنا تمہارا فرض ہے ⑤ ابن عباس سے مروی ہے کہ مجلس پیغمبرؐ میں بیٹھنے والوں کو حضورؐ سے پہلے لب کشائی سے روکا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی آنحضورؐ سے کوئی مسئلہ پوچھنے کی غرض سے حاضر ہو تو تم خاموش رہا کرو ۔ اور حضورؐ کی بات سے سبقت نہ کیا کرو ۔ ⑥ تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے بعض بدتمیز آدمی جب رسول اللہ کو دروازے پر کھڑے ہو کر باآواز بلند بلاتے اور حضورؐ باہر تشریف لاتے تو وہ آپ کے آگے آگے روانہ ہو جایا کرتے تھے ۔ اس آیت مجیدہ میں ان کو غلط اقدام سے روکا گیا ہے ۔

اس آیت مجیدہ میں ہر چھوٹے کو بڑے کا ادب کرنا سکھایا گیا ہے ۔ اولاد کو چاہیئے کہ اپنے والدین کے سامنے انہی آداب کی پاسداری کریں کہ ان سے کسی بھی معاملہ میں سبقت کرنے کی عادت کو ترک کر دیں ۔ اسی طرح شاگرد کو چاہیئے کہ معانی متذکرہ بالا کی روشنی میں اپنے استاد کے ادب کا پاس کرے ۔ پس کسی بات میں اُستاد سے سبقت نہ کرے اور اس کا کردار و رفتار اپنے مربی استاد کی اتباع میں ہونا چاہیئے ۔ اور متعلم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ عالم سے استفادہ کرتے ہوئے آداب قرآنیہ کو اپنائے چنانچہ کسی بات میں عالم سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے اور اگر کوئی شخص عالم سے مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آئے تو متعلم کا عالم سے پہلے جواب دینے کی کوشش کرنا اس کی گستاخی اور سوء ادب ہے ۔ پس وہ خاموش سنتا ہے اور استفادہ کرتا ہے ۔ ممکن ہے کوئی ایسی بات عالم کہہ دے جس سے اس کے علم میں اضافہ ہو ۔ البتہ اگر عالم حکم دے تو پھر متعلم اس مسئلہ کا جواب سائل کو سمجھا سکتا ہے ۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا

اور اللہ سے ڈرو تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے اے ایمان والو نہ بلند کرو

اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِىِّ وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ

اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر اور نہ بلند آواز سے اس کو پکارو جس طرح ایک دوسرے کو

لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ

پکارتے ہو مبادا تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور ہی نہ ہو تحقیق جو لوگ

لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ: حضور کی آواز پر آواز کو بلند کرنے میں یا تو ان کی توہین لازم آئے گی جو کفر ہے اور یا گستاخی اور بے ادبی لازم آئے گی اور دونوں صورتیں نادرست ہیں لہٰذا ان کی آواز پر آواز کو بلند کرنا ممنوع ہے۔ اسی جگہ سے باقی صحابہ اور علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مراتب میں کھلا ہوا فرق معلوم ہوتا ہے کہ باقی صحابہ اگر پیغمبر کی آواز سے آواز کو بلند کریں تو گستاخ اور بے ادب سمجھے جائیں۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام بحکم پیغمبر اگر مہر نبوت پر اپنے قدموں کو بلند کریں تو گستاخی درکنار اسلام کی عظیم خدمت قرار دی جائے۔

وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ۔ اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ بارگاہِ نبوی میں موجود ہونے کی صورت میں اگر حضور سے بات کرنی ہو تو نہایت ادب کے ساتھ بات کرو۔ اور لہجہ میں نرمی اور متانت کا خیال رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ آپس کے باہمی مکالمات کی طرح حضور سے بھی تند و تلخ لہجہ میں شوخی اور تیزی کے ساتھ بات کرو۔ جس سے سوءِ ادب لازم آئے۔ اور دوسرے یہ کہ جس طرح ایکدوسرے کو نام لے کر بلاتے ہو حضور کو نام لے کر نہ بلایا کرو بلکہ یا رسول اللہ کہہ کر ادب سے حضور کو اپنی طرف متوجہ کیا کرو۔ اور حضرت رسالتمآب کی عادات شریفہ میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب کوئی ناواقف عرب آپ سے اونچے لہجہ میں بات کرتا تھا تو حضور اپنی آواز اس سے بھی بلند کرتے تھے تاکہ وہ شخص رسول کی آواز سے آواز بلند کر کے گنہگار نہ ہو اور اس کے اعمال ضائع نہ ہوں۔ مروی ہے کہ ثابت بن قیس کی آواز میں قدرتی طور پر کڑک تھی۔ بہرحال بلند آواز تھا۔ وہ کہنے لگا میرے اعمال تو ضائع ہو گئے۔ کیونکہ میری آواز رسول اللہ کی آواز سے بلند ہوتی ہے۔ پس حضور کے سامنے جب اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ۔ ص۹۵ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ بنی تمیم کا ایک وفد مدینہ میں پہنچا اور مسجد نبوی میں داخل ہو کر انہوں نے یا محمد کہہ کر حضور کو آوازیں مارنا شروع کر دیا۔ حضور کو ان کے اس عامیانہ خطاب سے اذیت تو ہوئی لیکن باہر تشریف لائے وہ کہنے لگے ہم آپ کے ساتھ بحث کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں لہٰذا ہمارے خطیب شاعر کو اجازت دیجئے کہ وہ بات کرے چنانچہ آپ نے اجازت دی تو نہیں سے عطارد بن حاجب نامی ایک شخص کھڑا ہوا۔ اور اس نے تقریر شروع کی کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں بادشاہ بنایا۔ اپنے

يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ

رسول اللہ کے پاس اپنی آواز کو نیچا رکھتے ہیں وہ وہ ہیں کہ آزما لیا ہے اللہ نے ان

قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ

کے دلوں کو تقویٰ کے لئے ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے تحقیق جو لوگ آپ کو حجروں

مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ

کے پیچھے سے بلاتے ہیں ان میں سے اکثر عقل سے کورے ہیں ورنہ اگر وہ

فضل سے نوازا۔ ہمیں کافی مال و دولت عطا کی جس سے ہم اعلیٰ کام انجام دیتے ہیں۔ ہمیں اس نے عزت بخشی اور ہمیں کافی جمعیت بھی عطا فرمائی۔ اور میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ لوگوں میں ہمارا کوئی جواب نہیں اور نہ ہمارے فخر و اعزاز میں کوئی ہمارا شریک ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو بے شک ہمارے سامنے میدان میں آکر اپنے فضائل شمار کرے۔ میں نے مختصر لفظوں میں اپنی قومی و خاندانی وجاہت کا تذکرہ کر دیا ہے ورنہ اگر میں چاہوں تو اس موضوع پر بہت کچھ بیان کر سکتا ہوں لیکن اسی قدر بیان کو اس مقام پر کافی سمجھتے ہوئے بات کو ختم کرتا ہوں پس وہ بیٹھ گیا تو حضورؐ نے اس کی جوابی تقریر کے لئے ثابت بن قیس کو نامزد فرمایا تو اس نے کھڑے ہو کر اپنا بیان شروع کیا۔ اس اللہ کی حمد ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو زیور تخلیق سے آراستہ فرمایا۔ ان میں اپنی تدبیر کو جاری کیا۔ اس کا علم وسیع اور اس کا فضل ہر شی پر حاوی ہے۔ ہم پر اس کا احسان یہ ہے کہ اس نے ہمیں ملوک بنایا۔ اپنی اعلیٰ مخلوق میں ایک ایسے شخص کو رسالت کے لئے منتخب فرمایا جو نسب میں کریم بات میں سچا اور حسب میں برتر ہے۔ پس اس پر کتاب نازل کی اور اس کو مخلوق پر امین مقرر کیا۔ جس نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی۔ پس اس کی قوم کے شریف ترین لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کیا۔ اور ان کے بعد باقی تمام لوگوں سے پیشتر ہم لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا۔ پس ہم ان کے انصار ہیں کہ ان کے پسینے پر اپنا خون بہانا سعادت سمجھتے ہیں اور ایمان کی خاطر جہاد کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ پس جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لائیں تو ان کے اموال اور جانیں محفوظ ہیں ورنہ ان کے ساتھ ہماری جنگ جاری رہے گی۔ آخر میں میں تمام مومنوں کے لئے استغفار کرتا ہوں اور آپ سے مرخص ہوتا ہوں۔ والسلام علیکم

اس کے بعد ان کی طرف سے زبرقان بن بدر نامی ایک شاعر اٹھا۔ جس نے اپنے خاندان کی تعریف پر مشتمل کچھ اشعار پڑھے۔ لیکن اس کے جواب میں حسان بن ثابت نے حضورؐ کی تعریف اور اسلام کی حقانیت کے موضوع پر چند اشعار پڑھے تو اقرع بن حابس تمیمی جو غالباً اس پورے وفد کا قائد تھا، نے تسلیم کر لیا کہ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے افضل اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بدرجہا بہتر ہے۔ پس وہ سب کے سب دولت ایمان سے سرفراز ہوئے اور حضورؐ نے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ کچھ عطیے دے کر ان کو مرخص فرمایا۔

صَبَرُوا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑥

صبر کرتے تاکہ آپ خود ان کے لئے باہر آجاتے تو ان کے لئے بہتری ہوتی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کیا کرو مبادا کسی قوم کو

ولید بن عقبہ کا فسق

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ ۔ اس آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے بارے میں تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ کہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو حضور نبی اکرمؐ نے بنی المصطلق سے صدقات وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا جب ان لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ اکٹھے ہو کر اس کی تعظیم کے لئے نکلے چونکہ ولید بن عقبہ اور ان لوگوں کے درمیان زمانہ جاہلیت سے دشمنی چلی آرہی تھی لہٰذا وہ سمجھا کہ شاید مجھ سے لڑنے کے لئے آرہے ہیں پس وہ ڈر کے مارے بھاگ کھڑا ہوا اور واپس مدینہ میں پہنچ کر حضور نبی اکرمؐ کو غلط رپورٹ دے دی کہ وہ لوگ صدقات دینے سے انکاری ہیں۔ حضورؐ نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک جماعت کو بھیجا تو انہوں نے ازراہِ معذرت عرض کی کہ وہ صاحب تو ہمارے پاس پہنچے ہی نہیں۔ ہم صدقات دینے کے لئے اُس وقت بھی تیار تھے اور اب بھی حاضر ہیں تب یہ آیت اُتری۔ چونکہ اس شخص کے فاسق ہونے پر قرآن مجید کی نص موجود ہے لہٰذا بالعموم مسلمانوں کے دلوں سے اس کا اعتماد اٹھ گیا لیکن حضرت عثمان نے اس کو بھی اپنے اعتماد میں لے لیا اور حکومت کے ذمہ دارانہ مناصب پر اس کو تعینات کر کے مسلمانوں کے دلوں میں منافرت کا بیج بو یا۔ چنانچہ مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت میں بھی اس پر اظہارِ افسوس کیا ہے۔

تفسیر برہان میں احتجاج طبرسی سے منقول ہے کہ شام میں حضرت امام حسن علیہ السّلام اور معاویہ کے بعض ہم نشینوں کے درمیان جو ایک مباحثہ ہوا تھا۔ اُس میں امام حسن علیہ السّلام نے اسی ولید بن عقبہ سے خطاب کر کے فرمایا تھا۔ اے ولید تو علیؑ سے دشمنی رکھنے میں اس لئے پیش پیش ہے کہ انہوں نے شراب نوشی کی سزا میں تجھے اسّی تازیانے لگوائے تھے۔ اور علیؑ نے ہی تیرے باپ کو جنگ بدر میں واصل جہنم کیا تھا۔ اگر تو علیؑ کو سب کرتا ہے تو تیرے اور علیؑ کے درمیان ایک فرق واضح موجود ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید کی دس آیتوں میں حضرت علیؑ کو مومن کہا گیا ہے۔ اور تجھے فاسق قرار دیا گیا ہے۔ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُوْنَ ۔ یعنی کیا مومن اور فاسق برابر ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح آیت مجیدہ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ الخ۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تجھے قریش سے کیا واسطہ تو تو اہل صفوریہ میں سے ایک کافر کی اولاد ہے۔

اس آیت مجیدہ کے متعلق روایات اہل بیت میں ہے کہ اُمّ المومنین ماریہ قبطیہ کی پاکدامنی کے لئے اُتری اور جس نے ان کی پاکدامنی پر اعتراض کیا تھا اس کو فاسق کہہ کر اس کی سرزنش کی گئی ہے۔ جب حضرت ماریہ کے ہاں ابراہیم بن رسول اللہ پیدا ہوئے تو بعض حاسدین نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ رسول اللہ کا فرزند نہیں بلکہ ماریہ کے تعلقات جریح نامی ایک قبطی کے ساتھ

قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ⑦ وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ

تکلیف پہنچاؤ لاعلمی میں پس اپنے کئے پر تمہیں پشیمانی لاحق ہو اور جانو کہ تحقیق تم میں رسول اللہ

رَسُولَ اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ

موجود ہیں اگر وہ تمہاری بات مانیں بہت سی باتوں میں تو تم مشقت میں پڑ جاؤگے لیکن اللہ نے محبوب بنایا تمہارے

إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ

لئے ایمان کو اور مزین کیا اس کو تمہارے دلوں میں اور ناپسند بنایا تمہارے لئے کفر

ہیں۔ اور یہ لڑکا اسی کا ہے۔ حضرت پیغمبر نے حضرت علی کو بھیجا کہ اگر وہ اس معاملہ میں مجرم ہو تو اس کا سر قلم کیا جائے۔ لیکن معلوم ہوا کہ بالکل نامرد تھا۔ اور اُس نے حضرت پیغمبرؐ کے سامنے آکر بیان کیا کہ قبطی سرداروں میں یہ رواج عام ہے کہ اپنے گھروں میں ملازم رکھنے کے لئے بچپنے سے ہی ملازم بچوں کے عضو تناسل کو کاٹ دیتے ہیں تاکہ گھروں میں وہ آزادی سے آجا سکیں۔ پس حضور کی طبیعت سے وہ بوجھ ہلکا ہوا۔ جو لوگوں کی بدگوئی کی وجہ سے ہوگیا تھا۔ اور قرآن مجید نے ماریہ کی پاکدامنی کی گواہی دیدی۔ اور حاسد کو فاسق کا خطاب دے دیا۔

تفسیر برہان میں ہے زرارہ نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ عامۃ المسلمین کے نزدیک اس آیت کا مصداق ولید بن عقبہ بن ابی معیط ہے جب کہ اس نے بنی خزیمہ کے متعلق غلط اور جھوٹی رپورٹ حضورؐ کو دے دی کہ وہ کافر ہو چکے ہیں امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن جو لوگ بیان کرتے ہیں وہ اس کا ظاہر ہے اور جو ہم نے بیان کیا ہے۔ یہ اس کا باطن ہے۔ اِسی قسم کا بیان تفسیر انوار النجف کی جلد ۸ صفحہ ۱۲ پر بھی گذر چکا ہے۔

خبر واحد کی حجیّت

علمائے اُصولین نے اس آیت مجیدہ سے خبر واحد کی حجیّت ثابت کی ہے کہ آیت مجیدہ کا صریح معنی یہ ہے کہ فاسق اگر کوئی خبر لائے تو بلا تحقیق اس کو نہ مان لو بلکہ اس کی تحقیق کرنا تم پر واجب ہے تاکہ بلا تحقیق اس خبر پر عمل کرنے کی صورت میں لاحق ہونے والی پشیمانی سے بچ جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ خبر جس میں جھوٹ کا امکان ہو اس پر عمل کرنے سے گریز کیا جائے تاکہ خبر کے خلافِ واقع ہونے کی صورت میں پشیمانی سے بچا جا سکے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر خبر لانے والا عادل ہو تو اس کی خبر کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر عادل کی خبر کو بھی تسلیم نہ کیا جائے تو آیت مجیدہ میں خبر کے نہ تسلیم کرنے میں فاسق کی تخصیص خالی از فائدہ ہو جائے گی بلکہ اس سلسلہ میں عادل و فاسق کی مساوات لازم آئے گی۔

لَعَنِتُّمْ۔ عنت سے ہے اور اس کا معنی مشقت و تکلیف ہے۔

حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ میں ایمان سے مراد حضرت

وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝٨ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً

اور فسوق اور نافرمانی کو ایسے لوگ ہی ہدایت پانے والے ہیں اللہ کے فضل و نعمت سے

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝٩ وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا

اور اللہ جاننے والا دانا ہے اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان

بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ

صلح کراؤ پس اگر ایک ان میں سے بغاوت کرے تو اس سے جنگ کرو جو باغی ہے تاکہ اللہ کے

امیر المومنین علیہ السلام ہیں اور کفر فسوق اور عصیان سے مراد علی الترتیب دشمنانِ علی ہیں۔

اُولٰٓئِکَ یعنی ایمان سے محبت اور کفر و فسوق و عصیان سے نفرت کرنا جن لوگوں میں یہ صفتیں پائی جاتی ہیں وہ رشد و ہدایت کے بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور یہ بھی ان کا اپنا کمال نہیں بلکہ اُن پہ اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ۔ اس آیت مجیدہ کا شانِ نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن ابی خزرجی اور عبداللہ بن رواحہ اوسی کے قبیلوں میں لڑائی ہوگئی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت رسالت مآبؐ گدھے پر سوار ہو کر عبداللہ بن اُبی خزرجی کے پاس ٹھہرے تو آپ کے گدھے نے وہاں لید کر دی تو عبداللہ بن اُبی نے اپنے ناک پر ہاتھ رکھا تو عبداللہ بن رواحہ اوسی کہنے لگا کہ تجھ سے اور تیرے باپ سے حضورؐ کے گدھے کی لید کی بو بہتر ہے۔ پس اُس کی قوم کو یہ بات بُری معلوم ہوئی۔ ادھر اوسی بھی بگڑ گئے۔ پس کھجور کی لاٹھیوں مکہ بازی اور جوتوں سے خوب ایک دوسرے کی تواضع کی گئی۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس کی تاویل تا قیامت جاری ہے اور آپس میں لڑنے والے دو مومنوں کے درمیان صلح کرنا بہت بڑی دینی و ملی خدمت ہے۔ اور اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ سچ بول کر دو مومنوں کو آپس میں لڑانے سے وہ جھوٹ بدرجہا بہتر ہے جس کے ذریعے دو لڑنے والوں کے درمیان صلح کرائی جا سکے (دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز) اس آیت مجیدہ کی رُو سے جنگ جمل اور جنگ صفین میں جن لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام سے لڑائی کی۔ ان کو مومن ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ آیت میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ لڑنے کے بعد بھی وہ صفت ایمان اپنے اندر رکھتے ہیں اور ان کو مومن کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ ابتداء میں دو گروہ مومن ہوں۔ اور ان میں سے ایک ایمان کے تقاضوں کو بھلا کر ازراہِ بغاوت دوسرے مومن گروہ سے برسرِ پیکار ہو جائے۔ پس اس صورت میں مومن گروہ صرف وہ ہو گا جو ایمان کے اصولوں پر ثابت قدم رہے لیکن جو باغی ہو چکا ہو گا یقیناً وہ مومن نہ کہلائے گا جب تک کہ وہ اپنے عقائدِ فاسدہ سے تائب نہ ہو جائے۔

فَاِنْ بَغَتْ۔ تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی تو رسول اللہ نے فرمایا۔ اِنَّ مِنْکُمْ مَنْ یُّقَاتِلُ عَلَى التَّاوِیْلِ کَمَا قَاتَلْتُ عَلَى التَّنْزِیْلِ۔ یعنی تحقیق تم میں سے

تَفِيۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا ؕ

حکم کی طرف پلٹ آئے پس اگر پلٹ آئے تو صلح کرادو دونوں کے درمیان عدل سے اور انصاف کرو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ

تحقیق اللہ انصاف والوں کو دوست رکھتا ہے کیونکہ مومن آپس میں بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان

اَخَوَيۡكُمۡ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۱﴾ ع ۱۳

صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ رحم کئے جاؤ

بعض وہ ہیں جو تاویل پر جہاد کریں گے جس طرح میں نے تنزیل پر جہاد کیا۔ پس لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا وہ خاصف النعل ہیں کیونکہ اس وقت حضرت علی علیہ السلام حضرت نبی کریم کی نعلین کو درست کر رہے تھے۔ حضرت عمار بن یاسر جنگ جمل و صفین میں شریک تھے۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ہمراہ تھے۔ ان کا قول ہے کہ میں نے اس علم کے نیچے حضرت رسول اللہ کی ہمراہی میں تین دفعہ جہاد کیا ہے۔ اور اب یہ چوتھی بار ہے۔ پس اگر وہ لوگ ہمیں قتل کریں تو ہمیں پورا یقین ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ اور جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام نے اسی دستور پر عمل کیا۔ جو حضرت رسالت مآبؐ نے اہلِ مکہ کے ساتھ اختیار فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے فتح مکہ کے روز اعلان فرمایا تھا کہ جو اپنا دروازہ بند کر دے وہ باامن اور اس کا جان و مال محفوظ ہوگا۔ جو ہتھیار ڈال دے وہ بھی باامن ہوگا۔ اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا وہ بھی باامن ہوگا اسی طرح بعض روایات کی بنا پر جناب ام ہانی کے گھر میں پناہ لینے والوں کو بھی محفوظ قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح جنگ جمل کی فتح کے بعد حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اعلانِ عام کیا تھا کہ نہ ان کے بچوں کو قیدی بنایا جائے۔ نہ ان کے زخمیوں پر تشدد کیا جائے۔ نہ بھاگنے والوں کا تعاقب کیا جائے۔ اور جو بھی اپنا دروازہ بند کرلے یا ہتھیار ڈال دے اس کو محفوظ قرار دیا جائے۔

اور کافی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ آیت مجیدہ کی تاویل جنگ بصرہ میں ظاہر ہوئی۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے خلاف بغاوت کرنے والے اس کے مصداق ثابت ہوئے۔ پس ان سے جنگ کرنا واجب تھا۔ جب تک کہ وہ تائب ہو کر راہِ حق پر نہ آجائیں۔ الخ۔ اور جنگ جمل میں علیؑ کے خلاف لڑنے والوں کو ناکثین کہا جاتا ہے کیونکہ نکث کا معنی ہے بیعت کو توڑنا۔ چنانچہ سورۂ الفتح کی گیارہویں آیت میں نکث کا معنی بیعت شکنی ہے اور چونکہ طلحہ و زبیر نے حضرت علیؑ کی بیعت کی تھی اور اس کو توڑ کر حضرت عائشہ کے ہمراہ جنگ جمل میں شریک ہوئے تھے۔ اس لئے ان کو اور ان کی جماعت کو ناکثین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور جنگِ صفین میں معاویہ اور اس کی فوج کو قاسطین کہا جاتا ہے۔ اور جنگ نہروان میں حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں آنے والے خارجیوں کو مارقین

کہا جاتا ہے۔
جس طرح جنگ جمل میں حضرت علیؑ کے خلاف لڑنے والے باغی تھے۔ اسی طرح جنگ صفین اور نہروان میں بھی حضرت علیؑ کے خلاف لڑنے والے باغی تھے۔ اور حضرت عمار جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کے ہمراہ رہ کر معاویہ کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے اور جناب رسالت مآبؐ کی یہ حدیث اکثر مورخین نے نقل کی ہے کہ تَقْتُلُکَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَة۔ کہ اے عمار تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ اور جب معاویہ کی فوج کے ہاتھوں عمار قتل ہو گئے تو تمام مسلمانوں کو معاویہ کی جماعت کے باغی ہونے کا علم ہو گیا تھا اور اس حقیقت کو سید ابوالاعلیٰ مودودی نے خلافت و ملوکیت میں تسلیم کیا ہے۔

حدیث مواخات

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ تفسیر برہان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ نے مسلمانوں میں بھائی چارہ قائم فرمایا۔ پس ابوبکر و عمر کو اور عثمان اور عبدالرحمان بن عوف کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی قرار دیا۔ اور باقی تمام صحابہ کے درمیان ان کی میلانِ طبع کے پیش نظر بھائی چارہ قائم کیا اور حضرت علی علیہ السّلام سے فرمایا کہ تو میرا بھائی ہے۔ اور میں تیرا بھائی ہوں۔ اور حدیث مواخات کتب فریقین میں تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔

ویسے تو بالعموم تا قیامت مومن ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔ لیکن صیغہ مواخات پڑھ لینے کے بعد ان کے ایک دوسرے پر حقوق بڑھ جاتے ہیں تفسیر صافی میں مومنوں کی باہمی اخوّت کی وجہ ایمانی وحدت کے علاوہ یہ بھی تحریر کی گئی ہے کہ مومنوں کی نسبت نبی و علیؑ سے ہے چنانچہ حضورؐ نے فرمایا۔ اَنَا وَعَلِیٌّ اَبَوَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ (میں اور علی اس اُمّت کے باپ ہیں) اور بصائر سے مروی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا گیا کہ اس حدیث کا مطلب کیا ہے اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ (مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے) تو آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے مومنوں کو اپنے نور سے خلق فرمایا اور اپنی رحمت سے ان کو تربیت دی اور اپنی معرفت کے ساتھ ساتھ ہماری ولایت کی معرفت کا ان سے عہد و پیمان لیا۔ پس ہر مومن دوسرے مومن کا پدری و مادری بھائی ہوتا ہے کہ نور اور رحمت سے ان کی پیدائش ہے۔ پس نور ان کا باپ اور رحمت ان کی ماں ہے۔ نیز ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جس طرح خونی رشتہ باہمی محبت و الفت کا موجب ہوتا ہے۔ اسی طرح ایمانی تعلق بھی پائدار محبت اور دائمی اُلفت کا سبب بنتا ہے۔ پس ایک مومن دوسرے مومن کا اس لئے بھائی ہے کہ ایمانی رشتہ کی بدولت ان کا باہمی تعلق مضبوط اور پائدار ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ مومن ایک ماں باپ کی اولاد کی طرح ہوتے ہیں کہ ایک کو تکلیف ہو تو سب اس کی تکلیف کی وجہ سے پریشان ہو جایا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر مومن دوسرے مومن کا بھائی اور سچا دوست اور پُرخلوص معاون ہوتا ہے نہ اس کی خیانت کرتا ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کی عیب جوئی کرتا ہے اور اس سے وعدہ شکنی کرتا ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے امام حسن علیہ السّلام کو جو وصیّت کی تھی اس کا مضمون یہ ہے کہ کم از کم مومن

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ

اے ایمان والو (تم میں سے) مرد دوسرے مردوں سے مسخری نہ کریں | شاید وہ ان سے بہتر ہوں

کا مومن پر یہ حق ہے کہ اُس کے لئے وہ چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔ اور اس کے لئے وہ چیز پسند نہ کرو جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔

فَاَصْلِحُوْا ۹۹ ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ جس صدقہ کو پسند فرماتا ہے وہ یہ ہے کہ لڑتے ہوئے لوگوں کو صلح پر آمادہ کیا جائے اور روٹھے ہوئے دلوں کو آپس میں ایک دوسرے کے قریب کیا جائے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا کہ دیناروں کا صدقہ دینے سے دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانا مجھے محبوب تر ہے۔ اور مفضل سے آپ نے فرمایا کہ دو آدمیوں کے درمیان جو ہمارے شیعہ ہوں۔ صلح کرانے پر جس قدر روپیہ خرچ ہو۔ میرے مال سے خرچ کر دیا کرو۔ اور فرمایا کہ جو شخص دو کے درمیان صلح کراتا ہے اُسے جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔ یعنی مصالحت کے لئے اگر جھوٹ بھی بولے۔ تو اُس کا یہ گناہ قابل مواخذہ نہ ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب ایک مومن دوسرے مومن کی حاجت کو پورا کرتا ہے تو خدا اس کی حاجت کو پورا کر دیتا ہے اور جو مومن کسی مومن کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔ خداوند کریم بروز قیامت اس سے بہت بڑی تکالیف کو دور کرے گا اور جو کسی مومن کو ڈھانپے خدا بروز قیامت اُس کو ڈھانپے گا۔ اور حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ مریض کی عیادت کے لئے ایک میل جانا پڑے تو جاؤ جنازہ کی تشییع کے لئے دو میل تک چلے جاؤ کسی مومن کی دعوت پر تین میل تک چلے جاؤ کسی مومن کی زیارت کو خوشنودیٔ خدا کے لئے چار میل تک چلے جاؤ۔ اور کسی غمزدہ کی فریاد کو سننے اور اس کی مدد کرنے کے لئے پانچ میل تک چلے جاؤ۔ اور مظلوم کی نصرت کے لئے چھ میل تک کی مسافت طے کرنے سے نہ گھبراؤ۔ اور تم پر ضروری ہے کہ اللہ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی بھی مانگتے رہو۔

مسخری کرنے سے منع

رکوع ۱۴ ۔ لَا یَسْخَرْ۔ آیت مجیدہ میں مردوں اور عورتوں کو ایسی مسخری سے روکا گیا ہے جس میں دوسرے کی توہین مقصود ہو۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں اس کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ ثابت بن قیسؓ صحابی جو کانوں سے بہرہ تھا۔ اور اس کا یہ دستور تھا کہ جب مسجد میں آتا تھا تو لوگ اس کے لئے راستہ چھوڑ دیتے تھے اور وہ اطمینان سے حضورؐ کے قریب جا بیٹھتا تھا۔ ایک دن ذرا دیر سے پہنچا جب کہ نماز ہو چکی تھی پس وہ لوگوں کے شانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا راستہ دو، راستہ دو کہتا ہوا آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ ایک شخص نے کہہ دیا یہ جگہ ٹھیک ہے یہیں بیٹھ جاؤ آگے کیوں جاتے ہو؟ پس وہ غصّے سے وہیں اس شخص کے پیچھے بیٹھ گیا۔ جب تھوڑی سی روشنی ہوئی تو اس نے پوچھا یہ کون ہے۔ جس نے مجھے بیٹھ جانے کو کہا تو اس شخص نے خود کہہ دیا کہ میں فلاں آدمی ہوں۔ پس قیس بن ثابت نے کہا۔ اچھا فلاں عورت کے بیٹے ہو؟ یعنی اس کی ماں کا نام لیا اور زمانہ جاہلیت میں اس کو شرمندہ کرنے کے لئے اس کی ماں کا نام لیا جاتا تھا۔ پس اب بھی بھرے مجمع میں جب اس کی ماں کا نام لیا گیا تو اس نے شرم کے مارے سر جھکا لیا۔ پس یہ آیت اتری۔ اور

وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا

اور نہ عورتیں عورتوں سے (مسخری کریں) شاید وہ ان سے اچھی ہوں اور نہ ایک دوسرے پر طعنہ بازی کرو اور نہ بُرے القاب سے

ایسا کہنے والے کو سرزنش کی گئی۔ نیز دوسرے لوگوں کو ایسی حرکات سے روک دیا گیا۔

وَلَا نِسَاءٌ۔ عورتوں کو بھی دوسری عورتوں کے حق میں ہتک آمیز رویہ اختیار کرنے سے روکا گیا ہے۔اس کے شانِ نزول کے متعلق مروی ہے کہ ام المومنین جناب ام سلمہؓ اپنی کمر کو ایک سفید پارچہ سے باندھ لیا کرتی تھیں اور اس کی گرہ پشت کی طرف دے کر چھوڑ دیتی تھیں کہ اس کے دونو سرے لٹکتے رہتے تھے۔پس ایک دن حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ دیکھو اس کے پیچھے جو چیز لٹک رہی ہے۔یوں لگتا ہے جیسے کتے کی زبان ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ام سلمہ کا قد چھوٹا تھا اور انہوں نے اس کو چھوٹے قد کا طعنہ دیا۔ اور تفسیر صافی میں ہے کہ یہ صفیہ بنت حی بن اخطب کے متعلق ہے وہ بھی امّ المومنین تھیں۔ اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ طعنہ کے طور پر ان کو کہا کرتی تھیں کہ تم یہود کی اولاد ہو۔پس اُس نے حضورؐ سے اس امر کا شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم اُن کو جواب دیا کرو کہ میرا باپ ہارون نبی اللہ ہے۔ میرا چچا موسیٰ کلیم اللہ ہے اور میرا شوہر محمد رسول اللہ ہے لہٰذا مجھ میں کونسی کمی ہے۔ الخ۔

عیب جوئی اور بُرے القاب سے منع

وَلَا تَلْمِزُوا۔ لمز کا معنی ہے کسی کے متعلق ہتک آمیز پہلو اختیار کرنا اور اس کی توہین و تنقیص کا اظہار کرنا اور ہمز کا بھی یہی معنی ہے۔بعض لوگوں نے لمز اور ہمز کے معانی میں یہ فرق کیا ہے کہ کسی کے سامنے اُس کی موجودگی میں اس کے عیوب کا اظہار لمز ہے۔اور اس کی عدم موجودگی میں ہمز ہے۔اور بعض کہتے ہیں کہ لمز آنکھ زبان اور اشاروں سے بھی ہو سکتا ہے اور ہمز صرف زبان سے ہوا کرتا ہے۔بہرصورت توہین آمیز لہجہ سے کسی کے متعلق کچھ اظہار کرنا یا آنکھوں اور ہاتھوں وغیرہ کے اشارے سے اس کے عیوب کی نشاندہی کرنا یا کوئی دوسرا اس قسم کا رویہ اختیار کرنا جس سے کسی کی ہتک مقصود ہو سب حرام ہیں۔ اور آیت مجیدہ ایسے رویے سے مومنوں کو باز رہنے کی تلقین کر رہی ہے۔

وَلَا تَنَابَزُوا۔ نبز کا معنی ہے کسی کو اچھے یا بُرے لقب سے یاد کرنا۔ اور آیت مجیدہ میں بُرے القاب سے کسی کو ذکر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔مثلاً کسی کو فقیہ۔ علامہ۔ مولوی اور قاضی وغیرہ کہنا ناجائز نہیں بلکہ ایسے القاب جن سے اس کی توہین مقصود ہو ان کا ذکر کرنا حرام ہے۔

بِئْسَ الِاسْمُ۔ یعنی جب وہ شخص مومن ہے تو اس کو ایسے نام سے یاد کرو جو اُس کے شایانِ شان ہو اور ہرگز ایسے نام سے اُس کو نہ خطاب کرو جو مومن کی شان کے مناسب نہ ہو۔لہٰذا ایمان لانے کے بعد اسم فسوق یعنی کفریہ نام بُری حرکت ہے اس سے مومنوں کو بچنا چاہیئے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص مومن پر اتہام لگائے تو اُس کے دل سے

بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ

ایک دوسرے کو بلاؤ نام کفر برا ہے ایمان کے بعد اور جو توبہ نہ کریں وہ

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ

ظالم ہیں اے ایمان والو بہت سے مقامات پہ ظن سے پرہیز کرو کیونکہ بعض اوقات

بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ

ظن پر عمل کرنا گناہ ہوتا ہے اور نہ جاسوسی کرو اور نہ ایکدوسرے کی غیبت کرو کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا

ایمان پگھل کر ختم ہو جاتا ہے جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ اپنے بھائی مومن کے کسی فعل کو اچھائی پر ڈھال لیا کرو۔ اور مومن بھائی کے منہ سے نکلنے والی بات کو اُس وقت تک بُرائی پر محمول نہ کرنا جب تک اُس سے کسی اچھے پہلو کے نکلنے کی صورت موجود ہو۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا۔ انسان کفر کے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ جب دینی و ایمانی بھائی کی لغزشیں اور غلطیاں تلاش کرتا پھرے تاکہ کسی دن اُس کو رسوا کر سکے۔

وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ ۔ آیت مجیدہ سے صاف واضح ہے کہ مومن کی عیب جوئی۔ عیب گوئی اور بُرے القاب سے اس کو پکارنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور ان بدعادات کا مرتکب اگر توبہ نہ کرے تو وہ ظالم شمار ہوگا۔

بدگمانی سے منع

اِجْتَنِبُوْا ۔ آیت مجیدہ میں بدگمانی کرنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی اہل ایمان پر بدگمانی نہ کیا کرو۔ البتہ جو لوگ دائرہ ایمان سے خارج ہیں۔ ان کے اعمال کو ظاہر پر محمول کرنا۔ اور ان کی تاویل نہ کرنا ممنوع نہیں ہے۔ نیز اگر کسی مومن کو مشکوک حالت میں دیکھا جائے جس سے بدگمانی کا پیدا ہونا لازمی ہو تو اُس بدگمانی کو اپنے دل میں رکھے اور اُسے لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرے۔ کیونکہ بدگمانی کا ایسے حالات میں پیدا ہو جانا اضطراری امر ہے۔ البتہ اس کا ظاہر کرنا اس کے بس میں ہے لہٰذا اُس سے گریز کرے۔ اور اسی لئے فرمایا ہے کہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۔ یعنی بعض ظن گناہ ہیں اور وہ وہ ہیں جن کو بیان کیا جائے۔ ورنہ جن کو اپنے دل میں رکھا گیا اور کسی کے سامنے ظاہر نہ کیا گیا وہ گناہ شمار نہ ہوں گے کیونکہ وہ فعل اضطراری میں داخل ہیں۔

بعض علماء نے اس کی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ چونکہ بعض ظنوں پر عمل کرنا واجب ہوا کرتا ہے بلکہ جن مقامات پر تحصیل علم ممکن نہ ہو اور مکلّف مقامِ عمل میں اس کا محتاج ہو تو ظن کا حاصل کرنا واجب ہوا کرتا ہے کیونکہ انسداد باب علم کی صورت میں اگر ظن پر بھی عمل نہ کیا جائے تو بہت سے شرعی احکام میں تعطّل پیدا ہو جائے گا۔ پس ایسی صورتوں میں شرعی اسباب سے حاصل ہونے والا ظن علم کے قائم مقام ہوا کرتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہوتا ہے اسی لئے آیت مجیدہ

اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ

ہے کہ کھائے اپنے مردہ بھائی کا گوشت ؟ پس اس کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو تحقیق اللہ توبہ قبول کرنیوالا

میں اکثر ظنوں اور مظنونات سے بچنے کا حکم ہے نہ کہ تمام سے۔ کیونکہ علم کی تحصیل کے ممکن ہونے کی صورت میں طریق علم کو چھوڑ کر ظن کے پیچھے جانا گناہ ہے۔

تجسس سے منع

وَلَا تَجَسَّسُوْا۔ اس جگہ خداوند کریم نے دوسروں کی عیب جوئی سے کھلے لفظوں میں منع فرمایا ہے تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت عمر کو زمانہ خلافت میں رپورٹ پہنچی کہ ابو محجن ثقفی شراب نوشی کرتا ہے تو انہوں نے رات کو چھاپہ مارا۔ لیکن اس سے کچھ بھی برآمد نہ ہو سکا۔ تو اس نے فوراً قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر خلیفہ کو اپنی غلطی پر ٹوکا کہ تجسس کرنا فعلِ حرام ہے۔ چنانچہ زید بن ثابت اور عبداللہ بن ارقم نے بھی اس شخص کی تائید کی۔ پس خلیفہ نے اُسے چھوڑ دیا۔ اسی طرح ایک دفعہ عبدالرحمان بن عوف کو ساتھ لے کر ایک گھر میں داخل ہوئے تو عورت کچھ شعر پڑھ رہی تھی۔ اور اس کے مرد کے ہاتھ میں ایک جام تھا۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو مرد نے جواب دیا کہ پانی ہے۔ اور عورت سے پوچھا تو کیا کہہ رہی تھی تو اُس نے وہ اشعار سنائے جو اُس نے پڑھے تھے۔ اس کے بعد صاحب خانہ نے کہا کہ آپ حکم خداوندی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ لَا تَجَسَّسُوْا۔ پس وہ واپس آئے اور اس مضمون کی روایات کتب تاریخ میں اور بھی وارد ہیں۔ اور ایک قرات میں جیم کے بجائے حاء وارد ہے۔ یعنی لَا تَحَسَّسُوْا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ تجسس امور شر میں ہوتا ہے اور جو شخص شر میں کسی کا رازدار ہو اُس کو جاسوس کہتے ہیں اور تحسس امور خیر میں ہوا کرتا ہے۔ اور جو شخص اچھے کاموں میں کسی کا رازدار ہو۔ اس کو اُس کا حاسوس کہتے ہیں۔ بہر کیف آیت مجیدہ میں مومنوں کی عیب جوئی سے منع کیا گیا ہے۔

غیبت سے منع

وَلَا يَغْتَبْ۔ آیت مجیدہ میں صریح طور پر غیبت سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہ اس طرح ہے جس طرح کوئی کسی کا گوشت کاٹ کر کھائے۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق وارد ہے کہ پیغمبرؐ کے دو صحابیوں نے سلمان پاک کی غیبت کی اور اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے حضرت سلمان کو رسُول اللہ کے پاس بھیجا تاکہ حضور سے کچھ کھانے کی چیز طلب کرے۔ آپؐ نے سلمان کو اُسامہ بن زید کے پاس جانے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ خزانہ دار تھا لیکن اُسامہ نے جواب دیا کہ اس وقت میرے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ پس سلمان خالی ہاتھ واپس آئے تو انہوں نے ایک طرف اُسامہ کے متعلق بدگمانی کی کہ اُس نے بخل سے کام لیا ہے اور دوسری طرف حضرت سلمان کے متعلق کہنے لگے کہ یہ ایسا بے برکت آدمی ہے کہ اس کو پانی سے بھرے ہوئے کنوئیں پر پانی لانے کو بھیجا جائے تو اُس کنوئیں کا پانی بھی اس کے جانے سے خشک ہو جائے گا۔ پس وہ اُسامہ کی صداقت معلوم کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ جب حضورؐ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ تمہارے منہ سے گوشت کی بو آتی ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ حضورؐ ہم نے آج گوشت

رَّحِيمٌ ﴿١٣﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ

مہربان ہے اے لوگو تحقیق ہم نے تم کو مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو

شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ

قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ پہچانے جاؤ تحقیق تم میں سے اللہ کے نزدیک عزت کا وہ مستحق ہے جو اللہ سے زیادہ

قطعاً نہیں کھایا۔ آپ نے فرمایا تم نے سلمان اور اُسامہ کا گوشت کھایا ہے۔

میمون سے مروی ہے کہ میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ میرے سامنے ایک زنگی انسان کا مردہ رکھا گیا اور ایک طرف سے آواز آئی کہ اس کو کھایئے تو میں نے ازراہِ معذرت کہا کہ اس کے کھانے کا مجھے کیوں حکم دیا جا رہا ہے تو جواب ملا کہ تیرے سامنے فلاں آدمی کی غیبت ہوتی رہی اور تو سنتا رہا۔ پس میں نے کہا کہ میں نے زبان سے نہ اُس کی بُرائی بیان کی اور نہ اچھائی۔ تو جواب ملا کہ اگرچہ تو نے خود کچھ نہ کہا لیکن غیبت کرنے والے کی باتیں سُنتا رہا۔ اور اس پر راضی بھی رہا کیونکہ تو نے اس کی تردید نہیں کی۔

تفسیر برہان میں حضرت امام موسٰے کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ کسی شخص کے ایسے عیوب و اغلاط بیان کرنا جن کو سننے والے پہلے سے جانتے ہوں۔ غیبت نہیں ہے لیکن اُس کے ایسے عیوب و اغلاط جن سے سامعین واقف نہ ہوں۔ ان کا ذکر کرنا غیبت ہے۔ اور اس کے متعلق ایسے عیوب کا ذکر کرنا جن سے وہ بَری ہو بہتان ہے۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا غیبت اُسے کہتے ہیں کہ مومن کا ایسا گناہ ذکر کیا جائے جو لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ اور خدا نے اس کا پردہ رکھا ہوا ہو۔ اور حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جب بھی اُس کا ذکر ہو اُس کے لئے دُعائے مغفرت کی جائے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ زانی کی توبہ ہو سکتی ہے لیکن غیبت کرنے والے کی خدا توبہ قبول نہیں فرماتا جبتک کہ وہ شخص خود نہ معاف کرے جس کی غیبت کی گئی ہو۔

تفسیر صافی میں امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص لوگوں سے معاملہ کرنے میں ظلم نہ کرے بات میں جھوٹ نہ بولے۔ اور وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی نہ کرے۔ پس وہ صاحبِ مروّت اور عادل ہے۔ لہٰذا اس کی غیبت حرام ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ فاسق کی غیبت جائز ہے تاکہ لوگ اس سے بچتے رہیں۔ اور حضرت نبی اکرمؐ سے منقول ہے کہ غیبت کا گناہ زنا سے زیادہ ہے۔

نسلی تفاخر سے منع

خلقنا کم۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ فتح مکہ کے روز حضورؐ نے بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان کہو۔ چنانچہ بلال نے اذان کہی تو عتاب بن اسید نے کہا اُس اللہ کا شکر ہے جس نے میرے باپ کو یہ دن دیکھنا نصیب نہیں کیا۔ اور ابوجہل کے بھائی حارث بن ہشام نے کہا کہ محمد کو اس کالے کوے کے علاوہ کوئی دوسرا موذن نہیں مل سکا۔ اسی طرح باقی قریشی سرداروں نے بھی اپنے نسلی فخر کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقرے کسے تو یہ

عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٤﴾ قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا

ڈرتا ہو تحقیق اللہ علیم و خبیر ہے بدویوں نے کہا ہم ایمان لا چکے اُن سے کہیئے تم ایمان نہیں لائے لیکن کہو ہم اسلام لائے اور ابھی تک

آیت نازل ہوئی کہ تم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہو۔ اور یہ تو میں اور قبائل صرف باہمی شناخت کے لئے ہیں اور شعوب و قبائل کے متعلق تین اقوال ہیں۔ (۱) شعوب کی لفظ غیر عربوں کے لئے ہے اور قبائل صرف عربوں کے لئے ہے۔ (۲) قبائل سے مُراد بڑے خاندان جیسے مضر و ربیعہ وغیرہ اور شعوب سے مراد ان کی شاخیں ہیں۔ جیسے قبیلہ ربیعہ میں سے بنی بکر اور قبیلہ مضر میں سے بنی تمیم وغیرہ (۳) شعوب سے مُراد بڑے خاندان اور قبائل سے مراد ان کی شاخیں یعنی دوسرے قول کا عکس۔

معیارِ فضیلت تقویٰ ہے

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ یعنی اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ وہ شخص ہے جو اُس کی نافرمانی سے بچے اور اس کی اطاعت میں پیش پیش ہو۔ لہٰذا قومی بلندی قبائلی عظمت خاندانی شرافت اور نسلی تفوق انسانی برتری کا معیار نہیں۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ بروز محشر اللہ فرمائے گا کہ تم لوگوں نے میرے اوامر و احکام کو پس پشت ڈال کر اپنے خاندانوں پر ناز کیا۔ آج میں تمہاری خاندانی بلندی کو پستی سے تبدیل کرتا ہوں۔ اور اپنی طرف منسوب ہونے والوں کو بلند کرتا ہوں۔ پس ارشاد ہو گا۔ کہاں ہیں متقی لوگ کیونکہ اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ وہ لوگ ہیں جو متقی ہوں۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ انسانوں میں سے کون بلند تر ہے تو آپ نے دونوں ہاتھوں میں مٹی کو اٹھا کر فرمایا کہ ان دونوں میں سے کس کو فضیلت دی جا سکتی ہے؟ پس فضیلت اُس کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا جہاں اللہ نے لوگوں کے دو حصے کئے ہیں۔ اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال۔ تو مجھے ان دونوں میں سے بہترین حصے کا فرد بنایا۔ یعنی اصحاب الیمین سے قرار دیا۔ اور پھر اس نے جہاں لوگوں کو تین قسموں پر تقسیم کیا۔ اصحاب المیمنہ اصحاب المشئمہ اور سابقون تو مجھے بہترین قسم السابقون میں قرار دیا اور جہاں لوگوں کو قبائل میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین قبیلہ کا فرد بنایا۔ پس میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ صاحب تقویٰ ہوں۔ اور بلند مرتبہ ہوں اور یہ فخر کی بات نہیں اور جب قبائل کو بیوت پر تقسیم کیا تو مجھے بہترین بیت میں رکھا۔ چنانچہ فرمایا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ الخ۔ پس میں اور میرے اہل بیت گناہوں سے پاک و صاف ہیں (برہان و مجمع البیان)

تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ مسجد نبوی میں صحابہ ایک دوسرے پر نسلی تفاخر بیان کر رہے تھے۔ اور ان میں حضرت سلمان بھی موجود تھے۔ چنانچہ عمر بن خطاب نے اُن سے نسل و خاندان کا سوال کیا تو سلمان نے جواب دیا میں سلمان ہوں۔ اور اللہ کے ایک بندے کا بیٹا ہوں۔ گمراہ تھا۔ اللہ نے حضرت محمدؐ کے وسیلے سے مجھے ہدایت بخشی۔ میں فقیر و تنگدست تھا۔ اللہ نے حضورؐ کے وسیلہ سے مجھے خوشحال کیا اور میں غلام تھا۔ پس اللہ نے حضرت رسولِ کریم ص کی مہربانی سے مجھے دولتِ آزادی بخشی۔ اور یہی میرا حسب و نسب ہے۔ اتنے میں حضورؐ بنفس نفیس تشریف فرما ہوئے اور حضرت سلمان رضؓ نے آنحضورؐ سے سارا ماجرا عرض کر دیا تو آپ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا۔ اے گروہ قریش! انسان

کا حسب دین سے ہے۔ مروّت کردار سے ہے۔ اور اصل عقل ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت مجیدہ پڑھی۔ اور فرمایا اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ صاحبِ تقوٰی ہے۔

مجالسِ شیخ سے منقول ہے حضرت سلمانؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کی بیماری کے زمانہ میں ایک دفعہ میں حاضرِ خدمت تھا اور جناب بتول معظمہ بھی تشریف فرما تھیں۔ حضور کی کمزوری کو دیکھ کر مخدرہ طاہرہ پر گریہ طاری ہوا۔ تو آپ نے فرمایا بیٹی صبر کرو اور میری بات سنو۔ اللہ نے تیرے باپ کو تمام مخلوق پر رسول مبعوث فرمایا اور پھر اُس نے علیؑ کو چن لیا۔ اور میں نے اُسی کے حکم سے تیرا عقد اُن کے ساتھ کیا ہے اور اللہ کے حکم سے میں نے اُن کو اپنا وزیر و وصی نامزد کیا ہے۔ اے فاطمہؑ! علیؑ تمام مسلمانوں میں حق کے لحاظ سے عظیم۔ اسلام میں مقدم۔ علم میں برتر اور حلم میں افضل ہے۔ پس جناب فاطمہؑ یہ سن کر خوش ہوئیں تو آپ نے فرمایا علیؑ اوّل مومن ہے۔ علیؑ نے اور تیری والدہ ماجدہ نے سب سے پہلے میرا بوجھ ہلکا کیا۔ اور میرے شریکِ کار بنے۔ پس علیؑ میرا بھائی۔ میرا دوست اور میری اولاد کا باپ ہے۔ اور اللہ نے علیؑ کو جو کچھ عطا فرمایا ہے۔ نہ اس قدر اس سے پہلے کسی کو دیا ہے اور نہ بعد میں کسی کو عنایت فرمائے گا۔ پس آپ نے اپنی رحلت کی پیشین گوئی فرمائی تو مخدرہ طاہرہ نے عرض کی اے اباجان! آپ نے مجھے خوش بھی کیا ہے۔ اور اپنی رحلت کی پیشین گوئی سے مجھے غمزدہ بھی کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ بیٹی دنیا میں سرور اور غم ہوا کرتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اللہ نے مخلوق کی دو قسمیں بنائیں۔ اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال۔ اور مجھے اور علیؑ کو بہترین قسم میں رکھا پھر اللہ نے مخلوق کو قبائل میں تقسیم کیا تو ہمیں بہترین قبیلے میں قرار دیا۔ اور اس کے بعد قبائل کو بیوت میں تقسیم کیا تو ہمیں بہترین بیت میں جگہ دی۔ چنانچہ فرمایا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ الخ۔ اللہ نے مجھے اور میرے اہل بیت یعنی علیؑ و حسنؑ و حسینؑ کو اور تجھے برگزیدہ فرمایا ہے۔ پس میں تمام اولادِ آدم کا سیّد و سردار ہوں۔ علی سیّد العرب ہے۔ حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سیّد و سردار ہیں۔ اور تو سیّدۃ النساء ہے۔ اور تیری ذریت میں سے مہدی ہوگا۔ جو زمین کو عدل و انصاف سے پُر کرے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔

تنبیہ:- خداوند کریم نے انسانی برتری کے لئے قرآن مجید میں چار معیار قرار دئیے ہیں (۱) صفتِ تقوٰی (۲) صفتِ جہاد۔ (۳) صفتِ علم (۴) سبقتِ ایمانی۔ اور حضرت علی علیہ السلام ہر لحاظ سے تمام صحابہ پیغمبر سے افضل و برتر تھے اور ہم نے اس مطلب کو اپنی کتاب "اسلامی سیاست" میں دلائل و براہین سے واضح کیا ہے۔

اسلام اور ایمان میں فرق

قَالَتِ الْاَعْرَابُ:- تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے زمانہ میں بنی اسد کے کچھ لوگ صدقہ وصول کرنے کی غرض سے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور اپنا مسلمان ہونا انہوں نے ظاہر کیا حالانکہ وہ دل سے مومن نہ تھے۔ پس یہ آیت مجیدہ اُتری اور تفسیر مجمع البیان میں وارد ہے کہ اسلام زبانی اقرار کا نام ہے جس کی بدولت اقرار کرنے والے کی جان و مال محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور ایمان ظاہری اقرار کے ساتھ قلبی عقیدہ اور تصدیق سے حاصل ہوتا ہے۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اسلام اس ظاہری طریقہ کا نام ہے جس کو لوگوں

يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ
ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروگے تو تمہارے اعمال کے ثواب

اَعْمَالِكُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑮ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
میں کمی نہ کرے گا کچھ بھی بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے بے شک مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ
رسول پر ایمان لائیں پھر شک نہ کریں اور اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑯ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ
جہاد کریں ایسے لوگ (اپنے دعویٰ میں) سچے ہیں کہدیجئے کیا تم اللہ کو اپنا دیندار ہونا بتاتے ہو

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑰ يَمُنُّوْنَ
حالانکہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہر شئی کو جاننے والا ہے تجھ پر اپنے

نے اختیار کیا ہوا ہے۔ یعنی توحید و نبوت کی شہادت اور نماز زکوٰۃ حج اور روزہ وغیرہ اعمال کی بجا آوری یہ سب اسلام ہے لیکن ایمان اس حقیقت کا نام ہے (ہماری ولایت) اگر انسان یہ معرفت نہ رکھتا ہو تو وہ صرف مسلمان ہی ہوگا۔ اور روایات میں وارد ہے کہ ایمان کا درجہ اسلام سے بلند ہے۔ نیز ایمان خاص ہے اور اسلام عام ہے۔ پس جو شخص اسلام کے درجہ پر فائز ہو ضروری نہیں کہ وہ مومن بھی ہو لیکن جو شخص درجہ ایمان پہ فائز ہوگا وہ مسلمان ضرور ہوگا کیونکہ اسلام صرف اقرار لسانی کا نام ہے اور ایمان میں اقرار لسانی کے ساتھ تصدیق قلبی بھی ضرور ہوا کرتی ہے۔ اور متعدد روایات میں حضرت نبی اکرمؐ سے منقول ہے اَلْاِيْمَانُ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ وَاِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْكَانِ - یعنی ایمان دل کی معرفت زبان کا اقرار اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔

لَا يَلِتْكُمْ :۔ اجوف یائی ہے۔ اس کی اصل لیت ہے جس کا معنی ہے کمی کرنا۔

اَتُعَلِّمُوْنَ :۔ بنی اسد کا جو گروہ حضورؐ کے پاس ایمان کا دعویدار بن کر حاضر ہوا تھا انہوں نے اپنے صحیح دیندار ہونے کی قسمیں کھائیں۔ اور یقین دہانی کرائی۔ تو خداوند کریم نے اُن کے جواب میں فرمایا کہ مجھے اپنا دیندار ہونا نہ بتاؤ۔ کیونکہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔

يَمُنُّوْنَ :۔ تفسیر برہان میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ جنگ خندق کے موقعہ پر میں نبی اکرمؐ کے پاس موجود تھا۔ جب خندق کھودی جارہی تھی اور لوگ اپنے فریضہ میں مشغول تھے تو حضرت علیؑ کی کھدائی کو دیکھ کر حضورؐ نے

عَلَيۡكَ اَنۡ اَسۡلَمُوۡا ؕ قُلۡ لَّا تَمُنُّوۡا عَلَىَّ اِسۡلَامَكُمۡ ۚ بَلِ اللّٰهُ

اسلام کا احسان جتلاتے ہیں کہدیجئے مجھے اپنے اسلام کا احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ کا

يَمُنُّ عَلَيۡكُمۡ اَنۡ هَدٰٮكُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۸۸﴾

تم پر احسان ہے کہ تمہیں اس نے ایمان کی ہدایت کی اگر تم سچ کہنے والے ہو

اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۹﴾

تحقیق اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے

فرمایا۔ میرا باپ اس کھودنے والے پر قربان ہو۔ جبریل اس کے سامنے صفائی کرنے والا ہے۔ اور میکائیل اس کا معاون ہے۔ حالانکہ اس نے اس سے پہلے کسی انسان کی مدد نہیں کی۔ پس آپ نے عثمان کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم بھی خندق کی کھدائی کرو تو اس نے اپنا اسلام لانا جتلایا۔ پس یہ آیت اُتری۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسر کھدائی میں مشغول تھے کہ عثمان کا ادھر سے گذر ہوا تو گرد و غبار سے بچنے کے لئے عثمان نے اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا۔ تو عمار نے کہا مساجد تعمیر کرنے والوں اور منہ پر غبار سے بچنے کے لئے کپڑا ڈالنے والوں میں بڑا فرق ہے۔ یہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے تو عثمان نے کہا اے سوداء عورت کے بیٹے تم مجھے کہہ رہے ہو۔ پس یہ کہہ کر سیدھے حضرت نبی اکرمؐ کے پاس پہنچے اور عرض کی حضور! ہم اسلام میں اس لئے داخل نہیں ہوئے کہ ہماری عزت پر حملہ کیا جائے۔ آپ نے فرمایا اسلام تمہارا محتاج نہیں ہے۔ پس یہ آیت اُتری۔ اور جنگِ خندق کی مفصل روداد ہم نے تفسیر کی جلد ۱۱ میں ذکر کی ہے۔

سُورَۂ قٓ

یہ سورہ مکیہ ہے۔ صرف آیت ۳۹ مدنیہ ہے۔
آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملاکر چھیالیس بنتی ہے۔
حضورؐ نے فرمایا جو شخص اس سورہ مجیدہ کی تلاوت کرتا رہے اس پر سکرات موت آسان ہوگی۔
جو شخص فرائض و نوافل میں اس کو پڑھے اس کا رزق وسیع ہوگا۔ بروز محشر اس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا
اور اس کا حساب آسان ہوگا۔ (مجمع البیان۔ برہان)
اگر اس سورہ مبارکہ کو لکھ کر مرگی والے انسان کو تعویذ دیا جائے تو وہ اس سے محفوظ ہوگا۔
اگر اس کو برتن میں لکھ کر دھو کر تھوڑے دودھ والی عورت پیئے تو اس کا دودھ زیادہ ہوگا۔ (برہان)
مصباح کفعمی سے منقول ہے اگر اس کو لکھ کر بارش کے پانی سے دھو کر پیا جائے تو پیٹ اور منہ کی تکلیف دور ہو جائے گی اور اگر اس پانی سے بچے کا منہ دھویا جائے تو اس کے دانت آسانی سے نکلیں گے۔ اور مروی ہے کہ جس کی آنکھ میں درد ہو تو تین مرتبہ پانی پر یہ آیتیں پڑھے۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ۔ پس اس پانی سے منہ کو دھویا جائے تو درد ختم ہو جائے۔ انشاء اللہ (فوائد القرآن)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾ قٓ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ﴿۲﴾ بَلۡ عَجِبُوۡۤا

اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے (شروع کرتا ہوں) ق اور قرآن مجید کی قسم (محمد اللہ کا رسول ہے) بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ

رکوع ۱۵

ق ۔ مقطعاتِ قرآنیہ میں سے ہے اور بعضوں نے اس کا معنی کیا ہے قُضِیَ الۡاَمۡرُ یعنی تمام ہونے والے امور کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ قاف ایک سبز رنگ کا پہاڑ ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ زبرجد سبز کا پہاڑ ہے۔

تفسیر برہان میں کتاب منہج التحقیق سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ امام حسن علیہ السلام نے اپنے باپ سے عرض کی۔ کہ ہمیں اپنے فضل وکرامت میں سے کچھ دکھائیے۔ چنانچہ آپ حضرت امام حسنؑ اور حضرت سلمانؓ کو لے کر دوش ہوا پر سوار ہو گئے۔ یہاں تک کہ کوہِ قاف پر جا پہنچے وہ زمرد سبز کا پہاڑ تھا جس پر ایک فرشتہ موجود تھا۔ اُس نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو سلام کیا اور کچھ پوچھنا چاہا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو حضرت خضر کی زیارت کرنا چاہتا ہے؟ اُس نے عرض کی۔ جی ہاں! آپ نے فرمایا۔ جا تجھے اجازت ہے۔ پس اُس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو زبان پر جاری کیا۔ اور چلا گیا۔ اور ہم اس پہاڑ پر تھوڑا سا چلے تھے کہ وہ فرشتہ حضرت خضر کی زیارت سے فارغ ہو کر واپس اپنے مقام پر پلٹ کر آ گیا۔ حضرت سلمانؓ کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ مجھے اس اللہ کی قسم جس نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر کھڑا کیا۔ ان میں سے کوئی بھی ہمارے اذن کے بغیر اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا۔ اور میرے بعد حضرت حسنؑ کا بھی یہی مقام ہو گا۔ اور اس کے بعد حضرت حسینؑ اور پھر یکے بعد دیگرے ان کی اولاد سے نو اماموں کا یہی منصب ہو گا تو ہم نے سوال کیا کہ کوہ قاف پر موکل فرشتے کا نام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا اس کا نام ترجائیل ہے تو سلمان نے عرض کی حضور! آپ کس طرح ہر رات اس مقام پر آتے اور پھر واپس پلٹ جاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا جس طرح اب تمہیں لے آیا ہوں۔ اور مجھے اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور روح کو پیدا کیا۔ میرے پاس آسمانوں اور زمینوں کے ایسے راز ہیں کہ ان میں سے بعض کو بھی تم لوگ برداشت نہیں کر سکو گے۔ تحقیق خداوند کریم کا اسم اعظم ۷۳ حرفوں پر ہے۔ اور آصف بن برخیا کے پاس صرف ایک حرف تھا۔ جس کی بدولت تخت بلقیس تک کی درمیانی زمین دھنس گئی تھی۔ اور اُس نے تخت بلقیس کو اپنے مقام سے اٹھا کر سلیمان کے پیش کر دیا تھا۔ اور چشم زدن سے پہلے پھر زمین دوبارہ اپنی جگہ پر پلٹ کر آ گئی تھی۔ اور خدا کی قسم ہمارے پاس اسم اعظم کے بہتر حروف ہیں۔ اور ایک حرف جس کا تعلق علم غیب سے ہے۔ وہ اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے بعد آپ نے لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ۔ پڑھا۔ اور فرمایا جو ہمیں پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو ہمارا انکار کرتا ہے وہ انکار کرتا ہے۔ الحدیث

کِتٰبٌ حَفِیۡظٌ ۔ اگر فاعل کے معنی میں ہو تو مقصد یہ ہے کہ وہ کتاب (لوح محفوظ) ان کی تعداد اور ناموں کی محافظ ہے اور اگر مفعول کے معنی میں ہو تو مقصد یہ ہو گا کہ وہ کتاب (لوح) محفوظ ہے۔ تغیر وتبدل سے اور کہنگی وفنا سے بھی وہ محفوظ ہے

اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۳

ڈرانے والا انہی میں سے ان کے پاس آگیا پس کافروں نے کہا یہ عجیب بات ہے (کہ یہ رسول ہو گیا)

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ۴ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ

کیا جب ہم مریں گے اور خاک ہو جائیں گے (تو پھر زندہ ہو کر پلٹیں گے ؟) یہ پلٹنا مشکل ہے ہمیں پتہ ہے

الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ۵ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ

جو کچھ زمین ان کے (گوشت وغیرہ سے) گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس محفوظ کتاب موجود ہے بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب

لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِیْۤ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ۶ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَى السَّمَآءِ

ان کے پاس پہنچا پس وہ خود اپنے نظریے میں متحیر ہیں کیا وہ اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے

فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۷ وَالْاَرْضَ

ہم نے اس کو کیسے بنایا اور اسے زینت بخشی کہ اس میں کوئی رخنہ نہیں اور زمین کو

مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ۸

ہم نے بچھایا اور اُس پر پہاڑ ڈال دیئے اور اُگائی ہم نے اس میں ہر قسم کی پُر رونق (انگوریاں)

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۹ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

بصیرت اور نصیحت ہر رجوع کرنے والے عبد کے لئے ہے اور ہم نے آسمان سے مبارک پانی نازل

مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ ۱۰ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ

کیا پس اس کے ذریعے ہم نے باغات اور کٹنے والے فصلات اُگائے اور بلند کھجوریں جن کے شگوفے

اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ۔ یعنی وہ خود ایک نظریے پر قائم نہیں۔ کسی وقت دیوانہ کہتے ہیں۔ اور کسی وقت جادوگر کہہ دیتے ہیں۔ یعنی وہ ان کے بارے میں متحیر و مضطرب ہیں۔

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ ۔ یہاں زوج سے مراد نوع و قسم ہے اور ممکن ہے جوڑا جوڑا مراد ہو کیونکہ ماہرین نباتات کے نزدیک نباتات میں بھی نر و مادہ موجود ہیں۔

بَهِیْجٍ :- یہ بہجۃ کے معنی میں ہے یعنی ایسی دل کش جس کو دیکھنے والا بہجت اور خوشی میں آجائے۔

لَهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ⑩ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذَٰلِكَ

تہ بہ تہ ہیں (یہ سب) بندوں کی روزی کے لئے ہے اور ہم نے اس کے ذریعے زندہ کیا مردہ شہر کو اسی طرح (قبروں سے)

الْخُرُوجُ ⑪ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ⑫

نکلنا ہوگا جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح ، اصحاب الرس ، قوم عاد اور حضرت

وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ⑬ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ

لوط کی برادری نے اور اصحاب ایکہ اور تبع کی قوم

حَبَّ الْحَصِيدِ ۔ وہ کھیتیاں جو پکنے کے بعد کاٹی جاتی ہیں جیسے گندم و جو وغیرہ اور یہاں حصید معنی محصود ہے ۔

كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ۔ خداوند کریم نے آیاتِ متذکرہ میں اپنے نشانہائے قدرت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جس طرح ان چیزوں کو میں نے ایجاد کیا ہے ۔اس طرح مرنے کے بعد قبروں سے زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہوں ۔لہٰذا تمہارا تعجب بے جا ہے۔

أَصْحَابُ الرَّسِّ :۔ یہ یمامہ کے علاقہ میں بسنے والی قوم تھی ۔ ان کی عورتوں میں سحق (چپٹی) کا گناہ عام تھا ۔ ان کی آبادی کنوؤں پر منحصر تھی ۔انہوں نے اپنے نبی کو ایک کنوئیں میں گرا کر اوپر سے بند کر دیا تھا اور رس اُسی کنوئیں کا نام ہے آخر کار ان پر اللہ کا عذاب آیا اور وہ ہلاک ہو گئے ۔اس کی تفصیل تفسیر کی جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۷ تا صفحہ ۱۱۱ ملاحظہ ہو ۔

وَإِخْوَانُ لُوطٍ ۔ حضرت لوطؑ کی قوم کو ان کی برادری اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ ان کی اپنی قوم تھی ۔

وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ :۔ یہ حضرت شعیبؑ علیہ السلام کی قوم ہے ۔ ان کا ذکر تفسیر کی جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۹ تا صفحہ ۲۱۲ مذکور ہے اور قوم شعیبؑ پر عذاب کی کیفیت تفسیر کی جلد ۶ صفحہ ۶۳ تا صفحہ ۶۵ گذر چکی ہے ۔

"قوم تبع کا واقعہ"

وَقَوْمُ تُبَّعٍ :۔ تفسیر برہان میں اسمٰعیل بن جابر سے مروی ہے کہ میں اور میرا ایک دوست ایک دفعہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ جمع تھے اور انصار کے متعلق گفتگو چل نکلی کہ یہ کس قوم کے افراد ہیں ۔کسی نے کہا یہ یمنی لوگ ہیں ۔کسی نے کچھ اور کہا چلتے چلتے ہم ایک درخت کے پاس جا پہنچے جہاں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فروکش تھے تو آپ نے ہمارے پوچھے بغیر بات شروع کر دی کہ تبع بادشاہ جب عراق سے حجاز کی طرف آیا تھا تو اس کے ہمراہ علماء اور اولادِ انبیاء کی اچھی خاصی جماعت تھی ۔جب وہ اس وادی میں پہنچے جہاں ہم موجود ہیں ۔اس زمانہ میں یہاں قبیلہ ہذیل کے لوگ آباد تھے تو کچھ لوگ تبع کے پاس آئے اور انہوں نے اہل مکہ پر حملہ کرنے کے لئے اُسے اکسایا ۔چنانچہ اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ مکہ پر چڑھائی کر کے ان کے مردوں کو قتل کیا جائے ۔ عورتوں بچوں کو قید کر لیا جائے اور ان کے مقدس گھر یعنی خانہ کعبہ کو گرا دیا جائے ۔ جونہی اس نے اس ارادہ فاسدہ کو دل میں جگہ دی بقدرت خدا اُس کی دونوں آنکھیں پگھل کر بہ گئیں اور رخساروں تک جا پہنچیں ۔اُس نے اُسی وقت

كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۵﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِيْ

سب نے رسولوں کو جھٹلایا پس میری دھمکی سچی ثابت ہوئی — کیا ہم پہلی دفعہ ان کو پیدا کرنے سے عاجز تھے؟ بلکہ وہ

موجودہ علماء اور اولادِ انبیاء کو دربارِ شاہی میں حاضر ہونے کا فرمان جاری کیا۔ چنانچہ سب کے سب فوراً حاضر ہو گئے۔ تو بادشاہ نے اپنی تکلیف کا ذکر کیا۔ اور اس کی وجہ اور اس کا علاج ان سے دریافت کیا۔ وہ خاموش رہے تو بادشاہ نے ان کو قسم دے کر دوبارہ استفسار کیا۔ انہوں نے کہا بادشاہ سلامت کیا آپ کے دل میں کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے؟ تو بادشاہ تبع نے جواب دیا کہ بے شک میں نے اہلِ مکہ کو قتل کرنے اور ان کی ذریت کو اسیر کرنے اور ان کے مقدس گھر کو مسمار کرنے کا ارادہ کیا ہے تو علماء و اولادِ انبیاء نے جواب دیا کہ تیری اس تکلیف کا باعث یہی چیز ہے تو بادشاہ نے اس کی وجہ دریافت کی۔ پس انہوں نے جواب دیا کہ یہ شہر حرمت والا شہر ہے اور اس میں تعمیر کردہ مقدس گھر بیت اللہ ہے اور اس جگہ کے رہنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ تبع نے جواب دیا کہ بے شک مجھے اس ارادہ فاسدہ کی سزا دی گئی ہے لیکن اب اس کا علاج کیا ہوگا؟ تو انہوں نے کہا اپنے سابق ارادہ کو ختم کر کے اچھا ارادہ کر لو تو ممکن ہے اللہ تمہاری اس تکلیف کو دور کر دے۔ چنانچہ اس نے غلط ارادہ کو بدل کر نیک ارادہ کر لیا پس اس کی آنکھوں کی تکلیف ختم ہو گئی اور وہ بالکل تندرست ہو گیا اور جن لوگوں نے اس کو غلط مشورہ دیا تھا۔ ان سب کو قتل کر دیا (اور اس جگہ قوم تبع سے مراد غالباً یہی لوگ ہیں جن کو تبع نے مروا ڈالا تھا) اس کے بعد پوری عقیدتمندی کے ساتھ وہ مکہ میں داخل ہوا۔ بیت اللہ کی زیارت کی اور غلاف چڑھایا۔ اور متواتر ایک ماہ تک لوگوں کو کھانا کھلایا کہ ہر دن ایک سو اونٹ نحر کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ حیوانوں کے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں پر گوشت رکھا جاتا تھا اور صحرائی جانوروں کے لئے وادیوں میں خوراک رکھی جاتی تھی۔ پس وہاں سے اس نے مدینہ کا رخ کیا اور اہلِ یمن میں سے قبیلہ غسان کے کچھ لوگوں کو وہاں ٹھہرنے کا حکم دیا اور انہی کی اولاد انصار ہیں۔ اور اس روایت کا بقیہ حصہ تفسیر کی جلد ۲ یَسْتَفْتِحُوْنَ کی تفسیر میں دوسرے ایڈیشن ص۱۲۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔ گویا قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج یمن کے قبیلہ غسان کی شاخیں تھیں۔ اور تبع نے بوقتِ روانگی ان کو حکم دیا تھا کہ جب حضورؐ ظہور فرمائیں تو تم لوگ ضرور اس کی نصرت کرنا۔ اور اس وقت اگر میں ہوتا تو اس کی غلامی کرتا۔ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ تبع مسلمان بادشاہ تھا جلد ۱۲ ص۲۶۰ پر بھی تبع کا ذکر گذر چکا ہے۔

ایجادِ عوالم اور قدرتِ خدا

تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے جب سے زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ اس میں سات عالم پیدا کئے۔ جن میں اولادِ آدم نہ تھی۔ پس وہ زمین سے پیدا ہوئے اور یکے بعد دیگرے رہے۔ ان کے بعد اللہ نے اس آدم کو پیدا کیا جو انسانوں کا باپ ہے اور اس سے اس کی ذریت کو پیدا کیا خدا کی قسم جنت جب سے پیدا ہوئی۔ ارواح مومنین سے خالی نہیں ہوئی اور جہنم کو جب سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ بھی کفار و نافرمانوں سے کبھی خالی نہیں ہوا۔ اور تم کیا سمجھتے ہو کہ جب قیامت قائم ہو گی اور جنتی بدن اپنے ارواح کے ساتھ جنت میں چلے جائیں گے اور جہنمی روح اپنے بدنوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے تو خدا کی عبادت کرنے والا باقی کوئی نہ ہوگا۔ نہیں نہیں بلکہ خدا بغیر ندامادہ

لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ﴿۱۶﴾ ع۱۵ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ

نئے سرے سے دوبارہ پیدا کرنے میں شک رکھتے ہیں اور تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو اس کا نفس وسوسے

بِهٖ نَفۡسُهٗ ۖ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ ﴿۱۷﴾ اِذۡ يَتَلَقَّى الۡمُتَلَقِّيٰنِ

ڈالتا ہے اور ہم شہ رگ سے بھی اس کے زیادہ قریب ہیں جب آپس میں ملتے ہیں دو ملنے والے (فرشتے)

کے بغیر ایک مخلوق پیدا کرے گا۔ جو اس کی عبادت اور تسبیح و تحمید کرتے رہیں گے۔ اُن کے لئے ایک زمین بھی ہوگی۔ اور ایک آسمان بھی ہوگا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ يَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَيۡرَ الۡاَرۡضِ وَالسَّمٰوٰتُ الآیۃ۔

ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ خدا نے تمہارے علاوہ اور کسی کو پیدا نہیں فرمایا۔ نہیں نہیں بلکہ اس نے اس سے پہلے ہزار ہزار عالم پیدا کئے اور ہزار ہزار آدم خلق فرمائے اور تم آخری عالم میں موجود ہو۔ (یعنی اس کے بعد جو ہوگا وہ کوئی اور مخلوق ہوگی جو اللہ کی عبادت کرے گی)

اَفَعَيِيۡنَا۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی کیا ہم پہلی دفعہ خلق کرنے سے عاجز تھے؟ پس جب وہ مانتے ہیں کہ پہلی دفعہ کا خالق میں ہوں۔ تو دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہوں۔ اس میں ان کو شک نہیں کرنا چاہیئے۔

رکوع ع۱۶

حَبۡلَ الۡوَرِيۡدِ۔ بعض کہتے ہیں ایسی رگ ہے جس کا دل سے تعلق ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا حلق سے تعلق ہے۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ ایسی رگ ہے جس کی شاخیں پورے بدن میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور تمام جسمانی نظام پر وہ اثر انداز ہے اور اسی کو شہ رگ کہتے ہیں۔

اِذۡ يَتَلَقَّى الۡمُتَلَقِّيٰنِ :۔ اذ ظرف کا متعلق اَقۡرَبُ ہے۔ ان دو فرشتوں میں سے جو دائیں طرف ہے وہ نیکیاں لکھتا ہے۔ اور جو بائیں طرف ہے وہ برائیاں نوٹ کرتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں محافظ فرشتے چار ہیں۔ دو دن کے لئے اور دو رات کے لئے ہوتے ہیں۔ اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر دل کے دو کان ہوتے ہیں۔ ایک کان پر فرشتہ اور دوسرے پر ایک شیطان مسلط ہوتا ہے۔ پس فرشتہ اس کو برائی سے روکتا ہے۔ اور شیطان اس کو برائی کا حکم دیتا ہے۔

اور تفسیر برہان میں حضرت نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ انسان جب نیکی کا ارادہ کرتا ہے پس اگر عمل نہ کرے تو ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اور اگر عمل کرے تو دس نیکیاں اُس کے نامہ اعمال میں درج کی جاتی ہیں۔ اور جب برائی کا ارادہ کرے پس اگر عمل نہ کرے تو کچھ بھی نہیں لکھا جاتا۔ اور اگر کر گذرے تو سات گھنٹے مہلت دی جاتی ہے۔ کیونکہ دائیں جانب والا فرشتہ اسے حکم دیتا ہے کہ جلدی نہ کر شاید کوئی ایسی نیکی کرے جس سے اُس کا وہ گناہ مٹ جائے۔ اللہ فرماتا ہے اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ۔ یعنی نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں پس اگر وہ توبہ کرے تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا۔ لیکن اگر سات گھنٹے گذر

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۸﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ

ایک دائیں طرف دوسرا بائیں طرف جو ہر وقت اس کے ساتھ ہیں نہیں بولتا کوئی بات مگر یہ کہ اس کے ہی پاس ایک نگران

۲۰

عَتِيْدٌ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ

حاضر و موجود ہوتا ہے اور آئے گی موت کی تلخی برحق (دکھا جائے گا) یہ وہ ہے جس سے تو کنارا کرتا تھا

جائیں۔ اور وہ نہ کوئی نیکی بجالائے۔ اور نہ توبہ و استغفار کرے تو دائیں جانب والا کہتا ہے اس بدبخت انسان کا عمل لکھ لو۔

اور مروی ہے کہ فرشتہ صرف اس دعا اور قرأت کو نامۂ اعمال میں لکھتا ہے جو سنی جا سکے اور جو ذکر پروردگار انسان دل ہی دل میں کرتا رہے اُس کو فرشتہ نہیں لکھ سکتا بلکہ اس کا ثواب صرف اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ہوا میں خدا نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے جس کے ماتحت تین لاکھ فرشتے ہیں۔ اور اُن میں سے ہر فرشتہ ایک ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم ہے۔ اور یہ سب بندوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ جب سال ختم ہوتا ہے تو سجل نامی ایک فرشتہ تمام صحائف اعمال کو ایک جگہ لپیٹ کر محفوظ کر لیتا ہے۔

امام موسئے کاظم علیہ السّلام سے دریافت کیا گیا کہ انسان جب نیکی یا بدی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتوں کو کیسے معلوم ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے منہ سے ایک خوشبو نکلتی ہے جس سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ اب اس کا نیک ارادہ ہے۔ لہٰذا وہ ایک نیکی لکھ لیتا ہے۔ اور جب وہ عمل کرے تو دس نیکیاں لکھتا ہے۔ اسی طرح جب برائی کا ارادہ کرے تو ایک قسم کی بدبو اُس کے منہ سے نکلتی ہے جس سے فرشتہ سمجھ جاتا ہے کہ اب اس کا برائی کا ارادہ ہے پس جب کر گذرتا ہے تو اس کی زبان قلم اور اُس کی تھوک سیاہی بن جاتی ہے۔ اور وہ عمل درج ہو جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ صبح سے شام تک اس کی برائی نہیں لکھی جاتی۔ اور اس دوران میں اگر تائب ہو جائے تو وہ مٹ جاتی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مومن بیس برس گذرنے کے بعد بھی استغفار کرے تو اُس کا گناہ مٹ جاتا ہے۔ لیکن کافر آدمی کو فوراً ہی بھول جاتا ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نے عرض کی اے پروردگار! تو نے شیطان کو میری اولاد پر مسلط کر دیا ہے، تو مجھے بھی کچھ عطا فرما۔ پس ارشاد ہوا کہ تیری اولاد اگر برائی کا ارادہ کرے گی تو کچھ نہ لکھا جائے گا۔ اور برائی کرنے کے بعد ایک ہی لکھی جائے گی۔ اور اگر نیکی کا ارادہ کرے گی تو ایک درج ہوگی۔ اور عمل کرے گی تو دس گنا لکھی جائے گی۔ پس حضرت آدمؑ نے مزید طلب کیا تو ارشاد ہوا کہ میں نے ان کے لئے مرتے دم تک توبہ کی گنجائش رکھی ہے۔ تو آدمؑ نے کہا بس کافی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے پاس اسحٰق بن عمار آیا تو آپ نے اُس سے منہ پھیر لیا۔ اُس نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ تو نے اپنے دروازے پر دربان کھڑے کر دئیے ہیں۔ اُس نے عرض کی میں نے شہرت کے ڈر

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿٢١﴾ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا

اور صور میں پھونکا جائے گا (کیا جائیگا) یہ وعید کا دن ہے اور ہر نفس آئے گا کہ اس کے ہمراہ ایک

سَائِقٌ وَّشَهِيدٌ ﴿٢٢﴾ لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ

چلانیوالا اور ایک گواہ ہوگا تحقیق تو اس بات سے غافل تھا پس ہم نے تیرے پردے کھول دئے

سے ایسا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا شہرت سے ڈرتا ہے اور مصیبت سے نہیں ڈرتا۔ کیا تجھے معلوم نہیں جب ایک مومن دوسرے مومن سے ملاقات کرے اور مصافحہ کرے تو ان پر اللہ کی رحمت برستی ہے۔ اور جب باتیں کرنے بیٹھ جائیں تو لکھنے والے فرشتے بھی دور ہٹ جاتے ہیں کہ شاید ان کی آپس کی راز کی بات ہوگی۔ سائل نے پوچھا پھر مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ الخ۔ کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا۔ فرشتے نہیں سنتے تو خدا تو سنتا ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے جب ایک دوسرے کو دو مومن گلے لگاتے ہیں تو ان کے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں۔

سدیر سے مروی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا دوست اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے اور جیتے مرتے بھی خدا کی عبادت کیا کرتا ہے۔ میں نے عرض کی سونے اور مرنے کے بعد عبادت کا کیا مقصد ہے۔ تو آپ نے فرمایا جب وہ سوتا ہے تو خداوند کریم زمین کے فرشتوں کو حکم دیتا ہے جو اس کی بیداری تک عبادت کرتے ہیں۔ اور اس کا ثواب اس مومن کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے کہ ان کی ایک رکعت آدمیوں کی ہزار نمازوں کے برابر ہوتی ہے۔ اور مومن جب مرتا ہے تو اس کے دونوں فرشتے اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ ہمارا ساتھی مر چکا ہے۔ اب اس کے اعمال لکھنے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ لہذا ہمیں اجازت دی جائے تاکہ آسمان یا زمین کے کسی گوشے میں ہم عبادت کریں تو ان کو جواب ملتا ہے کہ آسمانوں میں میرے عبادت گذار کافی ہیں اور زمین میں بھی عبادت گذار موجود ہیں۔ پس تم اس کی قبر پہ جاؤ اور عبادت کرو۔ پس ان کی عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوگا۔ اور ان کی ایک رکعت آدمیوں کی ہزار نمازوں کے برابر ہوگی۔ الحدیث

نُفِخَ فِي الصُّورِ:۔ اس کی تشریح تفسیر کی جلد ۱۲ ص ۱۳۴ پہ گذر چکی ہے۔

سَائِقٌ وَّشَهِيدٌ:۔ یعنی بروز محشر ہر انسان کے ہمراہ دو فرشتے ہوں گے۔ ایک اس کو دربار میں پیش کرنے کے لئے۔ اور دوسرا اس کے اعمال کی گواہی کے لئے ہوگا۔

فَكَشَفْنَا عَنكَ:۔ مقصد یہ ہے کہ اس دن تمام حقائق سامنے ہوں گے اور ہر آدمی اپنا انجام معلوم کرے گا۔ اور اس فقرے کو حدید تک ہر روز صبح کی نماز کے بعد کم از کم سات مرتبہ پڑھا جائے تو آنکھوں کی بیماریوں سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

علی قسیم الجنۃ والنار

اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ۔ تفسیر برہان میں سید رضی کی کتاب مناقب فاخرہ سے منقول ہے۔ کہ ابن مسعود کہتا ہے میں ایک دن حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی:۔

غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ

لہٰذا تیری نظر آج تیز ہو گی اور اس کا ساتھی کہے گا یہ وہ ہے جو میرے پاس

اے آقائے نامدار! مجھے حق دکھائیے تاکہ میں اس کی اتباع کروں۔ آپ نے فرمایا اے ابن مسعود کمرے میں داخل ہو جاؤ چنانچہ میں اندر گیا تو دیکھا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام حالت نماز میں تھے اور نماز کے بعد انہوں نے دعا مانگی۔ اے اللہ اپنے عبد و رسول حضرت محمد مصطفٰےؐ کے صدقے میں میرے شیعوں کے گناہ بخش دے۔ پس میں وہاں سے نکلا تاکہ اس امر کی اطلاع دینے کے لئے حضرت رسولؐ خدا کے پاس جاؤں۔ چنانچہ وہاں پہنچا تو حضورؐ کو دیکھا کہ عبادت کے بعد دعا مانگ رہے ہیں اے اللہ اپنے عبد علیؑ کے صدقہ میں میری اُمّت کے گنہگاروں کو بخش دے۔ ابن مسعود کہتا ہے مجھے حیرت ہوئی اور مدہوش سا ہو گیا۔ اتنے میں حضورؐ نے سجدے سے سر اُٹھایا تو مجھے دیکھ کر فرمانے لگے۔ اے ابن مسعود ایمان کے بعد کفر نہ کرنا۔ میں نے عرض کی حضور! میں نے علیؑ کو دیکھا تو وہ آپ کا واسطہ دے کر دُعا کر رہے تھے۔ اور آپ کو دیکھا تو علی کا واسطہ دے کر دعا فرما رہے ہیں۔ حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ اے ابن مسعود خدا نے مجھے اور علی و حسنؑ و حسینؑ کو تمام مخلوق سے دو ہزار سال پہلے اپنے نورِ عظمت سے پیدا فرمایا جب کہ نہ تسبیح تھی نہ تقدیس۔ اور میرے نور سے آسمانوں[1] اور زمین کو پیدا کیا لیکن میں آسمانوں اور زمین سے افضل ہوں۔ اور علی کے نور سے عرش و کرسی[2] کو پیدا کیا لیکن علیؑ عرش و کرسی سے افضل ہے۔ حسنؑ کے نور سے لوح[3] و قلم کو پیدا کیا۔ اور حسنؑ لوح و قلم سے بہتر ہے اور حسینؑ کے نور سے جنّت اور حور عین[4] کو خلق فرمایا لیکن حسینؑ جنّت اور حور عین سے افضل ہے۔ پس مشرق و مغرب میں ایک مرتبہ تاریکی چھا گئی تو فرشتوں نے دعا مانگی۔ اے پروردگار! ان پاک انوار کے صدقے میں ہم سے تاریکی کو دور فرما۔ پس خداوند کریم نے ایک روح اور ایک نور کو خلق فرمایا اور نور و روح کو ملا کر اس سے جناب فاطمہؑ زہرا کو خلق فرمایا۔ جس کے نور سے مشرق و مغرب[5] روشن ہو گئے۔ اے ابن مسعود! قیامت کے دن خدا مجھے اور علیؑ کو فرمائے گا۔ جسے چاہو جہنّم میں داخل کرو۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ۔ پس کفار سے مراد ہر وہ شخص ہے جو میری نبوت کا انکار کرے اور عنید سے مراد ہر وہ شخص جو علی اور اہل بیت کا انکار کرے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بروز قیامت حضرت محمد مصطفٰےؐ اور حضرت علی مرتضٰےؑ صراط پر کھڑے ہوں گے اور صراط سے کوئی نہیں گذر سکے گا۔ مگر وہ جس کے پاس برأت نامہ ہو گا۔ محمد بن حمران راوی کہتا ہے میں نے پوچھ لیا کہ برأت نامہ سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا حضرت علی اور اس کی اولاد طاہرین کی ولایت کی سند۔ پس اُس وقت ایک منادی ندا کرے گا۔ اے محمدؐ اے علیؑ جہنم میں ہر اُس شخص کو ڈالو جو نبوت سے کفار یعنی منکر اور ولایت سے عنید یعنی سرکش ہو۔

ایک روایت میں حضرت رسالت مآبؐ سے جب آیت مجیدہ کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اے علیؑ جب قیامت کے روز خدا لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کرے گا تو میں اور تو عرش کے دائیں جانب ہوں گے۔ پس اللہ ہم کو حکم دیگا

عَتِيدٌ ﴿٢٤﴾ اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٥﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ

حاضر ہے (حکم ہوگا) پھینکدو تم دونو جہنم میں ہر منکر سرکش کو جو خیر سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا اور

مُّرِيبٍ ﴿٢٦﴾ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَـٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ

شکی ہے جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود ٹھہرایا ہوا تھا پس اسکو سخت عذاب میں

الشَّدِيدِ ﴿٢٧﴾ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَـٰكِن كَانَ فِي ضَلَالٍ

ڈال دو اس کا گمراہ ساتھی کہے گا اے پروردگار میں نے اسس کو گمراہ نہیں کیا تھا لیکن خود وہ گہری گمراہی میں

بَعِيدٍ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُم بِالْوَعِيدِ ﴿٢٩﴾

تھا (اللہ) کہے گا میرے پاس جھگڑا نہ کرو اور میں تمہارے پاس وعید پہلے بھیج چکا ہوں

اپنے دشمن و مخالف کو جہنم میں ڈال دو۔

تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابوسعید خدری حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ بروز محشر خدا مجھے اور علیؑ کو فرمائے گا کہ اپنے دشمن کو جہنم میں ڈالو۔ اور اپنے محب اور دوست کو جنت میں داخل کرو۔ اور حضرت علی علیہ السلام کے قسیم الجنۃ والنار ہونے کی احادیث بکثرت وارد ہیں جو کہ حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ حدیث وسیلہ بھی اس مضمون پر مشتمل ہے جو تفسیر کی دوسری جلد میں مفصل مذکور ہے اور مقدمہ تفسیر میں بھی اس مضمون کی احادیث نقل کی جا چکی ہیں۔

مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ:۔ خیر سے روکنے والا اس کا ظاہری مصداق ولید بن مغیرہ کو قرار دیا گیا ہے کہ اس سے اپنے بھتیجوں نے اسلام لانے کا مشورہ پوچھا تھا تو اس نے ان کو منع کیا تھا لیکن تاویل کے لحاظ سے تا قیامت دوسروں کو کار خیر سے روکنے والے اس آیت کے ذیل میں داخل ہوتے رہیں گے۔

اِلٰهًا اٰخَرَ:۔ یعنی وہ شخص ہے جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کو لائق عبادت اور مقصود حاجات ٹھہرایا ہوا تھا۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ:۔ اس جگہ قرین سے مراد وہ شیطان ہے جس نے اس کو گمراہ کر کے غلط راستے پر لگایا ہوا تھا یا اس سے مراد وہ علماء سو ہیں جنہوں نے غلط اور ناجائز عقائد اس کو تعلیم کئے تھے۔ قیامت کے دن وہ اس سے بیزار ہوں گے اور کہیں گے ہم نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود گمراہ تھا۔ تو اس کے جواب میں ارشاد خداوندی ہوگا کہ اب میرے دربار میں جھگڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تم پر اتمام حجت کر چکا ہوں۔ اور اپنے نمائندے بھیج کر اس جہنم سے تم کو ڈرانے کا پیغام دے چکا ہوں لیکن تم نے پرواہ نہ کی۔ اب میرا قول تبدیل نہیں ہوگا وہ یہ کہ نافرمانوں کے لئے دائمی آتش جہنم ہے اور یہ میرا ظلم [illegible] بلکہ عدل ہے کیونکہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۳۰﴾ يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ

میرے پاس بات تبدیل نہیں کی جا سکتی اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر

امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ﴿۳۱﴾ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ

چکی ہے؟ اور وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ اور جنت قریب کی جائے گی متقیوں کے کہ نہ دور ہو گی۔

بَعِيدٍ ﴿۳۲﴾ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ﴿۳۳﴾ مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ

دکھا جائے گا) یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہر توبہ کرنے والے بچنے والے کے لئے ہے جو تنہائی میں بھی خدا سے

بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ﴿۳۴﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ﴿۳۵﴾

ڈرتا ہو اور رجوع کرنیوالے دل کے ساتھ (اُسکی بارگاہ میں) آئے اس جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ یہ ہمیشگی کا دن ہے

لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿۳۶﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم

ان کے لئے وہ سب کچھ ہو گا جو وہاں چاہیں گے اور ہمارے پاس بہت کچھ ہے اور کس قدر ہم نے ہلاک کیا ان سے پہلے

رکوع ۱۷

هَلْ مِنْ مَّزِيْد :۔ عامۃ المسلمین نے اس جگہ سخت ٹھوکر کھائی ہے کہ جب خدا جہنم کو کہے گا کیا تو بھر چکی ہے تو وہ مزید کی طالب ہو گی۔ جب تمام دشمنان خدا لقمۂ جہنم ہو جائیں گے تب بھی وہ هل من مزید کی رٹ لگاتی رہے گی پھر اس کے اندر پہاڑوں کو داخل کیا جائے گا۔ تب بھی اُس کی ہوس پوری نہ ہو گی۔ آخر کار فَيَضَعُ الْجَبَّارُ فِيهَا قَدَمَهٗ۔ یعنی خدا اپنا قدم اس میں رکھے گا تو وہ کہے گی۔ قط قط یعنی بس بھر چکی ہوں (مشکوٰۃ و بخاری وغیرہ) اور آلِ محمد جو ابواب مدینۂ علوم ہوتے ہیں ان سے تفسیر قرآن حاصل نہ کرنے کے نتیجے میں اس قسم کی غلطیاں لوگوں سے صادر ہوئیں حالانکہ خدا جسم و جسمانیات سے مبرا و منزہ ہے۔ اور شیعہ کے نزدیک وہ خدا خدا نہیں جو اپنے قدم کو جہنم میں ڈالنے والا ہو۔ پس اس جگہ هل من مزید کا استفہام انکاری ہے۔ یعنی جب اس سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تو پُر ہے؟ تو وہ از راہِ انکار کہے گی کہ ابھی کچھ اور بھی باقی ہے؟ یعنی میں سیر ہو چکی ہوں۔ مجھ میں مزید کی گنجائش نہیں ہے۔ اور اگر اس کو استفہام انکاری نہ بھی قرار دیا جائے تو ضروری نہیں کہ خدا کو ہی اپنا پاؤں اس میں ڈالنا پڑے حالانکہ وہ اس سے منزہ ہے بلکہ جہنم کی وسعت و قوت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

وَأُزْلِفَتْ :۔ ازلاف کا معنی ہے قریب کرنا اور زلفی بمعنی قرب اسی سے ہے۔

فَنَقَّبُوا :۔ نقب کا معنی راستہ بنانا ہوتا ہے۔ اور اس جگہ مقصد یہ ہے کہ انہوں نے دور دور تک شہروں اور ملکوں میں فتوحات حاصل کیں اور اپنی آمدورفت کے لئے یہاں سے وہاں تک راستے بنا ڈالے۔ اس لئے کہ وہ خوب

مِنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾

قوموں کو جو ان سے طاقت میں مضبوط تر تھیں جنہوں نے ملک فتح کئے کیا ان کے لئے کوئی بچاؤ تھا؟

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾

تحقیق اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو صاحب دل ہو یا کان لگا کر سنے اور اس کی طرف پورا متوجہ ہو

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا

اور تحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو کچھ ان کے اندر ہے چھ دنوں میں اور ہمیں کوئی تھکان

مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ

نہیں ہوئی پس وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے سورج نکلنے سے

الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

پہلے اور غروب سے پہلے اور رات کے بعض حصہ میں اس کی تسبیح کرو اور سجدہ کے بعد

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ

اور کان دھر کے سنو جس دن پکارے گا پکارنے والا نزدیک کے مکان سے جس دن یہ لوگ حق کی آواز

تنومند اور طاقت ور تھے۔

حضرت علی کی فضیلت

كَانَ لَهٗ قَلْبٌ :۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسالت مآبؐ کے پاس دو اونٹنیاں بطور ہدیہ کے پہنچیں تو آپؐ نے صحابہ سے خطاب کر کے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص ایسی دو رکعتیں ادا کرے جن میں کوئی دنیاوی خیال اس کے دل پر نہ گذرے تو ان میں سے ایک اونٹنی اس کو دوں گا۔ حضورؐ نے یہ اعلان تین بار دہرایا۔ کسی کو لبیک کہنے کی جرأت نہ ہوئی پس حضرت علی علیہ السلام نے لبیک کہی۔ چنانچہ جب دو رکعت ادا کر چکے تو حضرت جبریل کا نزول ہوا کہ خدا تحفۂ درود و سلام کے بعد فرماتا ہے۔ حسب وعدہ ایک اونٹنی علی کے حوالے کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں نے شرط لگائی تھی کہ خیال اس کے دل میں کوئی نہ گذرے لیکن علیؑ نے حالت تشہد میں یہ خیال کیا تھا کہ ان میں کونسی لوں تو جبریل نے دوبارہ پلٹ کر عرض کی کہ خدا فرماتا ہے علیؑ کا وہ خیال دنیاوی نہ تھا بلکہ میری خوشنودی کے لئے تھا۔ کیونکہ علیؑ نے سوچا تھا کہ ایسی اونٹنی لوں گا جو زیادہ موٹی ہو تاکہ اس کو نحر کر کے مساکین پر صدقہ کروں گا۔ پس خوشی کے مارے رسول اللہ پر گریہ طاری ہوا۔ اور وہ دونوں اونٹنیاں حضرت علیؑ کے حوالے کر دیں۔ اور

بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾

سنیں گے یہ اُٹھنے کا دن ہوگا تحقیق ہم زندہ کرتے ہیں اور ہم مارتے ہیں اور ہماری طرف بازگشت ہوگی

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾

جس دن زمین شگافتہ ہوگی اُن سے دنکلیں گے جلدی یہ جمع کرنا ہم پر آسان ہے

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ

ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور تو اُن کے اُوپر جبر کرنے والا نہیں ہے پس قرآن کے

بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿٤٥﴾ ع ۱۷

ساتھ نصیحت کرو اس کو جو وعید سے ڈرتا ہے

یہ آیت اُتری اپس ذوالقلب بھی اس آیت میں علیؑ ہے اور شہید بھی علیؑ ہے۔ چنانچہ ایک خطبے میں بھی آپ نے اسی آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ذوالقلب ہوں۔

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ :۔ آسمانوں اور زمین کی چھ دنوں میں پیدا کرنے کی تشریح تفسیر کی جلد ۶ صفحہ ۴ جلد صفحہ ۱۹۲ جلد صفحہ ۱۰۲ پر ملاحظہ ہو۔

سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ :۔ تین اوقات نماز کا بیان ہے۔ طلوعِ شمس سے پہلے صبح کی نماز غروب سے پہلے دو نمازیں ظہر و عصر اور اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہرین کا آخر وقت غروب آفتاب ہے۔ اور رات کی نمازیں مغرب اور عشاء ہیں۔ اور ادبار السجود سے نافلہ مغرب یا جملہ فرائض کے بعد والے نوافل یا نماز وتر یا تعقیبات نماز باختلاف اقوال مراد لیے گئے ہیں۔ اور اوقاتِ نماز کا بیان اس سے پہلے تفسیر کی جلد، صفحہ ۲۴۵ پر گذر چکا ہے۔ اور اس آیت میں پانچ نمازوں کے لئے تین اوقات کا ذکر ہے۔

يُنَادِ الْمُنَادِ :۔ یہ دوسری دفعہ اسرافیل کے صور پھونکنے کا ذکر ہے اور مکان قریب سے مراد یہ ہے کہ یُوں معلوم ہوگا کہ بالکل قریب کہیں سے آواز آرہی ہے یعنی ہر آدمی اس کو اپنے قریب سمجھے گا۔ تفصیل جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۴ پر گذر چکی ہے۔

سورۃ والذّاریات

یہ سورہ مکیۃ ہے۔

آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت اکسٹھ ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے جو شخص سورہ الذاریات کی تلاوت کرے، اس کو ہر چلنے والی ہوا سے دس گنا زیادہ نیکیاں عطا ہوں گی۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص دن یا رات میں اس سورہ کو پڑھتا رہے خدا اس کی روزی آسان کرے گا اور اس کا رزق وسیع ہو گا نیز قبر میں اس کو ایک نور عطا ہو گا جو تا قیامت اس کی قبر میں روشنی کا موجب ہو گا۔

خواص القرآن سے منقول ہے۔ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا جو شخص اس کو برتن میں لکھ کر دھو کر پیئے تو اس کے پیٹ کا درد ختم ہو جائے گا اور اگر حاملہ عورت پر باندھا جائے تو وضع حمل آسان ہو گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر اس کو قریب المرگ شخص کے پاس لکھا جائے تو اس کے روح کا نکلنا آسان ہو گا۔ باذن اللہ۔

اگر کسی عمل کے ذریعے سے مرد کو عورت کے قریب جانے سے باندھ دیا گیا ہو تو زیتون کے دو پتے لے کر ایک پتے پر سورہ ذاریات کی آیت ۴۸ وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا الخ، کو لکھ کر مرد کو کھلا دیں اور دوسرے پتے پر آیت ۴۹ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا الخ لکھ کر عورت کو کھلا دیں، انشاء اللہ ان کی بندش دور ہو جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾ وَالذّٰرِیٰتِ ذَرۡوًا ﴿۲﴾ فَالۡحٰمِلٰتِ

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں) قسم ہے ذرات کو بکھیرنے والی ہواؤں کی پانی کا بوجھ اٹھانیوالے

وِقۡرًا ﴿۳﴾ فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا ﴿۴﴾ فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا ﴿۵﴾ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ

بادلوں کی اور آسانی سے پانی کی سطح پر چلنے والی کشتیوں کی پس امر کو تقسیم کرنے والے فرشتوں کی بے شک جو تم سے وعدہ کیا گیا

لَصَادِقٌ ﴿۶﴾ وَّاِنَّ الدِّیۡنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡحُبُکِ ﴿۸﴾

ہے وہ سچ ہے اور تحقیق جزا واقع ہونے والی ہے اور آسمان کی قسم جس میں دھاریاں ہیں

رکوع ۱۸

وَالذّٰرِیٰتِ :- ذَرَا یَذۡرُوۡا سے ہے۔ ہوا کا مٹی کے ذرات یا تنکوں کو اڑانا اور فضا میں بکھیرنا۔ آیت مجیدہ میں ہواؤں کی قسم ہے۔ یا یہ کہ اس کا مضاف محذوف ہے۔ یعنی رَبُّ الذَّارِیَاتِ اور معنی ہوگا ہواؤں کے رب کی قسم۔

فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا :- وِقر اور وَقر میں یہ فرق ہے کہ وَقر کانوں کے بہرہ پن کو کہا جاتا ہے اور وِقر بوجھ کو کہا جاتا ہے۔ جو پشت پر اٹھایا جائے۔ پس حاملات کا موصوف محذوف ہے۔ یعنی پانی کا بوجھ اٹھانے والے بادلوں کی قسم یا مضاف محذوف ہونے کی صورت میں ان کے رب کی قسم۔

فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا :- اس کا موصوف سفن محذوف ہے یعنی پانی پہ چلنے والی کشتیوں کی قسم جو آسانی سے پانی کی سطح پر تیرتی ہیں

فَالۡمُقَسِّمٰتِ :- اس کا موصوف ملائکہ محذوف ہے۔ یعنی اُمور کے تقسیم کرنے والے ملائکہ کی قسم یا اُن کے رب کی قسم۔ اگر مضاف کو محذوف مانا جائے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بندوں کے لئے غیر اللہ کی قسم کھانا ناجائز ہے۔ لیکن اللہ اپنی مخلوق میں سے جس چیز کی قسم کھائے جائز ہے۔

لَصَادِقٌ :- اسم فاعل کا صیغہ ہے لیکن مصدر کے قائم مقام ہے۔ یعنی وہ جو وعدہ کیا گیا ہے وہ سچ ہے۔ کیونکہ وعدہ کو سچ کہا جاتا ہے اور وعدہ کرنے والے کو سچا کہا جاتا ہے۔

اِنَّ الدِّیۡنَ :- یعنی قیامت کا دن ضرور آئے گا جس میں نیکیوں اور برائیوں کا بدلہ دیا جائے گا۔

ذَاتِ الۡحُبُکِ :- حُبُک کا واحد حباک یا حبیکہ آتا ہے اس کا معنی ہے طرائق یعنی دھاریاں۔ اور پانی کی سطح پہ ہوا کی وجہ سے پیدا ہونے والی لہروں کو بھی حبک کہا جاتا ہے اور حبک کا معنی خوشنما ہونا اور دلکش ہونا بھی منقول ہے۔ اور امام علی رضا علیہ السلام سے اس کا معنی ایک دوسرے کے اُوپر نیچے ہونا مذکور ہے۔ چنانچہ آپ نے زمین پر ایک ہاتھ رکھا پھر اس کے اُوپر دوسرا ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ نیچے اس طرح زمین ہے اور اس کے اوپر آسمان کا گنبد نما شامیانہ ہے پھر زمین پھر اوپر آسمان وعلیٰ ہذا القیاس۔ سات زمینیں اور سات آسمان اور سب کے اوپر اللہ کا عرش ہے (مجمع البیان) اور ممکن ہے

إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿٩﴾ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ﴿١٠﴾ قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ ﴿١١﴾
تحقیق تم (محمدؐ کے متعلق) مختلف نظریے رکھتے ہو اس سے پھیر دیا جاتا ہے جو (حق سے) پھیر دیا جائے ملعون ٹھہرے شک کرنے والے
الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ ﴿١٢﴾ يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٣﴾ يَوْمَ
جو گمراہی کی گہرائی میں بھٹکنے والے ہیں وہ پوچھتے ہیں جزا کا دن کب آئے گا ؟ جس دن
هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ﴿١٤﴾ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ
وہ آگ پر عذاب دئے جائیں گے (کہا جائے گا) چکھو اپنا عذاب یہ وہ ہے جس کی تم جلدی
تَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٥﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٦﴾ آخِذِينَ مَا
چاہتے تھے تحقیق متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے لیں گے (وہ) جو ان

اس سے سات سیاروں کی آبادیاں مراد ہوں۔ اور ہر ایک کا آسمان اسی طرح ہو جس طرح زمین والوں کا آسمان ہے اور تحقیقات جائزہ سے کسی حد تک اسی امر کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے اور شیخ ابوالحسن شعرانی محشی مجمع البیان فرماتے ہیں کہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ سیاروں میں سے ہر کرہ ایک زمین ہے۔ اور وہ فضائے محیط جس میں وہ چکر لگاتا ہے اس کا آسمان ہے۔ روایت سابقہ میں اس آیت مجیدہ سے استشہاد کیا گیا ہے۔ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ الآیۃ۔ یعنی اللہ نے سات آسمان بنائے اور اُن جیسی زمینیں بھی۔ ان کے درمیان امر نازل ہوتا ہے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ صاحب الامر نبی اور اس کے بعد اس کا قائم مقام ولی ہوتا ہے۔ جس پر اوپر سے امر نازل ہوتا ہے۔ اور فرمایا ہمارے نیچے صرف ایک زمین ہے۔ باقی چھ زمینیں ہمارے اوپر ہیں (مجمع البیان والبرہان)۔

قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ:- اس آیت کی ظاہری تفسیر تو ظاہر ہے کہ مشرکین مکہ حضورؐ کے متعلق قسم قسم کی باتیں کرتے تھے۔ کبھی کہتے تھے۔ شاعر ہے۔ کبھی کہتے تھے۔ دیوانہ ہے اور کبھی جادوگر کہہ دیتے تھے۔ اور چونکہ قرآن مجید قیامت تک زندہ کتاب ہے لہٰذا اس کی تاویل کا تاقیامت موجود رہنا ضروری ہے۔ اور اسی بنا پر تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ پیغمبر کے بعد اُن کے قائم مقام ولی کے متعلق اُمت میں جو اختلاف پیدا ہوا۔ یہ آیت مجیدہ اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے پس جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت میں داخل ہو گئے وہ جنتی ہوئے اور جو آپ سے منحرف ہوئے وہ جہنمی ٹھہرے اسی بنا پر يُؤْفَكُ عَنْهُ۔ میں ضمیر غائب کا مرجع جنت ہے اور معنی یہ ہے کہ جنت سے پھیر دیا جائے گا۔ وہ جو علیؑ کی ولایت سے پھر جائے گا۔ اور اسی معنی کی روایت تفسیر قمی سے بھی نقل کی گئی ہے۔

اَلْخَرَّاصُوْنَ۔ یعنی جو لوگ رسول اللہ کے متعلق اندازے اور گمان کی باتیں کہتے ہیں (خرص کا معنی اندازہ کرنا ہوتا ہے)

اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿١٦﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ

کو رب نے دیا کیونکہ وہ اس سے پہلے (دنیا میں) احسان کرنے والے تھے(۱) رات(۲) کو کم

الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ

سوتے تھے اور سحر کے وقت(۳) استغفار کرتے تھے اور ان کے(۴) مالوں میں

حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿١٩﴾ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَفِيْٓ

سائل اور محروم کا حق ہوتا ہے اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہارے

وہ مستحق نفرین ولعنت ہیں۔

فِيْ غَمْرَةٍ :۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ جہالت کا پہلا درجہ سہو پھر غفلت اور آخری درجہ غمرہ کہلاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ کے متعلق مختلف قسم کی باتیں کرنے والے اور اپنے اندازے اور ظن سے قیاس آرائیاں کرنے والے جہالت کی آخری سٹیج پر پہنچے ہوئے ہیں۔

يَسْئَلُوْنَ :۔ وہ ازراہ تمسخر پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ ان کو سرزنش کی گئی ہے کہ آخر قیامت ضرور آئے گی۔ اور ان کو اس وقت پتہ چلے گا جب جہنم کی بھٹی میں ان کو جھونک دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ اس عذاب میں جلتے رہو۔ کیونکہ یہ وہی ہے جس کے جلدی آنے کی تم خواہش کرتے تھے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ :۔ نافرمانوں اور منکروں کے لئے جہنم کے ذکر کے بعد نیک اور متقی لوگوں کے لئے جنت کا ذکر فرمایا تاکہ طالب ہدایت کے سامنے دونوں پہلو موجود ہوں۔ اور وہ اپنے انفرادی فیصلہ کن مرحلہ تک پہنچانے میں آسانی محسوس کرے۔ پس فرمایا کہ متقی لوگ جنت میں اللہ کے عطا کردہ انعامات میں بسر کریں گے۔ ان کی علامتیں یہ ہیں کہ وہ دنیا میں احسان کرنے والے ہیں اور ساری رات نہیں سویا کرتے بلکہ ان کی عادت یہ ہے کہ سوتے کم ہیں اور جاگ کر عبادتِ پروردگار میں زیادہ وقت خرچ کرتے ہیں۔ اور سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سحر کے وقت استغفار کرنے سے مراد نماز وتر کے دعائے قنوت میں ستر دفعہ استغفار پڑھنا ہے۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا رات کو ہر بندہ خود بخود تین مرتبہ جاگتا ہے۔ اگر پھر بھی نہ اٹھے تو شیطان اس کے کان میں پیشاب کر کے چلا جاتا ہے۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ :۔ یعنی متقی اور جنتی لوگوں کی علامات میں سے ہے کہ ان کے اموال میں سے حقوق واجبہ زکوٰۃ و فطرہ و نذر وغیرہ مستحقین تک پہنچتے ہیں۔ خواہ وہ سائل ہوں یا محروم ہوں۔ سائل سے مراد وہ مستحق ہے جو اپنا استحقاق ظاہر کر کے سوال کر کے وصول کرے۔ اور محروم سے مراد وہ مستحق ہے جو سوال کرنے کا عادی نہ ہو۔ اور اس کو محروم اس لئے کہا گیا ہے کہ چونکہ وہ سوال نہیں کرتا اس لئے دینے والے لوگوں کو اس کے استحقاق کا پتہ نہیں چلتا لہٰذا وہ شخص عمومی عطیات سے محروم رہتا ہے

أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢٢﴾ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٣﴾ فَوَ

نفسوں میں بھی کیا تم بصیرت حاصل نہیں کرتے — اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تم وعدہ کئے گئے ہو پس آسمان و

لہٰذا جس شخص کو معلوم ہو کہ فلاں مستحق ہے لیکن سوال نہیں کرتا۔ تو اُس کو دینا دوسروں کو دینے سے افضل ہے۔

دلیل توحید

وَفِي الْأَرْضِ: یعنی زمین اور اطرافِ عالم میں نگاہ کرنے والے انسان کے لئے توحید کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں کیونکہ کائنات کی ہر چیز اپنے اپنے مقام پر اپنے صانع و محسن کے وجود کا پتہ دے رہی ہے۔ گویا زمین ایک ایسی کھلی ہوئی کتاب ہے جس کی ہر ہر سطر پر توحید پروردگار کا واضح بیان موجود ہے۔ اور زمین یا عالم ممکنات کی دوسری اشیائے سے غض بصر کرنے کے بعد انسان اپنے وجود میں اگر دھیان کرے تو اس کے جسم کا ہر حصہ خون کا ہر قطرہ رگ رگ، پٹھہ پٹھہ، جوڑ جوڑ اور بال بال اپنے خالق کی یکتائی کا پتہ دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَفِي أَنفُسِكُمْ۔ یعنی تمہارے اپنے نفسوں میں توحید صانع کے دلائل و براہین موجود ہیں تم کیوں غور نہیں کرتے؟ تفسیر برہان میں ہے جب ابن ابی العوجاء کے سامنے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے توحید پروردگار پر استدلال قائم فرمایا تو اُس نے اعتراض کیا کہ اگر اللہ موجود ہے تو وہ رسول کیوں بھیجتا ہے۔ خود سامنے آ کر مخلوق کو اپنی عبادت کی دعوت کیوں نہیں دیتا۔ وہ خود پوشیدہ کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا، تیرے لئے مقام افسوس ہے کہ سمجھتے نہیں ہو جس کے آثار قدرت تیرے اپنے اندر موجود ہیں۔ وہ تجھ سے مخفی اور پوشیدہ کیونکر ہے؟ تیرا نہ ہونے کے بعد ہو جانا بچپنے کے بعد جوانی و بڑھاپا۔ طاقت کے بعد کمزوری یا کمزوری کے بعد طاقت تندرستی کے بعد بیماری۔ یا بیماری کے بعد تندرستی۔ غصے کے بعد رضامندی یا رضامندی کے بعد غصہ۔ خوشی کے بعد غمی یا غمی کے بعد خوشی۔ نفرت کے بعد نفرت یا نفرت کے بعد محبت۔ سستی کے بعد عمل یا عمل کے بعد سستی۔ کراہت کے بعد چاہت یا چاہت کے بعد کراہت ڈر کے بعد رغبت یا رغبت کے بعد ڈر۔ ناامیدی کے بعد اُمید۔ یا اُمید کے بعد ناامیدی۔ اسی طرح بھول کے بعد یاد یا یاد کے بعد بھول وغیرہ۔ (یہ سب اس کے وجود کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟) وہ کہتا ہے کہ آپ اسی طرح مسلسل میرے اندر پیدا ہونے والی نفسی کیفیات کو ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ اللہ میرے سامنے موجود ہے۔

وَفِي السَّمَاءِ: آسمانی رزق سے مراد بارش ہے جو زمینی آبادی کا باعث بنتی ہے یا یہ کہ آسمان میں لوح محفوظ ہے جس میں تمہارے رزق معین کر دیئے گئے ہیں اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یعنی ثواب و عقاب اور جنت و نار یہ بھی آسمان میں ہے۔

إِنَّهُ لَحَقٌّ: یعنی جو کچھ قرآن مجید میں موجود ہے یا جو کچھ میرا حبیب میری طرف سے تم کو بیان کرتا ہے وہ سب حق ہے۔ اور اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں جس طرح تم کو اپنے بولنے میں کوئی شک نہیں ہوتا۔

مِثْلَ مَا: اگر مثل پر ضمہ پڑھا جائے تو حق کی صفت واقع ہوگا کیونکہ مثل اور غیر اس قدر مبہم ہیں کہ مضاف ہونے کے بعد بھی ان کی تنکیر باقی رہتی ہے اس لئے یہ نکرہ کی صفت واقع ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اس پر فتحہ پڑھا جائے تو یہ محلاً مرفوع اور لفظاً مبنی علی الفتحہ ہوگا۔ کیونکہ بعض نحویوں نے کہا ہے کہ جس طرح باقی اسماء مضاف ہو کر مضاف الیہ سے تعریف یا تخصیص حاصل کرتے

رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ ع ۱۸

زمین کے رب کی قسم بے شک یہ حق ہے جس طرح کہ تم بولتے ہو

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا

کیا تمہارے پاس حضرت ابراہیم کے مکرم مہمانوں کی خبر پہنچی ؟ جب وہ آپ کے

عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ

پاس آئے تو سلام کہا آپ نے جواب سلام کہا (اور دل میں کہا) کہ یہ اوپرے لوگ ہیں پس چپکے سے گھر گئے تو

فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ

گائے کے موٹے تازے بچھڑے (کا بھنا ہوا گوشت) لائے اور ان کے آگے رکھ دیا پھر کہنے لگے کیا کھاتے نہیں ہو ؟ پس ان سے

مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ

ڈر محسوس کرنے لگے تو انہوں نے کہا ڈرو نہیں اور انہوں نے ایک دانا بیٹے کی خوشخبری بھی سنائی (یہ سنتے ہی) ان کی بیوی چیختی

امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾

ہوئی آئی پس اس نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہنے لگی (میں تو) ایک بڑھیا بانجھ عورت ہوں

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

انہوں نے کہا اسی طرح تیرے رب نے فرمایا ہے بے شک وہ دانا بینا ہے

ہاں۔ اسی طرح اسماء مبہمہ مضاف الیہ سے بنا بعض مبنی ہونا حاصل کرتے ہیں۔ جس طرح یَوْمَئِذٍ. حِيْنَئِذٍ غیرما اور مِثْلَ مَا۔ اور بعض نحویوں نے آیت مجیدہ میں مِثْلَمَا کو ایک کلمہ قرار دیا ہے اور مَا کو زائدہ بھی قرار دیا گیا ہے اور اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۔ مفرد کی تاویل میں ہے یعنی مِثْلَ نُطْقِكُمْ

رکوع ۱۹

هَلْ اَتٰىكَ : ۔ جب حضرت لوط علیہ السّلام کی قوم کو معذب کرنے کے لئے فرشتے آئے تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پاس بشکل انسانی پہنچے ۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کو نہ پہچانا اور ان کو اطلاع دیئے بغیر گھر میں ان کے کھانے کا بندوبست کرنے کا حکم دیدیا۔ روغ کا معنی ہے کسی کو اطلاع دیئے بغیر کھسک جانا اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ان کو بتائے بغیر اس لئے کھانے کا انتظام فرمایا کہ اگر ان کو بتایا جائے تو مبادا ازراہِ تکلف کہہ دیں کہ حضور تکلیف نہ فرمادیں ۔

بِعِجۡلٍ سَمِیۡنٍ:۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی مالداری گائے اور بیلوں میں منحصر تھی۔ پس جب وہ گائے کا موٹا تازہ بچھڑا ذبح کر کے بھون کے لائے تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا جس سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو ان سے خطرہ محسوس ہوا کہ یہ کہیں ڈاکو لٹیرے نہ ہوں تب انہوں نے کہا کہ ہم خدا کے فرستادہ فرشتے ہیں لہٰذا غذا کھانے کی ضرورت نہیں رکھتے اور ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ولادتِ فرزند کی بشارت بھی انہوں نے دی جس پر ان کی عمر رسیدہ بیوی جناب سارہ نے منہ پیٹ لیا کہ میں بڑھیا اور بانجھ عورت ہوں جو اولاد جننے کے قابل ہی نہیں کیسے بچہ جنوں گی فرشتوں نے جواب دیا اللہ حکیم و علیم ہے اور اُس نے یہی حکم دے کر ہمیں بھیجا ہے۔ یہ واقعہ جلد ۷ صفحہ ۲۳ پر بیان کیا جا چکا ہے۔

پارہ ۲۷

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

کہا ابراہیم نے پس کیا کام ہے تمہارا اے خدا کے فرستادہ فرشتو کہنے لگے ہمیں مجرم لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾

تاکہ ان پر مٹی کے پتھر برسائیں جو تیرے رب کے نزدیک علامت شدہ ہیں تجاوز کرنے والوں کے لئے

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ

پس وہاں سے نکال دیا ہم نے ان کو جو مومن تھے پس نہ پایا ہم نے اس میں مسلمانوں میں سے

بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ

سوائے ایک گھر کے اور ہم نے اس میں نشانی چھوڑ دی ان لوگوں کے لئے جو دردناک

رکوع ۲

قَالَ فَمَا بیٹے کی بشارت سننے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ملائکہ سے دریافت کیا کہ تم کس کام کے لئے آئے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم مجرم لوگوں پر عذاب بھیجنے کے لئے اُترے ہیں اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تھی جن میں عمل لواطت کے علاوہ غسل جنابت نہ کرنے اور پاخانہ پھرنے کے بعد استنجاء نہ کرنے کی عادات بھی تھیں۔

حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ:- تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جو لوگ گھروں میں موجود تھے۔ ان کی بستیوں کو تہ و بالا کر کے ان کو غرق کر دیا گیا۔ اور جو اس موقعہ پر گھروں سے باہر تھے ان پر پتھر برسا کر ختم کر دیا گیا اور تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت لوط کی بیوی جو پیچھے رہ گئی تھی وہ پتھر لگ کر مر گئی۔

قصّہ:- جب فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کو بتایا کہ ہم حضرت لوط کی قوم کو معذب کرنے جا رہے ہیں تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت لوطؑ کے متعلق پوچھا کہ اس کا کیا حال ہوگا۔ تو فرشتوں نے کہا کہ اللہ اس کو بچا لے گا۔ عذاب سے پہلے حضرت لوطؑ کو بتایا گیا تھا کہ ہم تیری قوم کو معذب کرنے کے لئے آئیں گے۔ تم راتوں رات نکل جانا اور اپنے افراد کنبہ کو بھی لے جانا۔ اور وہ اس طرح کہ آج سمیت سات دن گذار کر آٹھویں رات عذاب آئے گا۔ چنانچہ جب وہ سات دن گذر گئے تو آٹھویں کی رات طلوع صبح کے وقت وہ فرشتے ابراہیمؑ کے پاس آئے اور لڑکے کی بشارت کے بعد عذاب قوم لوط کی خبر سنائی۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے دفع عذاب کی سفارش کی تو ارشاد قدرت ہوا۔ اے ابراہیم اب تم ان کی سفارش نہ کرو۔ يَآ اِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ یعنی اے ابراہیم قوم لوط کی سفارش والی بات چھوڑ دیجئے کیونکہ اللہ کی جانب سے ان کے عذاب کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے اور اب نہ ٹلنے والا عذاب

الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٣٨﴾ وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ

عذاب سے ڈرتے ہیں اور موسیٰ کے قصہ میں (بھی نشانی ہے ہماری قدرت کی) جب ہم نے اس کو واضح معجزہ دیکر فرعون

مُبِينٍ ﴿٣٩﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٤٠﴾ فَأَخَذْنَاهُ

کی طرف بھیجا تو وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر اکڑ گیا اور کہنے لگا یہ جادوگر یا دیوانہ ہے پس ہم نے اس کو

وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٤١﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا

اور اس کے لشکر کو اپنی گرفت میں لے لیا پس ان کو سمندر میں ڈال دیا کہ وہ قابل ملامت حال میں تھا اور قوم عاد (کی ہلاکت بھی نشانی ہے) جب

عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤٢﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ

ہم نے اُن پر غیر فائدہ مند تیز و تند ہوا بھیجی جو کسی چیز کو نہ چھوڑتی تھی جہاں سے گذرتی تھی مگر یہ کہ اُسے ریزہ ریزہ کر

كَالرَّمِيمِ ﴿٤٣﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٤﴾

ڈالتی تھی اور قوم ثمود (کا عذاب بھی نشانی ہے) جب اُن سے کہا گیا کہ فائدہ اٹھا لو ایک وقت تک انہوں نے اپنے

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٤٥﴾

رب کے فرمان سے سرکشی اختیار کی تو دیکھتے ہی دیکھتے ان کو بجلی نے پکڑ لیا

فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ ﴿٤٦﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ

پس نہ وہ اُٹھ سکتے تھے اور نہ کسی کو مدد کے لئے بلا سکتے تھے اور قوم نوح (کا عذاب بھی قدرت خداوندی کی نشانی ہے)

یقیناً ان پر آکے رہے گا۔ چنانچہ اُن پر عذاب آیا اور وہ نیست و نابود ہو گئے۔ مفصل واقعہ اس سے پہلے جلد ۷ ص ۲۳۴ تا ص ۲۳۶ پر ملاحظہ فرمائیے۔ اور اسی جلد میں سورہ القمر کی تفسیر میں بھی مذکور ہوگا۔

وَفِي مُوسَىٰ :۔ مفصل واقعہ تفسیر کی دوسری جلد پہلا ایڈیشن ص ۱۲۶ پر اور جلد ۷ ص ۱۸۴ پر ملاحظہ ہو۔

وَفِي عَادٍ :۔ اس کا واقعہ تفسیر کی جلد ۷ ص ۲۲۵ پر۔ اور اسی جلد سورہ القمر کی تفسیر میں بھی آئے گا۔

وَفِي ثَمُودَ :۔ مفصل واقعہ تفسیر کی جلد ۷ ص ۲۲۵ پر اور جلد ۶ ص ۴۹۔ اور اسی جلد میں سورہ القمر کی تفسیر میں بھی آئے گا۔

وَقَوْمَ نُوحٍ :۔ مفصل واقعہ تفسیر کی جلد ۷ از ص ۲۰۵ تا ص ۲۲۴۔ اور اسی جلد میں سورہ القمر کی تفسیر میں بھی بیان ہوگا۔

رکوع ۲ : خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ :۔ خداوند کریم نے جس طرح ذی روح مخلوق کو جوڑا جوڑا خلق فرمایا ہے۔ اسی طرح

مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَالسَّمَاۗءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ

جو ان سے پہلے گذری کیونکہ وہ بھی فاسق لوگ تھے اور آسمان کو ہم نے اپنی قدرت سے بنایا اور

اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾

ہم وسیع قدرت رکھنے والے ہیں اور زمین کو ہم نے بچھایا پس بہتر بچھانے والے ہیں

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا

اور ہر چیز سے ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو پس اللہ کی طرف

اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ

(عذاب سے) دوڑ کے جاؤ تحقیق میں تمہارے لئے اس کی جانب سے صاف ڈرانیوالا ہوں اور نہ ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ اور

اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى

معبود تحقیق میں تمہارے لئے اس کی جانب سے صاف ڈرانیوالا ہوں اسی طرح نہیں آیا ان کی طرف جو

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾

ان سے پہلے تھے کوئی رسول مگر یہ کہ انہوں نے کہا جادوگر یا دیوانہ ہے

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ

کیا انہوں نے اس بات کا کچھ جوڑ کیا ہوا ہے؟ بلکہ وہ سرکش لوگ ہیں پس ان سے روگردانی کر پس تم ملزم

بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا

(جوابدہ) نہ ہوگے اور نصیحت کرو کیونکہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے اور میں نے

غیر ذی روح نباتات و جمادات کو بھی جوڑا جوڑا خلق فرمایا ہے بلکہ حالات و کیفیات بھی جوڑا جوڑا ہیں۔ مثلاً دکھ سکھ سردی گرمی۔ رات دن اور آخرت میں جنت و دوزخ اور دنیا میں ایمان و کفر وغیرہ۔ اور یہ چیزیں غور و فکر کے بعد ہر ذی شعور کو وجود خالق اور اس کی یکتائی کا پتہ دیتی ہیں۔

اَتَوَاصَوْا: یعنی ان لوگوں نے ایک دوسرے کو وصیت کر رکھی ہے کہ نبیوں کی اطاعت نہ کرنا یعنی کیا گذشتہ کفار آنے والی نسلوں کو یہ وصیتیں کرتے چلے گئے ہیں؟ اللہ فرماتا ہے کہ ایسا نہیں بلکہ ان کی سرکشی نے ان کو انبیاء کی دعوت

خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٧﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ

جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ میری عبادت کریں میں نہ اُن سے کوئی نفع حاصل کرنا چاہتا ہوں اور نہ یہ

اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنَ ﴿٥٨﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿٥٩﴾

چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا دیں کیونکہ تحقیق اللہ ہی ہر ایک کو رزق دینے والا صاحب قوت طاقت ور ہے

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿٦٠﴾

پس تحقیق ظلم کرنے والوں کے لئے اتنا ہی عذاب ہے جتنا ان جیسے گذشتہ لوگوں کا ہے پس وہ جلدی کی خواہش نہ کریں

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٦١﴾ ع

پس ویل اُن کے لئے جنہوں نے کفر کیا اُس دن سے جس کا وعدہ کئے گئے ہیں

کو رد کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ۔ یعنی جہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کوئی فائدہ نہ نکلتا ہو وہاں امر و نہی کا ترک کرنا قابل ملامت نہیں ہے۔

ذَنُوْبًا۔ ذنوب کا معنی ڈول ہوا کرتا ہے۔ اس جگہ مراد یہ ہے کہ جس طرح گذشتہ قومیں اپنے زمانہ کے نبیوں کی تکذیب کر کے مستحق عذاب ہوتی رہی ہیں یہ بھی ایسے ہی مستحق عذاب ہوں گے۔ یعنی جو ڈول اُن کے تھے۔ ان کے لئے بھی اُن جیسے ہوں گے لہٰذا ان کو جلدی کی منا نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ وقت آنے پر یہ خود بخود گرفتار عذاب کر لئے جائیں گے۔

سُورَۂ الطُّوْر

یہ سورہ مکیّہ ہے۔

اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت پچاس ہے۔

حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے جو شخص سورہ الطور کی تلاوت کرتا ہے، اللہ پر ضروری ہوجاتا ہے کہ اس کو اپنے عذاب سے امن میں رکھے اور اس کو جنّت کی نعمات سے بہرہ اندوز فرمائے۔

امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ الطور کی تلاوت کرے اللہ اس کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی جمع کردے گا۔

اور خواص القرآن سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا جو قیدی اس کو ہمیشہ پڑھتا رہے اُس کی رہائی آسان ہوجائے گی۔ اگرچہ وہ سچ مچ ہی مجرم ہو۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جو مسافر اس سُورہ مجیدہ کی تلاوت کرے وہ اپنے سفر میں ناپسندیدہ اُمور سے محفوظ رہے گا۔

اور بچھو کے کاٹے ہُوئے آدمی پر اگر پڑھی جائے تو وہ صحت یاب ہوگا (ان شاء اللہ)

اور بعض روایتوں میں ہے کہ یہ سُورہ مجیدہ پانی پر پڑھ کر بچھو کے کاٹے ہُوئے پر چھڑکا جائے تو تندرست ہوجائے گا۔ (برہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾ وَالطُّوۡرِ ﴿۲﴾ وَکِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ﴿۳﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان درحیم ہے (شروع کرتا ہوں) طور کی قسم اور لکھی ہوئی کتاب کی قسم

فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ﴿۴﴾ وَّالۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ﴿۵﴾ وَالسَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ﴿۶﴾

جو کھلے ہوئے ورقوں میں ہے اور بیت المعمور کی قسم اور بلند چھت کی قسم

وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّا لَہٗ مِنۡ

اور چھلکتے ہوئے سمندر کی قسم بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہوگا جس کو کوئی دفع کرنے

دَافِعٍ ﴿۸﴾ یَّوۡمَ تَمُوۡرُ السَّمَآءُ مَوۡرًا ﴿۹﴾ وَّتَسِیۡرُ الۡجِبَالُ سَیۡرًا ﴿۱۰﴾

والا نہیں جس دن آسمان چکر لگائے گا اور پہاڑ چل پڑیں گے

رکوع ۳

وَالطُّوۡرِ :- ہر پہاڑ کو طور کہا جاتا ہے لیکن جب اس پر الف ولام داخل ہو جائے تو خاص پہاڑ مراد لیا جاتا ہے اور اس جگہ کوہ سینا مراد ہے جو ارض مقدسہ میں واقع ہے۔ جہاں حضرت موسٰی علیہ السلام سے اللہ کا کلام ہوا تھا۔

وَکِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ :- اس کی مراد میں مفسرین کا اختلاف ہے (۱) اس سے مراد وہ کتاب ہے جس کو فرشتے دیکھ کر گذشتہ و آئندہ حالات کو معلوم کرتے ہیں (۲) اس سے مراد قرآن مجید ہے اور رقّ منشور سے مراد لوح محفوظ ہے (۳) اس سے مراد صحیفۂ اعمال ہے (۴) اس سے مراد تورات ہے (۵) اس سے مراد قرآن مجید ہے جسے لوگ کاغذات میں لکھ کر اپنے ہاں تلاوت کے لئے محفوظ کر لیتے ہیں۔ اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے کتاب میں لکھا جا چکا ہے کہ اے آل محمدؐ کے شیعو! دعا سے پہلے میں تمہاری حاجات پوری کر دوں گا۔ سوال سے پہلے تمہیں دے دوں گا اور اگر تم استغفار کرو گے تو تمہارے گناہ معاف کر دوں گا۔

وَالۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ :- چوتھے آسمان پر کعبہ کی سیدھ میں ہے جس میں فرشتے ہر وقت عبادت کرتے ہیں۔ اور منقول ہے کہ ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ اور جناب نبی کریمؐ سے مروی ہے کہ آسمان چہارم پر ایک چشمہ ہے۔ جس میں آب حیات ہے۔ اور جبریل صبح سویرے ہر روز اس میں غسل کرتا ہے جب اس سے باہر نکل کر اپنے پروں کو جھاڑتا ہے تو اس سے ستر ہزار قطرہ گرتا ہے۔ اور ہر قطرہ سے ایک ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ سب بیت المعمور میں داخل ہو کر عبادت کرتے ہیں۔ اور بعض روایات میں پہلے اور چھٹے آسمان پر البیت المعمور کا ہونا بھی منقول ہے اور یہ کہ اس کا دوسرا نام ضراح بھی ہے

اَلۡمَسۡجُوۡرِ :- یہ سجر سے ہے جس کا معنی ہے پر ہونا اور سقف مرفوع سے مراد آسمان ہے۔

Imp. Imp.

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ⑫ الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَّلْعَبُونَ ⑬

پس ویل ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے جو فضول باتوں میں دل بہلاتے ہیں

يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ⑭ هَٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُم بِهَا

جس دن اُن کو آگ کی طرف دھکیل دیا جائے گا (کہا جائے گا) یہ وہی آگ ہے جس کو تم جھٹلایا

تُكَذِّبُونَ ⑮ أَفَسِحْرٌ هَٰذَا أَمْ أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ⑯ اصْلَوْهَا

کرتے تھے کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھتے نہیں ہو ؟ اس کو تاپو

فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ

پس صبر کرو یا نہ صبر کرو تمہارے لئے برابر ہے بجز اس کے نہیں کہ تمہیں اپنے کئے کی جزا

تَعْمَلُونَ ⑰ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ⑱ فَاكِهِينَ بِمَا

دی جائے گی بے شک متقی لوگ باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے خوش ہوں گے اس پر

آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ⑲ كُلُوا

جو اُن کو ان کے رب نے عطا کیا اور بچایا ان کو رب نے دوزخ کے عذاب سے (کہا جائے گا) کھاؤ

وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ⑳ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ

اور پیو خوشگوار بوجہ اس کے جو تم عمل کرتے تھے تکیہ لگانے والے ہوں گے اپنے تختوں پر

يَوْمَ تَمُورُ :۔ یہ مَارَ یَمُوْرُ مَوْرًا سے ہے جس کا معنی ہے آگے پیچھے ہونا مضطرب اور متحرک ہونا یا چکر لگانا۔

خَوْضٍ :۔ یعنی کفارِ مکہ کا دستور تھا کہ ہر وقت حضورؐ کا شکوہ کرتے اور اسلام پر نکتہ چینیاں کرکے اپنا دل بہلاتے تھے۔ اور یہ اُن کا کھیل اور شغل تھا۔

يُدَعُّوْنَ :۔ یہ مضاعف کے باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے۔ دَعَّ یَدُعُّ دَعًّا۔ اور اس کا معنی ہے زور سے دھکیلنا یعنی جہنمیوں کو پکڑ کر ان کے ہاتھوں کو گردنوں سے باندھ دیا جائے گا۔ اور ان کے قدم ان کی پیشانی کی طرف جوڑ کر جہنم میں زور سے پھینکا جائے گا جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ يُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ۔ یعنی قدموں اور پیشانیوں سے پکڑ کر گرایا جائے گا۔

مُتَّكِئِيْنَ :۔ یہ اِتِّکَاءٌ سے ہے جس کا معنی بڑے آرام اور شان سے بیٹھنا اور سُرُرٌ جمع ہے سریر کی۔ جس کا معنی تخت

مَصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ

جو صف بصف ہوں گے اور ہم ان کی کشادہ چشم حوروں سے شادی کریں گے اور جو مومن ہوں اور اُن کے پیچھے چلی ہو ان کی

ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ

اولاد ایمان کے ساتھ ہم ملا دیں گے ان سے ان کی اولاد کو اور نہ کمی کریں گے ان کے اعمال (کی جزا) سے

مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍ ۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۲﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ

کچھ بھی ہر شخص اپنی کمائی سے وابستہ ہوگا اور ان کو بار بار دیتے رہیں گے میوے

وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۳﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا

اور گوشت جو وہ چاہیں گے ایکدوسرے کو دیں گے ایسے (شراب کے) پیالے جن میں نہ بیہودگی ہوگی

وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۴﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ

اور نہ گناہ اور ان پر چکر لگائیں گے ایسے لڑکے ان کی خدمت کے لئے جو محفوظ موتیوں کی طرح

ہوتا ہے۔ تختوں کے اوپر قالین اور نرم نرم غالیچے رکھے ہوں گے جن پر وہ مزے سے بیٹھے ہوں گے۔ اور تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى نَمَارِقَ مَوْضُوْعَةٍ عَلٰى سُرُرٍ۔ یعنی وہ ایسے غالیچوں پر آرام سے تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے جو عالیشان تختوں کے اُوپر بچھے ہوں گے۔ اور وہ تخت صف بصف ایکدوسرے سے ملے ہوئے ہوں گے۔ اور کشادہ چشم حوروں سے ان کی شادی ہوگی۔ حُور جمع حَوْرَاء کی ہے۔ یعنی نہایت خوبصورت اور عین جمع ہے اعین کی۔ جس کا معنی ہے کشادہ چشم۔ تفسیر مجمع البیان میں زید بن ارقم سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اہل کتاب میں سے ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اُس نے عرض کی کہ کیا اہل جنت کھائیں گے اور پئیں گے تو آپ نے فرمایا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ایک جنتی کھانے پینے اور جماع کرنے میں ایک سو مرد کی طاقت رکھتا ہوگا۔ اُس نے عرض کی کہ پھر حاجات ضروریہ کے لئے کیا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا اُس کے جسم سے پسینہ جاری ہوگا جس کی خوشبو عطر و کستوری کی طرح ہوگی جس کی وجہ سے ان کی غذا سب کی سب ہضم ہو جائے گی اور پیٹ ہلکے ہو جائیں گے۔

وَاتَّبَعَتْهُمْ۔ یعنی ایمان والے جنت میں جائیں گے اور اُن کی وہ اولاد جو ایمان میں اُن کے پیچھے چلنے والی تھی۔ ان کے ساتھ
۷۰ ملا دی جائے گی۔ اور اس میں مومنوں کی چھوٹی بڑی سب اولاد شامل ہے کیونکہ جو بڑے ہوں گے وہ تو اپنے ایمان سے ان کے تابع ہوں گے اور جو چھوٹے ہوں گے وہ مومن کی اولاد ہونے کی حیثیت سے ان کے پیچھے ہوں گے کیونکہ بچہ ایمان و کفر میں والدین کے تابع ہوا کرتا ہے۔ اور اولاد اس لئے ان کے ساتھ ملائی جائے گی تاکہ ان کے سرور اور خوشی میں اضافہ کی باعث

مَكْنُونٌ ﴿٢٥﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٦﴾ قَالُوا إِنَّا

ہوں گے ۔ اور ایکدوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے (اور جواب دیں گے) کہیں گے تحقیق ہم

كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٧﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ

پہلے (دنیا میں) اپنے گھر ڈرتے تھے (عذاب سے) پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں اس نے دوزخ کے

السَّمُومِ ﴿٢٨﴾ إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٩﴾

عذاب سے بچالیا تحقیق ہم پہلے (دنیا میں) اس کو پکارتے تھے بے شک وہ محسن و مہربان ہے

ہو۔ اگرچہ اولاد کے اعمال کمزور بھی ہوں گے تاہم اپنے نیک والدین کے صدقے سے وہ بھی ان کے ساتھ چلے جائیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ مومنوں کے چھوٹے بچے جناب فاطمہؑ کے زیر تربیت ہوتے ہیں جو بروز محشر مومنوں کو بطور ہدیہ پیش کئے جائیں گے۔ (برہان)

اور ایک روایت میں ہے کہ آیت مجیدہ حضرت محمدؐ و آل محمدؐ کے حق میں اتری ہے۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب قیامت قائم ہو گی تو جانب عرش سے ایک منادی ندا کرے گا۔ يَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ غُضُّوا أَبْصَارَكُمْ حَتَّىٰ تَمُرَّ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ ۔ یعنی اے لوگو آنکھیں بند کر لو تاکہ جناب فاطمہؑ بنت محمدؐ گذر جائیں پس سب سے پہلے لباس جنت میں ملبوس ہوں گی۔ اور بارہ ہزار حوران جنت ان کا استقبال کریں گی۔ جن کے پیچھے پچاس ہزار ملائکہ ہوں گے جو یاقوتی رنگ کی سواریوں پر سوار ہوں گے جن کی مہاروں میں موتی جڑے ہوں گے۔ ان کے کجاوے زبرجد کے ہوں گے جن پر سندس کی تہیں لگی ہوں گی۔ پس بی بی صراط سے گذر کر فردوس میں قدم رکھے گی۔ اور نور کے تخت پر جلوہ گر ہو گی۔ اور ان کے آس پاس حوران جنت ہوں گی۔ زیر عرش دو محل ہوں گے۔ ایک سفید جس میں ستر ہزار عالی شان بنگلے ہوں گے جن میں محمدؐ و آل محمدؐ کی رہائش ہو گی۔ اور دوسرا زرد جس میں ستر ہزار بنگلے ابراہیم و آل ابراہیم کے لئے مخصوص ہوں گے۔ پس ایک فرشتہ جانب پروردگار سے بی بی کی طرف پیغام سلام پہنچائے گا۔ اور عرض کرے گا کہ خدا فرماتا ہے جو کچھ طلب کرو میں دینے کو تیار ہوں۔ پس بی بی کہے گی کہ میں اپنی اولاد اور جبداروں کے لئے شفاعت کرتی ہوں تو وہ فرشتہ جانب پروردگار سے پھر پیغام پہنچائے گا کہ آپ کی شفاعت مقبول ہے۔ پس بی بی حمد پروردگار بجالائے گی۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام یہ حدیث پڑھ کر بعد میں اسی آیت مجیدہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

تفسیر برہان میں امالی شیخ سے منقول ہے۔ محمد بن مسلم کہتا ہے میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام دونوں سے سنا ہے کہ خداوند کریم نے امام حسین علیہ السلام کو شہادت کے صلے میں چار انعامات عطا فرمائے ہیں۔ (۱) ان کی اولاد میں امامت (۲) ان کی تربت میں شفا (۳) ان کی قبر کے پاس دعا کا مستجاب ہونا (۴) جو شخص ان کی زیارت

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۳۰﴾ اَمْ

پس نصیحت کر کیونکہ آپ رب کی نعمت و مہربانی سے نہ کاہن ہیں نہ دیوانے بلکہ

يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۱﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا

کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے اور ہم انتظار کر رہے ہیں کہ موت یا زمانہ کے حوادث اسکو اپنی لپیٹ میں لے لیں کہدیجئے تم انتظار کرو

کے لئے جائیں تو اس کی آمد و رفت کا زمانہ اس کی عمر میں شمار نہیں ہو تا۔ راوی کہتا ہے میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ حضور والا! یہ چیزیں تو حسین علیہ السلام کے صدقہ میں دوسروں کو ملیں گی۔ اُن کو کیا ملا؟ تو آپ نے فرمایا۔ خدا نے ان کو اپنے جدِ نامدار کے ساتھ ملا دیا۔ پس وہ رسول اللہؐ کے پاس اُن کے درجہ میں ہوں گے۔ اور اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ وَاَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ الاٰیۃ۔

ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومنوں کے بچے حضرت ابراہیمؑ اور جناب سارہ علیہا السلام کے زیرِ تربیت ہوتے ہیں۔ اور وہ ان کو جنت کے ایک درخت سے غذا پہنچاتے ہیں۔ جب قیامت کا دن ہو گا تو ان کو بہترین لباس اور عمدہ خوشبو سے آراستہ کر کے ان کے والدین کو بطورِ ہدیہ پیش کریں گے۔ پس وہ جنت میں اپنے ماں باپ کے ہمراہ شاہانہ شان و شوکت سے رہیں گے پھر آپ نے مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی۔

وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ ۔ یعنی مومنوں کو ان کے اعمالِ خیر کی جزا پوری دے دینے کے بعد انعام و اکرام کے طور پر ان کی خوشی و سرور میں مزید اضافہ کرنے کے لئے ان کے بچے ساتھ دے دئے جائیں گے۔ اور ان کے اعمال کی جزا کو اس نعمت میں شمار نہ کیا جائے گا۔ پس ان کی جزا پوری ہو گی جس میں کوئی کمی واقع نہ ہو گی۔

لَا لَغْوٌ فِيْهَا ۔ یعنی جنت کا شراب پاکیزہ ہو گا۔ اس میں دنیاوی شراب کی طرح بیہودگی و بدعادات و گناہ کے خواص نہ ہوں گے نہ باہمی گالی گلوچ ہو گی اور نہ اُس سے عقل زائل ہو گی۔

وَغِلْمَانٌ ۔ جنتیوں کی خدمت کے لئے خوبصورت لڑکے بکھرے ہوئے محفوظ موتیوں کی طرح معلوم ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ راوی نے پوچھا حضورؐ! جب غلام موتیوں کی طرح ہوں گے تو اُن کے سردار کیسے ہوں گے؟ پس آپ نے فرمایا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ خادم پر مخدوم کی برتری اس طرح ہو گی جس طرح چودھویں کے چاند کو ستاروں پر برتری حاصل ہوتی ہے۔

اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ ۔ یعنی جنتی لوگ جنت میں جب اکٹھے بیٹھیں گے تو ایک دوسرے کے ساتھ اپنی گذشتہ دنیاوی زندگی کی باتیں کریں گے اور ایکدوسرے سے احوال پُرسی کریں گے کہ ہمیں دنیا میں یہ تکلیف تھی وہ تھی وغیرہ۔

عَذَابَ السَّمُوْمِ ۔ سموم جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ پس مومن ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ تم کس طریقہ سے

فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَاۤ اَمْ

پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں — کیا ان کو ان کی عقلیں اس کا حکم دیتی ہیں ؟ بلکہ وہ سرکش

هُمْ طَاغُوْنَ ﴿۳۳﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَلْیَاْتُوْا

لوگ ہیں — کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن کو خود گھڑ لیا ہے بلکہ وہ ایمان نہیں رکھتے — پھر لائیں اس

بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ

جیسا کلام اگر سچے ہیں (اگر یہ گھڑ سکتا ہے تو وہ بھی گھڑ لیں) — کیا وہ پیدا کئے گئے بغیر کسی غرض کے (عبث) یا کیا

هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

وہ خود اپنے خالق ہیں ؟ — یا کیا انہوں نے آسمان و زمین پیدا کئے ؟ — بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے

جنت میں آگئے تو وہ کہیں گے ہم دنیا میں رہتے ہوئے اللہ کے عذاب سے ڈرتے تھے کیونکہ اشفاق کا معنی ہے رقّتِ قلب اور اس کے مقابلہ میں ہے غلظت یعنی سخت دلی۔ اور سموم اس گرمی کو بھی کہا جاتا ہے۔ جو مسامات کے ذریعے سے انسان کو پہنچتی ہے اور اُسے تکلیف دیتی ہے۔

فَمَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ :۔ یعنی اللہ کے فضل و کرم سے آپ دیوانہ یا کاہن نہیں جس طرح کہ مشرکین مکہ کہتے ہیں بلکہ آپ برحق نبی ہیں۔ لہٰذا آپ اپنا فریضہ تبلیغ ادا کریں۔ کاہن وہ لوگ تھے جن کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ ان کو جن غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ مشرکین مکہ گو اپنے مقام پر یقین رکھتے تھے کہ محمد مصطفےٰ کا بیان و فرمان حق ہے۔ اور ان کی نصیحت واجب الاتباع ہے لیکن ازراہِ حسد و عناد آپ کو دیوانہ کاہن کہہ کر ایک طرف اپنے آپ کو دھوکے میں ڈال کر وہ خود فریبی میں مبتلا تھے اور دوسری طرف لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈال کر اُن کو راہِ حق سے برگشتہ کرتے ہوئے آتشِ حسد و عناد کو ٹھنڈا کرتے تھے۔

شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ :۔ کبھی وقت حضورؐ کو شاعر کہہ کر دل بہلا لیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دوسرے شعراء کی طرح یہ بھی ایک دن حوادثِ زمانہ یا موت کا شکار ہو جائے گا۔ اس لئے وہ درپے ایذا رہتے تھے اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں سوچتے تھے تاکہ ان کی تعلیم سے گلوخلاصی ہو جائے۔

قُلْ تَرَبَّصُوْا :۔ اللہ فرماتا ہے بے شک بلا جھجک ان سے فرما دیجئے کہ تم میری ہلاکت و موت کا انتظار کرتے رہو اسی طرح میں بھی تمہاری موت کا منتظر ہوں۔ اور اللہ ہمارے درمیان خود ہی فیصلہ کرے گا۔ اور نتیجہ کے طور پر بالآخر حق کا بول بالا ہوگا اور باطل کا منہ کالا۔

أَمْ عِندَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿۳۷﴾ أَمْ لَهُمْ

کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں یا کیا وہ لوگوں پر حکمران ہیں ؟ یا کیا ان کے

سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾

پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر چڑھ کر (وحی کو) سنتے ہیں (پس اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں) تو اُن میں سے جو سننے والا ہے وہ واضح دلیل لائے

أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿۳۹﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن

یا کیا اُس کے لئے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں ؟ یا کیا آپ اُن سے مزدوری مانگتے ہیں کہ وہ

مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿۴۰﴾ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۱﴾

تاوان ادا کرنے سے گھبرائے ہوئے ہیں یا کیا ان کے پاس غیب ہے پس وہ لکھ لیتے ہیں

اَمْ یَقُوْلُوْنَ :۔ یعنی کفارِ مکہ اسلام کو قبول نہ کرنے کا جو بھی بہانہ پیش کریں وہ سب باطل اور غلط اور بے بنیاد ہے ۔ پس ان کے پاس جس قدر بہانے ہو سکتے تھے ۔ ان آیات میں اُن کو شمار کیا گیا اور سب کا جواب دے دیا گیا کہ اگر وہ کہیں کہ اس نے قرآن کو خود گھڑ لیا ہے تو فرماتا ہے اگر یہ گھڑ سکتا ہے تو تم بھی فصحاء و بلغاء اور اپنی زبان کے ماہر لوگ ہو اس جیسا کلام گھڑ لاؤ ۔ اور اگر تم اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہو تو یقین جان لو کہ یہ اس کا گھڑا ہوا نہیں بلکہ خالق کائنات کا کلام ہے ۔ جس میں کوئی شک نہیں اور کوئی آدمی اس جیسا کلام لا سکتا ہی نہیں ۔

اَمْ خُلِقُوْا :۔ اگر وہ یہ عذر کریں کہ ہم بلا مقصد پیدا ہو گئے یا ہم نے اپنے آپ کو خود پیدا کر لیا یا آسمانوں اور زمینوں کو بھی ہم نے پیدا کیا ؟ تو اس کی وہ خود تردید کریں گے کہ ایسا نہیں بلکہ سب کا خالق واحد اللہ ہے ۔ پس وہ ازراہِ حسد و عناد و ہٹ دھرمی یقین و ایمان کی دولت سے محروم ہیں ۔

اَمْ عِنْدَھُمْ :۔ اگر یہ کہیں کہ ہم اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں یا حکمران ہیں جو چاہیں کرتے پھریں کوئی ہم سے پوچھنے والا نہیں ہوگا ۔ حالانکہ ایسا بھی نہیں ہے ۔

اَمْ لَھُمْ :۔ اگر وہ کہیں کہ ہم آسمان سے خود وحی سنتے ہیں اور جس مسلک کو ہم نے اختیار کیا ہے یہی سچا دین ہے تو ان سے کہیں کہ جس نے سیڑھی لگا کر اوپر جا کر وحی سنی ہے تو ذرا مجھے بھی سناؤ اور اپنی صداقت کی دلیل پیش کرو ۔ اس جگہ فیہ میں فی علیٰ کے معنی میں ہے ۔

اَمْ لَہٗ :۔ اُن کا یہ کہنا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں ۔ کس قدر بیہودہ پن ہے ۔ کیا ان کو بیٹے پسند ہیں اور اللہ نے اپنے لئے بیٹیاں پسند کی ہیں ؟

أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ۝٤٢ أَمْ لَهُمْ

یا کیا وہ فریب کرنا چاہتے ہیں؟ تو وہ لوگ جو کافر ہیں خود ہی فریب خوردہ ہوں گے یا کیا ان کا

إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝٤٣ وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِنَ

کوئی معبود ہے اللہ کے علاوہ اللہ پاک ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں اور اگر وہ دیکھیں کوئی ٹکڑا آسمان سے

السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَرْكُومٌ ۝٤٤ فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا

گرتا ہوا تو کہہ دیں گے یہ تہ بہ تہ بادل ہے پس ان کو چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ ملاقات کریں

يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ۝٤٥ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا

اس دن کی جس میں ہلاک کئے جائیں گے جس دن نہ فائدہ دیگی ان کو ان کی چالاکی کچھ بھی

وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝٤٦ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ

اور نہ ان کی مدد کی جا سکے گی اور تحقیق جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے لئے عذاب ہے اس عذاب کے علاوہ

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝٤٧ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا

دنیا میں بھی ہے، لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے اور صبر کیجئے رب کے حکم کے لئے کیونکہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۝٤٨ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ۝٤٩

اور تسبیح کیجئے حمد پروردگار کی جب اٹھتے ہو اور رات میں سے (کسی حصہ میں) اس کی تسبیح کیجئے اور ستاروں کے ڈوب جانے کے بعد

imp.

تَسْأَلُهُمْ :۔ اگر وہ عذر کریں کہ ہم سے کوئی اجرت طلب کی جائے گی۔ یہ بات بھی غلط ہے لہٰذا دعوتِ اسلامیہ کے ٹھکرانے کا ان کے پاس کوئی بھی معقول عذر نہیں ہے۔

فَهُمْ يَكْتُبُونَ :۔ یعنی کیا ان کے پاس غیب کی خبر موجود ہے جس کو انہوں نے لکھ لیا ہے کہ آپ ان سے پہلے مریں گے۔؟

أَمْ يُرِيدُونَ :۔ جب ان کے تمام ہونیوالے عذر باطل کر دیے گئے اور ثابت کیا گیا کہ اسلام کو ٹھکرانے اور نبی و قرآن کے انکار کرنے کا ان کے پاس کوئی معقول عذر نہیں تو باقی ایک بات بچ گئی اور وہ یہ کہ وہ از راہِ مکر و فریب حضورؐ کی تبلیغات کو فیل کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو اسلام کے قبول کرنے سے روکتے ہیں تو اس پر سرزنش کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ مکر کا جواب مکر سے ہوگا۔ اور اس طریقہ سے وہ یقیناً مغلوب ہوں گے کیونکہ ان کی تجویز کے مقابلہ میں ہماری تجویز غالب ہوگی۔

أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ :۔ اگر ان کا یہ خیال ہو کہ خدا کی گرفت سے پھر کوئی طاقت یا ان کا مصنوعی خدا ان کو بچا لے گا یہ ناممکن ہے۔

اِنْ یَّرَوْا - یعنی اگر ہم آسمان سے کوئی ٹکڑا بھیج کر ان کو عذاب دیں تو کہیں گے کہ یہ بادل تھا یعنی اس عذاب کو اتفاقی موت قرار دیں گے - لہٰذا ان کے عذاب کے لئے اُس دن کا انتظار کیجئے - جب صاعقہ (نفخ صور) کے ذریعے ان پر موت آئے گی جب ان کا فریب و حیلہ بے کار ہوگا اور اُن کی مدد کوئی نہ کر سکے گا۔

دُوْنَ ذٰلِکَ :- یعنی قیامت کے عذاب سے پہلے بھی کفّار کے لئے عذاب مقرر ہیں مثلاً جنگ بدر میں ان کا ذلت کی موت سے مرنا اور بعض کا گرفتار ہونا۔

اوقاتِ نماز

حِیْنَ تَقُوْمُ - بعض مفسّرین نے کہا ہے کہ اس سے مُراد دوپہر کی نیند سے بیدار ہونے کا وقت ہے پس آیت میں نماز کے تین وقتوں کی طرف اشارہ ہے - جس میں پانچ نمازیں آجاتی ہیں - یعنی دوپہر کی نیند[1] قیلولہ سے اُٹھنے کے بعد تسبیح پروردگار سے مراد ظہر و عصر کی دو نمازیں ہیں - اور مِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْہُ (رات کے وقت[2] اس کی تسبیح بیان کرو) اس سے مُراد مغرب و عشا کی نمازیں ہوسکتی ہیں اور اِدْبَارَ النُّجُوْمِ (ستاروں کے غیب[3] ہونے کے بعد) اس سے مراد صبح کی نماز ہوسکتی ہے - جس طرح کہ بعض روایات میں صراحت سے مذکور ہے - اور حِیْنَ تَقُوْمُ کے متعلق اور اقوال بھی وارد ہیں - مثلاً یہ کہ اس سے مراد ہے مطلق نیند سے بیدار ہونا - اور مقصد یہ ہے کہ جب بھی انسان نیند سے بیدار ہو تو سب سے پہلے تسبیح پروردگار اس کی زبان پر جاری ہونا چاہئے - دوسرا قول یہ ہے کہ نمازِ فریضہ کے لئے جب بھی انسان اُٹھے - پس تسبیح پروردگار زبان سے جاری کرے - تیسرا قول یہ ہے کہ جب کسی مجلس سے انسان اٹھے خواہ کسی کام کے لئے اٹھے یا کام سے فارغ ہو کر اُٹھے تو زبان پر تسبیح جاری کرے اور روایت میں وارد ہے کہ جب کسی مجلس کے برخاست ہونے کے بعد انسان کھڑا ہوتا ہے تو اس کا زبان سے تسبیح پروردگار کہنا اس مجلس میں ہونے والی غلطیوں سے اس کا کفارہ بن جاتا ہے - چنانچہ یہ الفاظ منقول ہیں سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ رات کے وقت اُٹھتے تھے اور اطراف آسمان پر نظر ڈال کر آل عمران کی پانچ آیتیں تلاوت فرماتے تھے جن کے آخر میں آتا ہے اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اس کے بعد نماز شب میں مشغول ہو جاتے تھے اور بعضوں نے کہا ہے - کہ آیت مجیدہ سے یہ عمومی مطلب نکلتا ہے کہ دن رات اور صبح شام انسان کا فرض ہے کہ اپنے خالق کو نہ بھلائے اور ہر وقت اس کی تسبیح اس کا وردِ زبان رہے کیونکہ وہ کسی وقت بھی انسان کو اپنے فیوض و برکات سے محروم نہیں کرتا۔

اس میں شک نہیں کہ نمازیں کل پانچ ہیں - صبح - ظہر - عصر - مغرب اور عشاء - لیکن ان کے لئے قرآن مجید نے وقت تین بتلائے ہیں جو جمع صلاتین کے جواز کی دلیل ہے - اور اس سے پہلے سورہ ق کے آخر میں بھی اوقاتِ نماز تین بیان کئے گئے ہیں - جس کا بیان تفسیر کی اسی جلد میں صـ۱۴۲ پر گذر چکا ہے - نیز جلد ۷ صـ۱۴۳ پر بھی مرقوم ہوچکا ہے ؛

سورۃ النجم

یہ سورہ مکیہ ہے۔ صرف آیت ۳۲ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ الایہ مدنیہ ہے۔
اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت تریسٹھ ہے۔
حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا جو شخص سورہ النجم کی تلاوت کرے تمام منکروں اور مومنوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی۔ اور منقول ہے کہ جو شخص دائمی طور پر دن یا رات میں سورہ النجم کی تلاوت جاری رکھے وہ خوش حال و باعزت زندگی بسر کریگا اور لوگوں کے دلوں میں اس شخص کی محبت ہوگی۔

خواص قرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ مجید کو چیتے کے چمڑے پر لکھ کر اپنے پاس تعویذ رکھے تو ہر بادشاہ کے پاس جاتے ہوئے اس کا دل قوی و مضبوط ہوگا۔ اور بادشاہ اس کا احترام کرے گا اور جس کے ساتھ مناظرہ کرے گا اس پر غالب ہوگا؛

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰی ﴿۲﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی ﴿۳﴾ وَمَا یَنۡطِقُ

قسم ہے ستارے کی جب کہ وہ اترا ۔ نہ گمراہ ہے تمہارا ساتھی (رسول) اور نہ بھٹکا ہوا ہے ۔ اور وہ اپنی خواہش

وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰی :۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ الھوی ۔ النزول اور السقوط کے معانی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں ۔ یعنی اُوپر سے نیچے کی طرف کسی چیز کا آنا ۔ اس جگہ قسم کھائی گئی ہے اس نجم کی جو اُوپر سے نیچے کی طرف آیا ۔ اور مفسّرین نے اس کی ظاہری تفسیر کی بنا پر کئی وجوہ بیان کی ہیں ﴿۱﴾ نجم کا معنی قسط ہوتا ہے ۔ اور نجوم بمعنی اقساط عام آیا کرتا ہے اور قرآن مجید چونکہ یکجا نہیں نازل ہوا ۔ بلکہ ۲۳ برس تک بالاقساط نازل ہوا ۔ اس لئے مجاز مرسل کے طریقہ پر نجم کا اطلاق کیا گیا یعنی قرآن مجید کی قسم جب وہ اُترا ﴿۲﴾ نجم سے مُراد ثریا ہے اور ثریا اُن سات ستاروں کے مجموعے کا نام ہے جو یکجا ہوتے ہیں جن کو پنجابی میں عموماً کھتی کہا جاتا ہے چونکہ ستاروں میں سے عوام اس کو بالعموم جانتے ہیں ۔ لہٰذا اس کے غروب کے وقت قسم کھا کر اپنے نبی کی عظمت کو واضح فرمایا ﴿۳﴾ نجم سے مراد مطلق کوئی ستارہ ہے ۔ پس ستاروں کے طلوع و غروب کے ذکر سے توحید پر برہان قائم کی گئی ہے ۔ ﴿۴﴾ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مُراد حضرت نبی اکرمؐ ہیں ۔ جب کہ شبِ معراج قابَ قوسین کی منزل سے اُتر کر زمین پر تشریف لائے ۔

اور تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ نجم سے مُراد قبر رسول ہے جس میں حضورؐ دفن ہوئے ہیں ۔ یعنی خدا اس کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ رسول اللہؐ کا فرمان خواہش نفس کی بنا پر نہ تھا ۔ اور یہ تفسیر باطنی کے لحاظ سے ہے ، جیسا کہ پہلے معانی ظاہری تفسیر کے لحاظ سے مفسرین نے کئے ہیں ۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم اپنی مخلوق میں جس کی قسم کھائے درست ہے لیکن بندوں کے لئے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں ہے بعض کتب میں ہے اس جگہ نجم سے مراد وہ ستارہ ہے جو مدینہ میں حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی نشاندہی کے لئے اُترا چنانچہ تفسیر برہان میں ہے مرض الموت میں صحابہ نے حضرت نبی اکرمؐ سے دریافت کیا کہ آپ کے چلے جانے کے بعد مملکت اسلامیہ کا سربراہ اور آپ کا جانشین و خلیفہ کون ہوگا تو آپ خاموش رہے ۔ پھر دوسری دفعہ صحابہ نے سوال دہرایا لیکن حضورؐ خاموش رہے ۔ پھر تیسرے روز اسی سوال کا اعادہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کل صبح آسمان سے ایک ستارہ ٹوٹے گا ۔ پس وہ جس کے گھر پر اُترے گا وہی میرا جانشین و خلیفہ ہوگا ۔ چنانچہ یہ اعلان سنتے ہی تمام لوگوں کے دلوں میں تمناؤں کے سمندر موجزن ہوئے ۔ لہٰذا صبح ہوتے ہی ہر آدمی اپنے گھر پر ستارے کے نزول کا اُمیدوار رہا ۔ پس دیکھتے ہی دیکھتے آسمان سے ایک ستارہ چھوٹا جس کی روشنی نے پوری روئے زمین کو منوّر کر دیا اور وہ سیدھا حضرت علی علیہ السّلام کے گھر

عَنِ الْهَوٰى ۝۳	اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴	عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ
سے نہیں بولتا	یہ (قرآن) تو وحی ہے جو اُن پر کی گئی	اس کو سکھایا مضبوط قوت والے

الْقُوٰى ۝۵	ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝۶	وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷
نے	جو صاحب طاقت ہے پس وہ ٹھہرا درحالیکہ	وہ بلند افق پر تھا

پر اُترا تو لوگوں میں چہ مے گوئیاں شروع ہوگئیں اور کہنے لگے کہ رسول اللہؐ معاذ اللہ اپنے چچا زاد کی محبت میں از خود رفتہ ہو کر باتیں بناتے ہیں، پس یہ آیت اُتری کہ اس اُترنے والے ستارے کی قسم، یہ تمہارا ساتھی گمراہ نہیں اور نہ بھٹکا ہوا ہے اور نہ اپنی خواہش سے بات بناتا ہے۔

ایک دُوسری روایت میں ابن عباس سے مروی ہے کہ ہم نے نماز عشاء پڑھی تو حضورؐ نے بعد از نماز فرمایا کل صبح کو ایک ستارہ آسمان سے ٹوٹ کر جس کے گھر میں گرے گا وہ میرے بعد میرا وصی وخلیفہ وامام ہوگا۔ تمام صحابہ صبح سویرے منتظر تھے۔ اور میرا باپ خاص طور پر اس امر کا متمنی تھا لیکن صبح کو وہ ستارہ حضرت علیؑ کے گھر پر گرا۔ تو حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا یا علیؑ مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق نبی مبعوث فرمایا ہے تو میرے بعد خلیفہ وامام ہوگا۔ یہ سنتے ہی منافقوں نے کہنا شروع کردیا۔ کہ آپ خدانخواستہ علیؑ کی محبت میں از خود رفتہ ہو کر خواہش نفس کی باتیں کرتے ہیں پس یہ آیتیں اُتریں۔

بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کا ذکر فرمایا تو منافقین نے لب کشائی شروع کی پس یہ آیتیں اُتریں۔ اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے یوم غدیر حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ تو لوگوں نے اعتراضات شروع کئے، پس یہ آیتیں اُتریں۔

لیکن ان تمام پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب سورہ النجم باتفاق مفسرین مکیہ ہے تو مرض الموت میں ستارہ کے ٹوٹنے کی پیشین گوئی یا دوسری اس قسم کی باتیں جو مدنیہ سے تعلق رکھتی ہیں، سورہ مجیدہ کے شانِ نزول سے مطابقت نہیں رکھتیں پس اس کا بہترین حل یہی ہوسکتا ہے کہ والنجم میں نجم سے کوئی ستارہ یا قرآن مجید مراد لیا جائے، پس یہ اللہ کی جانب سے حلفیہ بیان ہے کہ پیغمبر جو کچھ فرماتا ہے وہ حق ہے اور اس کو خواہشِ نفس کے تقاضوں پر محمول کرنا غلط ہے خواہ ان کی خبر گذشتہ زمانہ کے متعلق ہو یا آئندہ کی پیشین گوئی، نہ یہ قرآن کو اپنی خواہش کا ترجمان بنا کر اپنی طرف سے پیش کرتا ہے۔ اور نہ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق جو کچھ فرماتا ہے اپنی طرف سے بنا کر سناتا ہے بلکہ اُمورِ شرعیہ ودینیہ کے متعلق آپ کے جملہ احکام وفیصلے وحی الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔ پس جس طرح قرآن میں شک کرنا ناجائز ہے کیونکہ یہ وحی پروردگار ہے اور خواہش نفس کی ترجمانی نہیں ہے، اسی طرح آپ حضرت علیؑ یا فاطمہؑ یا حسنؑ وحسینؑ کے متعلق بھی جو کچھ فرماتے ہیں وہ ان کی خواہش نفس کی ترجمانی نہیں ہوتی بلکہ وحی الٰہی کا فیصلہ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں ہے کہ معراج کے طویل سفر

سے پلٹ کر جب حضورؐ نے کیفیت بیان فرمائی۔ کہ جب میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا تو جبریل نے آگے بڑھنے کو کہا۔ جب میں آگے بڑھا اور ایک عجیب سا نور ساطع دیکھا تو اللہ کی عظمت کے سامنے سجدہ ریز ہوا۔ پس ارشادِ قدرت ہوا کہ زمین میں اپنا خلیفہ کس کو چھوڑ آئے ہو (کیونکہ زمین حجتِ خدا سے خالی نہیں ہوتی) پس حضورؐ نے عرض کی عادل ترین صادق ترین، نیک ترین اور امین ترین علی بن ابی طالب کو چھوڑ آیا ہوں۔ جو میرا وصی۔ ولی وارث اور خلیفہ ہے۔ پس ارشاد ہوا کہ اس کو میرا اسلام کہنا۔

اے محمدؐ۔ میں اللہ جو معبود لاشریک اور آسمانوں و زمین کا خالق ہوں۔ میں نے تیرے بھائی کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ چنانچہ میں علی الاعلیٰ ہوں۔ اور اُس کا نام میں نے علی رکھا ہے۔ اے محمدؐ: میں خدا معبود لاشریک اور آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہوں۔ میں نے تیری شہزادی کو اپنے ناموں سے نام بخشا ہے پس میں ہر شئے کا فاطر ہوں اور اس کا نام میں نے فاطمہ رکھا ہے۔ اے محمدؐ: میں اللہ معبود لاشریک محسن اعظم ہوں۔ میں نے تیرے بچوں کے نام اپنے ناموں سے مشتق کئے ہیں۔ پس میں محسن ہوں۔ اور ان کے نام حسنؑ و حسینؑ تجویز کئے ہیں۔ جب آپ نے قریش کو یہ بات بتائی تو کہنے لگے یہ اپنی طرف سے باتیں بناتا ہے۔ پس یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

بُرسی نے بالاسناد جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر صحابہ نے عرض کی کہ سابق انبیاءؑ کی طرح آپ بھی اپنا قائم مقام اور جانشین تجویز فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میرے ساتھ میرے رب نے وعدہ فرمایا ہے کہ جس شخص نے میرے بعد میری اُمت کا امام و بشیر ہونا ہے اُس کے حق میں وہ آسمان سے ایک نشانی بھیجے گا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ میرے بعد اللہ کی جانب سے نامزد وصی کون ہے۔ چنانچہ جب نمازِ عشاء پڑھ چکے تو لوگ آسمان کی طرف دیکھنے لگ گئے۔ رات تاریک تھی۔ پس اچانک ایسی روشنی پیدا ہوئی۔ کہ مشرق و مغرب منوّر ہو گئے اور ایک ستارہ آسمان سے ٹوٹا اور زمین تک پہنچا اور گھروں کے اُوپر اس نے چکر لگانا شروع کیا، پھر حضرت علیؑ کے حجرہ کے اوپر ٹھہر گیا۔ اس کی روشنی اس قدر تیز تھی کہ تمام گھروں میں اجالا پھیل گیا اور لوگ گھبرا گئے۔ پس تہلیل و تکبیر کی ہر طرف سے صدائیں بلند ہوئیں لوگ کہنے لگے حضورؐ! آج آسمان سے ایک ستارہ اُترا ہے جس نے حضرت علیؑ کے حجرہ کے اوپر اپنا پرتو ڈالا ہے تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم میرے بعد وہی امام ہوگا۔ نیز میرا وصی اور قائم مقام وہی ہے۔ اس کی اطاعت تم پر فرض و لازم ہے۔ اور اس کی مخالفت نہ کرنا اور نہ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔ وہ زمین پر میرے بعد خلیفۃ اللہ ہوگا۔ پس منافقوں نے اسی وقت سے کہنا شروع کر دیا کہ آپ نے اپنے چچازاد کے حق میں جو کہا ہے۔ وہ اپنی خواہشِ نفس سے کہا ہے چنانچہ یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

تفسیر برہان میں مناقب ابن مغازلی شافعی سے بروایت انس منقول ہے کہ زمانِ پیغمبرؐ میں ایک دفعہ آسمان سے ستارہ اُترا۔ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ اس ستارے کو دیکھو جس کے گھر میں اُترے گا وہ میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ چنانچہ

لوگوں نے دیکھا کہ ستارہ حضرت علیؑ کے گھر پر اُترا۔ پس یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اور ابن عباس سے منقول ہے کہ میں چند ہاشمی جوانوں کے ہمراہ بارگاہِ نبوی میں حاضر تھا کہ اچانک ستارہ آسمان سے ٹوٹا تو آپ نے فرمایا کہ جس کے گھر میں یہ ستارہ اُترے گا وہ میرے بعد میرا وصی ہوگا۔ پس لوگوں نے دیکھا کہ ستارہ حضرت علیؑ کے گھر اُترا۔ تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ حضورؐ اپنے بھائی کی محبت میں راہِ حق سے بھٹک گئے ہیں۔ پس یہ آیتیں اُتریں۔

اقول چونکہ یہ سورہ مکیہ ہے۔ لہٰذا حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت کے لئے نامزدگی کے بعد اس سورہ مجیدہ کا نزول اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ یا تو یہ آیتیں دو دفعہ نازل ہوئیں۔ ایک دفعہ مکہ میں اور دوسری دفعہ مدینہ میں۔ اور جب مکہ میں نازل ہوئیں تو والنجم میں نجم سے مراد اُن پہلے چار معانی میں سے کوئی معنی ہوگا۔ یعنی ثریا یا مطلق کوئی ستارہ یا قرآن مجید یا حضرت رسالت مآبؐ۔ اور جب مدینہ میں نازل ہوا تو نجم سے مراد وہی ستارہ ہونا چاہیئے جو خلافت علیؑ کی علامت بن کر اُترا۔ اور پہلے چار معانی بھی مراد لیے جائیں تو اصل مقصود کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہ خدا نجم کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ تمہارا صاحب یعنی رسول اللہ نہ گمراہ ہے اور نہ بھٹکا ہوا ہے۔ اور حضرت علیؑ کے متعلق وہ جو کچھ بیان کرتا ہے یا احکام شرعیہ اسلامیہ کی جس قدر تبلیغ کرتا ہے یہ بھٹکی ہوئی ذہنیت کے نتائج نہیں اور نہ خواہشاتِ نفس کا ان پر کوئی اثر ہے بلکہ وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں خواہ علی کے بارے اور خواہ دیگر تعلیماتِ اسلامیہ کے بارے میں وہ سب خدا کی جانب سے وحی کی ترجمانی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر مکہ میں ہی یہ آیتیں اتری ہوں۔ پس ان کو مدنی کہنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ چنانچہ بعض روایات میں اس امر کی طرف اشارہ گذر چکا ہے۔

وَمَا غَوٰی ۔ غوایت کا معنی ناکامی و نامرادی ہوتا ہے یعنی وہ اپنے مشن میں ناکام نہیں ہے۔

وَحْیٌ یُّوْحٰی :۔ وحی کا معنی ہے دل ہی دل میں ایک معنی کا اتار دینا۔ جس طرح فرماتا ہے کہ خدا نے نحل کو وحی کی یعنی اس کے دل میں یہ مطلب اتار دیا۔ اسی طرح حضرت موسٰی کی ماں کو وحی کا ہونا یعنی خدا نے ان کے دل میں یہ بات اتار دی کہ اس بچے کو دودھ پلاؤ اور جب دشمن کا ڈر ہو تو اس کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دو۔ اور اصطلاح میں اس کا معنی یہ ہے کہ وحی اس خبر کو کہا جاتا ہے جس کو خدا فرشتے کے ذریعے سے نبی تک پہنچائے۔

ذُوْ مِرَّۃٍ :۔ اس کا اصل معنی ہے رسی کو بٹ دینا۔ اور اس جگہ اس کا معنی قدرت ہے پس مِرَّۃ قوت اور شدت کے معانی ایکدوسرے کے قریب قریب ہیں۔ یہ حضرت نبی کریمؐ کی تعریف ہے کہ آپ توحید کے معاملہ میں مضبوط اور سخت ہیں لہٰذا احکام خداوندی کی تبلیغ و ترویج سے آپ کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ اور تفسیر برہان میں حضرت امام موسٰی کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے جس قدر انبیاء بھیجے وہ صاحب مِرَّۃ سوا اء تھے۔

عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی :۔ یعنی حضورؐ کو شدید القویٰ نے تعلیم دی۔ یعنی یہ قرآن جو بذریعۂ وحی اتارا گیا ہے۔ یہ ان کی خواہش نفس کی ترجمانی نہیں اور نہ انہوں نے خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ آپ پر وحی کی گئی ہے اور مضبوط طاقت والے اللہ نے

ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى ⑨ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ⑩ فَاَوْحٰى

پھر قریب ہوا پس جھکا | تو دو کمانوں کا اندازہ تھا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک تھا | پس وحی کی

اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ⑪ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑫

اُس نے اپنے بندے پر جو کی | نہیں جھوٹ کیا دل نے اُس میں جو دیکھا

اس کو تعلیم کیا ہے۔ اور ذو مرۃ کا مبتدا ھو ضمیر غائب محذوف ہے۔ اس جگہ بعض مفسرین نے شدید القویٰ سے مراد جبریل لیا ہے۔ اور ذو مرۃ سے مراد بھی جبریل لیا ہے۔ اور فاستویٰ سے مراد یہ ہے کہ شب معراج حضرت جبریل حضورؐ کے سامنے اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہوا۔ کیونکہ جب وہ وحی لے کر آتا تھا تو بشکل انسانی پیش ہوتا تھا۔ وہاں آپ نے چاہا کہ اس کو اپنی اصلی شکل میں دیکھیں تو وہ اصلی شکل میں صحیح پیش ہوا کہ وہ افق اعلیٰ پر تھا لیکن یہ معنی قرین عقل نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضورؐ کو جبریل کا تعلیم دینا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ حضورؐ کو اللہ نے ہی سب کچھ تعلیم دیا ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ حضورؐ جبریل سے افضل و اشرف تھے۔ لیکن اگر جبریل کو آپ کا استاد قرار دیا جائے تو جبریل کی افضلیت لازم آئے گی۔ اور یہ باطل ہے۔ لہذا وہی پہلا معنی درست ہے کہ اللہ جو شدید القویٰ یعنی مضبوط قوت و قدرت والا ہے۔ اُس نے حضورؐ کو تعلیم دی یعنی قرآن کا علم دیا۔ اور اُسی کی وحی سے آپ نے اُمت کو سب کچھ سنایا۔ لکھایا۔ پڑھایا۔ اور حضورؐ تبلیغ دین میں مضبوط گردہ و جگر کے مالک تھے۔ اور صحیح و سالم احکام الٰہیہ کے مروج تھے اور وہ شب معراج افق اعلیٰ پر تشریف فرما ہوئے۔

ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى :۔ تدلّٰی کا معنی نیچے کی طرف جھکنا۔ اور بعض روایات میں تدلّٰی کی جگہ تدانی بھی ایک قرأت قرار دی گئی ہے۔ تو اس کا معنی مزید قرب ہے۔ گویا حضورؐ نے شب معراج مقام نور عظمت کی طرف غور کیا تو اس کے عجائب و غرائب مخلوقات کی سیر فرمائی۔ اور جب مشافہۃً وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو جہاں سے لفظ پیدا ہو رہے تھے اُس جگہ میں اور حضورؐ کی قوت سامعہ میں صرف دو کمانوں کے فاصلہ کے برابر فاصلہ رہ گیا تھا۔ یعنی کمان کا چلّہ اور کمان کی گولائی جہاں سے کمان کو پکڑا جاتا ہے۔ ایک قوس شمار ہوتی ہے۔ اور اگر دو کمانوں کو ملا کر اس طرح رکھا جائے کہ دونوں کے چلّے اکٹھے ہوں۔ اور کمانیں پھیلا کر ایک دوسرے کے مقابل کر دی جائیں تو ایک کمان کی گولائی سے دوسری کمان کی گولائی تک دو ذو چلّوں سے گذرنے والا خط جس قدر ہوگا وہی فاصلہ تھا۔ وحی کے لفظوں کی جائے صدور سے حضورؐ کے سماع تک پھر کہہ دیا کہ اَوْ اَدْنٰى یعنی اس سے بھی زیادہ قریب تھا۔ اور حضورؐ نے جب نیچے کی طرف جھک کر دیکھا اور ملکوت ارضیہ کی سیر فرمائی تو زمین سے اس قدر قریب تھے کہ بسبب سابق دو کمانوں یا اس سے بھی زیادہ قریب کا فاصلہ تھا۔

قَابَ :۔ قاب، قیب اور قاد و قید سب ہم معنی الفاظ ہیں اور ان کا معنی مقدار کا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں نبی کریمؐ سے قوسین کا معنی دو ذراع (ہاتھ) مروی ہے۔ اور قوس کا معنی ہے مایقاس بہ الشئی۔ اور وہ ذراع ہوتا ہے۔ اور قاس لغیفس میں ایک

أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ﴿۱۳﴾	وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ﴿۱۴﴾
کیا تم اس کو شک میں ڈالتے ہو اس چیز میں جسے وہ دیکھ چکا ہے	اور تحقیق ایک اور دفعہ بھی اس کو دیکھا
عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ﴿۱۵﴾	عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ﴿۱۶﴾
سدرۃ المنتہیٰ کے پاس	جس کے نزدیک جنت الماویٰ ہے

لغت قاب بقوس بھی وارد ہے۔

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ :- تفسیر برہان میں تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے۔ سائل نے پوچھا کہ وہ وحی کیا تھی۔ تو آپ نے فرمایا وہ وحی یہ تھی کہ اللہ نے فرمایا علیؑ سید الوصیین امام المتقین اور قائد الغر المحجلین ہے۔ اور خاتم النبیین کا پہلا خلیفہ ہے۔ پس لوگوں نے اس معاملہ میں شک کیا تو آیت اتری۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ :- یعنی جو کچھ آنکھوں سے دیکھا اس کو دل نے نہیں جھٹلایا۔ پس فرمایا أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ۔ یعنی کیا تم لوگ اس کو شک میں ڈالتے ہو جو وہ خود دیکھ چکے ہیں۔ اور حضورؐ نے فرمایا مجھے تو اس کے علاوہ اور حکم ہوا ہے سا اور وہ یہ کہ اعلانیہ علیؑ کو لوگوں کے لئے منصب کر کے واضح طور پر کہہ دوں کہ یہ میرے بعد تمہارا ولی ہے۔ اور یہ وہ سفینہ ہے جس پر سوار ہونے والا پار ہوگا۔ اور جو سوار نہ ہوا وہ غرق ہوگا۔

أَفَتُمَارُونَهُ :- یہ باب مفاعلہ ہے مَارَىٰ يُمَارِي مِمَارَاةً باہمی جھگڑا اور بحث کرنا تاکہ دوسرے فریق کو اپنے نظریے سے دست بردار ہونا پڑے۔ اللہ فرماتا ہے کہ تم لوگ رسول اللہؐ سے خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہو تاکہ وہ اپنے چشم دید حقائق کے متعلق شک میں پڑ جائیں۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب حضورؐ نے معراج سے واپس آکر قریش مکہ کو خبر سنائی تو عتبہ بن ابی لہب نے حضور سے انتہائی گستاخانہ حرکت کی تو آپ نے اس کو بد دعا کی کہ اے اللہ اس شخص پر ایک کتے کو مسلط کر دے چنانچہ اس کے بعد وہ شخص سفر شام کو جا رہا تھا کہ راستہ میں اس پر دہشت چھا گئی۔ پس اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ مجھے رات کے وقت سونے کے لئے اپنے درمیان میں جگہ دو۔ کیونکہ میرا دل خوف کھا رہا ہے تو انہوں نے اس کو رات کے وقت اپنے درمیان میں جگہ دی۔ تاہم رات کے وقت ایک شیر آیا اور لوگوں کے درمیان داخل ہو کر اس کو چیر پھاڑ کر چلا گیا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رویت اس جگہ افعال قلوب سے علم و یقین کے معنی میں ہو۔ یعنی جس چیز کو آنکھ سے دیکھ کر حضورؐ کو اطمینان و یقین حاصل ہو چکا تھا۔ اس میں دل کو ذرہ بھر شک و شبہ نہیں تھا۔ بعض لوگ اس جگہ معراج روحانی ثابت کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ حضورؐ جسم عنصری کے ساتھ تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ جسم بستر پر رہا اور روح و قلب نے عالم بالا کی سیر کی۔ اسی بنا پر آیت مذکورہ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ کا ترجمہ کرتے ہیں کہ دل نے اس حقیقت کی تکذیب نہ کی جس کو دیکھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز کو دیکھا تو اس میں اختلاف ہے بعض کہتے

ہیں کہ جبریل کو اپنی اصلی شکل میں دیکھا لیکن صحیح اور قرین عقل۔ دوسرا قول ہے کہ ملکوت خداوندی آثار قدرت الٰہیہ اور دلائل و براہین توحید کو ملاحظہ فرمایا اور ضمیر جو اللہ کی طرف پلٹتی ہے وہاں مضاف کو محذوف قرار دیا جائے گا۔ یعنی آیات اللہ یا مقدورات اللہ کا معائنہ کیا۔

مذہب حقہ شیعہ کے علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضورؐ اپنے جسد عنصری کے ساتھ(۱) معراج پر تشریف لے گئے اور اللہ نے ہی ان کو سیر کرائی۔ اور عالم بیداری میں تشریف لے گئے تھے نہ کہ عالم خواب میں۔ پس آپ نے ملکوت سماویہ اور مقدورات الٰہیہ کا آنکھوں سے معائنہ فرمایا تھا نہ کہ صرف دل اور روح نے دیکھا تھا۔ اور کسی چیز کو بیداری میں دیکھنے اور خواب میں دیکھنے کے درمیان یہ فرق ہے کہ بیداری میں چیز حقیقتاً آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے۔ اور عالم خواب میں صرف تصور ذہنی ہوتا ہے لیکن اس میں قوت باصرہ کے ادراک کا توہم ہوتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت اس میں قوت باصرہ کا کوئی دخل عمل نہیں ہوا کرتا۔

نَزْلَةً أُخْرَىٰ :- مفعول مطلق ہے یعنی نَازِلًا نَزْلَةً یعنی حضورؐ نے جبریل کو یا آیات پروردگار کو اترتے ہوئے یعنی واپس آتے ہوئے دوبارہ ایک دفعہ دیکھا جو لوگ خدا کی جسمانیت کے قائل ہیں وہ اس مقام پر غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حضورؐ نے شب معراج اللہ کو دیکھا چنانچہ حضرت عائشہ نے اس قسم کا عقیدہ رکھنے والوں کی پرزور تردید کی۔ انہوں نے فرمایا میرے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جب یہ سنتی ہوں لوگ کہتے ہیں کہ حضورؐ نبی اکرمؐ نے شب معراج اللہ کو دیکھا البتہ آپ نے جبریل کو اپنی اصلی حالت میں دیکھا تھا اور جو لوگ یہ کہیں کہ انہوں نے خدا کو دیکھا ہے۔ وہ غلط کہتے ہیں کیونکہ اللہ خود فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ - یعنی اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ سب کا ادراک کر سکتا ہے بلکہ حضرت رسالت مآبؐ سے پہلے بھی ایک مرتبہ کسی نے پوچھ لیا کہ کیا آپ نے شب معراج خدا کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا میں نے ایک نہر کو دیکھا اس کے آگے حجاب دیکھے پھر آگے چل کر نور دیکھا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا یعنی جو لوگ میرے متعلق رویت خدا کے قائل ہیں وہ غلط کہتے ہیں بلکہ میں نے مناظر قدرت اور آیات پروردگار کو ہی دیکھا۔ (مجمع البیان)

عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ :- منتہیٰ بلندی کی اس آخری حد کو کہا گیا ہے جہاں ملائکہ جا کر رک جاتے ہیں اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے اور یہ ظرف مکان کا صیغہ ہے۔ اور وہاں ایک درخت ہے جو عرش کے دائیں جانب ہے۔ پس اس درخت کو مقام منتہیٰ کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اور اس کو بعض لوگوں نے شجرہ طوبیٰ قرار دیا ہے کہ اس کی شاخیں جنت کے ہر محل میں پہنچیں گی۔ اور جنتی لوگ اس کے سایہ میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے باتیں کریں گے۔

عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ :- بعض کہتے ہیں یہ وہ جنت ہے جس میں حضرت آدمؑ کو ٹھہرایا گیا تھا۔

رسول اللہ نے کیا دیکھا؟

تفسیر برہان میں ہے ابو برزہ اسلمی بیان کرتا ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا کہ حضرت علیؑ سے انہوں نے فرمایا۔ اللہ نے سات مقامات پر تجھے میرے ساتھ حاضر کیا ہے (۱) شب معراج جب مجھ سے جبریل نے سوال کیا کہ علی کہاں ہے؟ میں نے کہا زمین پر اپنے پیچھے اپنا خلیفہ بنا کر آیا ہوں تو جبریل نے

کہا۔ اللہ سے دعا کیجئے تو وہ آجائے گا۔ چنانچہ میں نے دعا کی۔ پس دیکھا تو تیری مثال میرے پاس موجود تھی۔ اور فرشتے صف بصف کھڑے تھے۔ الخ (۲) جب دوسری دفعہ معراج پر گیا تو جبریل کے سوال وجواب کے بعد میں نے تیری مثال کو اپنے پاس پایا اور میں نے ساتوں آسمانوں کی مکمل سیر کی (۳) مجھے جب قوم جن کی طرف مبعوث کیا گیا تو حسب سابق جبریل کے ساتھ سوال وجواب ہوا۔ اور میں نے دعا کی تو تیری مثال ساتھ تھی اور جو باتیں میں نے ان سے کیں وہ سب تو سن رہا تھا (۴) لیلۃ القدر میں تو میرا شریک ہے (۵) میں نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے تجھے سب کچھ دے دیا۔ سوائے نبوت کے کیونکہ اس نے فرمایا کہ یہ تیرا خاصہ ہے اور تو اس کا خاتم ہے (۶) جب میں نے شب معراج انبیاء کو نماز پڑھائی تو تیری مثال میرے پیچھے تھی (۷) احزاب کی ہلاکت ہم دونوں کے ہاتھوں پر ہوئی۔ پس یہ منکرین معراج کی تردید ہے۔ اور جو لوگ جنت ونار کی خلقت کے قائل نہیں ان کی رد بھی ہے۔

جب جناب بتول معظمہ کی شادی کا وقت آیا اور جناب رسالت مآبؐ نے اپنی پارہ جگر سے تذکرہ فرمایا تو بی بی نے قریش کی عورتوں کی طرف سے علیؑ پر کئے جانے والے اعتراضات کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا میری لخت جگر خدا نے مجھے عالمین پر فضیلت بخشی اور چن لیا۔ اس کے بعد اس نے علیؑ کو عالمین پر برگزیدہ فرمایا اور پھر تجھے عالمین کی عورتوں کا سردار بنایا۔ اے فاطمہؑ جب میں معراج پر گیا تو بیت المقدس کے پتھر پر اللہ کی توحید اپنی نبوت اور علیؑ کی وزارت کو لکھا ہوا پایا اور جبریل نے کہا تیرا وزیر علی بن ابی طالب ہے۔ جب سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچا تو وہاں بھی توحید ونبوت کے ساتھ علی کی وزارت کی تحریر دیکھی اور جبریل نے ذکر کیا کہ تیرا وزیر علی بن ابی طالب ہی ہوگا۔ پھر جب عرش پر پہنچا تو عرش مجید کے ہر ہر قائمہ پر کلمہ توحید اپنا ذکر اور اپنے وزیر کا ذکر دیکھا۔ جب میں جنت میں داخل ہوا تو درخت طوبیٰ کو دیکھا جس کی اصل حضرت علیؑ کے گھر میں تھی اور جنت کے ہر گھر میں اس کی شاخیں تھیں جنت کی چوڑائی زمین وآسمان کی وسعتوں کے برابر ہے جو صرف مومنوں کے لئے سجائی گئی ہے۔ وہاں سائے میں چلنے والا مسافر ایک سو سال تک چلتا رہے تو سایہ ختم نہ ہوگا۔ چنانچہ اس کی تعریف قرآن نے وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ سے کی ہے۔ وہاں کے میوہ جات بے حد وحساب ہوں گے اور جنتیوں کا کھانا گھروں میں ہر وقت تیار ہوگا طوبیٰ کی ایک شاخ پر سینکڑوں رنگ برنگے میوے ہوں گے۔ بعض دیکھے ہوئے اور بعض ان دیکھے ہوں گے بعضوں کا نام سنا ہوگا اور بعضوں کا نام نہ سنا ہوگا۔ جب ایک میوہ توڑا جائے گا تو فوراً اس کی جگہ دوسرا پیدا ہو جائے گا اور وہاں ایک نہر جاری ہے جس سے چار شاخیں نکلتی ہیں۔ خالص پانی کی نہر خالص دودھ کی نہر خالص شراب کی نہر اور خالص شہد کی نہر، اے فاطمہؑ! خدا نے علیؑ کو سات اوصاف عطا فرمائے ہیں جن میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۱) قبر سے نکل کر سب سے پہلے میرے ساتھ ہوگا (۲) پل صراط پر میرے ساتھ کھڑے ہو کر دوزخ سے کہے گا۔ اس کو لے لے اس کو چھوڑ دے (۳) سب سے پہلے حضرت علیؑ کو لباس جنت پہنایا جائے گا (۴) عرش کی دائیں جانب میرے ساتھ علیؑ کھڑا ہوگا (۵) جنت کا سب سے پہلے دروازہ علیؑ کھٹکھٹائے گا (۶) علیین میں میرے ہمراہ علیؑ رہیگا

(۶) میرے ساتھ پیئے گا ۔ وہ رحیق مختوم جس پر کستوری کی مہر لگی ہوگی ۔ اے فاطمہؑ (۱) کیا ہوا اگر علی دنیا میں مالدار نہیں (آخرت کی جاگیر کا
مالک تو علیؑ ہے ، اگر قریش کی عورتیں علیؑ کو بطین کہتی ہیں تو کیا حرج ہے (۲) علیؑ کا شکم علم کا خزانہ ہے ۔ اور علی کو انزع کہنا کوئی بری بات
نہیں ۔ اللہ نے حضرت علیؑ کو جناب ابوالبشر آدم کا سلیہ عطا فرمایا ہے اور علیؑ کے بازؤں کی لمبائی پر قریش (۳) عورتوں کا اعتراض فضول
ہے کیونکہ وہ دشمنانِ اسلام کا سر قلم کرنے اور اعداء دین کے فی النّار کرنے کے لئے ہیں ۔ خدا اس کے ذریعے سے دین کو غالب کریگا
اور اسی کے ذریعے سے اسلامی فتوحات ہوں گی ۔ اور علیؑ کی پشت سے (۴) جوانانِ جنت کے سردار پیدا ہوں گے جو عرش پروردگار
کی زینت ہیں ۔ ہر نبی کی اولاد اپنی صلب سے (۵) اور میری اولاد علیؑ کی صلب سے ہوگی ۔ اگر علیؑ نہ ہوتا تو میری ذریت نہ ہوتی الحدیث

تفسیر برہان میں مروی ہے ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے حبیب سجستانی سے ایک طویل حدیث میں فرمایا ۔ جب حضور محل
سدرہ تک پہنچے تو جبریل رُک گیا ۔ اور عرض کی اے محمدؐ ۔ میری منزل یہی ہے ۔ میں اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا ۔ آپ بے شک
آگے چلے جائیں ۔ چنانچہ حضورؐ روانہ ہو گئے اور جبریل پیچھے رہ گیا ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا ۔ سدرہ کو سدرۃ المنتہیٰ
اس لئے کہا جاتا ہے کہ ملائکہ کراماً کاتبین لوگوں کے اعمال لکھ کر اُوپر لے جاتے ہیں اور وہاں وہ فرشتے جو الحفظۃ الکرام موجود
ہیں ان کی نقلیں لے کر سدرۃ المنتہیٰ تک جاتے ہیں ۔ یعنی وہ مقام ان کی انتہائے پرواز کی جگہ ہے اور وہاں درخت ہے ۔ جسے
سدرہ کہا جاتا ہے وہاں یعنی مقام سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر حضورؐ نے اس درخت کی شاخیں زیر عرش بھی دیکھیں ، اور عرش کے
ارد گرد بھی دیکھیں ۔ وہاں ایک نورِ پروردگار کی تجلی ہوئی جس سے آنکھیں خیرگی محسوس کرتی تھیں ۔ خداوند کریم نے آپ کے جسم میں قوت
برداشت بڑھا دی اور آنکھوں میں قوتِ بینائی عطا فرمائی ۔ پس آپ نے اللہ کی آیات میں سے بہت کچھ دیکھا ۔ اور اسی کے متعلق
ارشادِ خداوندی ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جس کے پاس جنت الماویٰ ہے ۔ آپ نے دوسری دفعہ دیکھا اور اپنی آنکھوں سے اللہ کی
بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں ۔ آپ نے فرمایا سدرہ کی موٹائی دنیا کے سالوں میں سے ایک سو سال کی مسافت کے برابر ہے ۔ اور اس
کا ایک پتہ پوری دنیا کو ڈھانپ سکتا ہے اور خدا کی مخلوق میں سے بعض فرشتے ایسے ہیں جن کو خدا نے زمین کی نباتات درختوں اور
کھجوروں وغیرہ پر موکل کیا ہے ۔ پس زمین کا کوئی درخت محافظ فرشتوں سے خالی نہیں ہوا کرتا جو اس کی اور اس کے پھل کی
حفاظت پر مامور ہیں ۔ اگر وہ نہ ہوتے تو درندوں اور حشرات الارض سے کوئی سبزی و انگوری محفوظ نہ رہ سکتی ۔ اور حضورؐ نے پھلدار
درختوں کے نیچے خیمہ زن ہونے سے منع فرمایا کیونکہ پھلدار درختوں کے نیچے جو ملائکہ موجود ہوتے ہیں ان کو تکلیف ہوتی ہے ۔ اور
پھلدار درختوں سے توحش اس لئے نہیں ہوتا کہ وہاں فرشتوں کی آمد و رفت ہوتی ہے ۔

ایک شخص نے امام علی زین العابدین علیہ السّلام سے سوال کیا کہ جب اللہ کسی مکان کا پابند نہیں تو نبی علیہ السّلام کے آسمان پر لے
جانے کا کیا مقصد تھا ؟ آپ نے فرمایا ملکوت سماویہ اور عجائب قدرت کی سیر کرانا مقصود تھا ۔ اور دَنَا کا معنی ہے کہ فضائے نور میں
آگے بڑھے اور ملکوتِ سماویہ کو دیکھا اور دَنَا فَتَدَلّٰی کا معنی یہ ہے کہ فضائے نور میں آگے بڑھ کر مناظرِ قدرت دیکھے اور تدلّٰی کا معنی
ہے کہ ملکوتِ سماویہ سے نیچے کی طرف نظر جھکا کر ملکوتِ ارضیہ کی طرف دیکھا اور آپ کو زمین کا قرب دو کمانوں کے فاصلہ کے برابر معلوم ہوا

إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ﴿١٦﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ﴿١٧﴾ لَقَدْ

جب ڈھانپ لیا سدرہ کو جس نے ڈھانپ لیا — نہ ٹیڑھی ہوئی آنکھ نہ حد سے بڑھی — تحقیق

رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ﴿١٨﴾ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ﴿١٩﴾

انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں میں سے بڑی نشانی دیکھی — تم نے لات و عزّیٰ کو کیا سمجھا ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے محمد مصطفیٰ کو اور آگے بڑھایا اور قریب کیا پھر ایک صورت دکھائی اور فرمایا کیا آپ اس کو پہچانتے ہیں تو آپ نے ہاں میں جواب دیا اور کہا کہ یہ علیؑ کی صورت ہے۔ پس وحی کی کہ اس سے فاطمہؑ کی شادی کرو اور اس کو اپنا وصی قرار دو۔

إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ :۔ اس کی تفسیر میں حضورؐ نے فرمایا کہ جبریل ایک بڑے درخت کے پاس کھڑا ہوا تھا جس کے ہر پتہ و شاخ پر ایک ایک فرشتہ موجود تھا۔ اور اس درخت کو نورِ پروردگار نے ڈھانپا ہوا تھا تو جبریل نے کہا کہ یہاں سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکتا لیکن آپ کو آگے جانا ہے تاکہ اللہ کی آیاتِ کبریٰ کو ملاحظہ کریں۔ اس کے بعد وہ مجھے زیرِ عرش لے گیا اور باذنِ پروردگار اس نے سبز رنگ کا نہایت حسین و دل کش (سواری کے لئے) رفرف پیش کیا اور میں آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ فرشتوں کی آوازیں بھی میرے کانوں تک نہ پہنچ سکتی تھیں۔ اور وہاں مخلوق میں سے کسی شئی کا وجود نہ تھا۔ پس میرے نفس میں سکون اور دل میں سرور کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اور مجھے یوں لگا کہ سب مخلوق مر چکی ہے۔ کیونکہ مجھے اپنے سوا اور کوئی مخلوق نظر نہ آتی تھی۔ پھر کچھ وقت کے بعد خدا کی توفیق سے مجھے افاقہ سا محسوس ہوا۔ اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور دل سے اس طرح دیکھتا تھا۔ جس طرح آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے بلکہ آنکھوں کی نظر سے بھی زیادہ دکھائی دیتا تھا اور مجھے ایک ایسا نور نظر آیا جس کو آنکھیں برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اسی اثناء میں مجھے ذاتِ پروردگار کی جانب سے آواز پہنچی۔ یا محمدؐ! تو میں نے عرض کی۔ لبیک ربّی پس ارشاد ہوا کیا۔ تو نے اپنی قدر و منزلت کا اندازہ کر لیا ہے جو میرے پاس تیرے لئے ہے؟ تو میں نے عرض کی۔ جی ہاں! پھر ارشاد ہوا کہ کیا تو نے اپنی اور اپنی ذریّت کی قدر و منزلت معلوم کر لی ہے؟ تو میں نے عرض کی جی ہاں۔ پھر فرمایا گیا تجھے پتہ ہے کہ ملاء اعلیٰ کس بات میں بحث کرتے ہیں؟ تو میں نے عرض کی۔ تیری ذات اعلم و احکم ہے اور تو ہی علام الغیوب ہے تو فرمایا کہ ملاء اعلیٰ درجات و حسنات میں بحث کرتے ہیں۔ (۱) مفروضہ نمازوں کے لئے وضو کا درست کرنا (۲) قدموں پر چل کر نمازِ جماعت کو جانا (۳) ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یعنی فرشتوں کے تین گروہ ہیں۔ اور مذکورہ ذیل امور میں سے ہر ایک گروہ ایک چیز کو افضل قرار دیتا ہے (إِفْشَاءُ السَّلَامِ وَإِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالتَّهَجُّدُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ) یعنی ہر وہ جس پر وارد ہو اس کو سلام کہنا اور مہمان نوازی کے طور پر کھانا کھلانا اور رات کو نمازِ تہجد کا پڑھنا جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ اس کے بعد آمَنَ الرَّسُولُ تا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ آیات نازل ہوئیں اور ارشادِ قدرت ہوا۔ کہ یہ آیتیں تیرے

لئے اور تیری اولاد کے لئے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اب میں تم سے ایک ایسی بات دریافت کرتا ہوں جس کو میں خود تجھ سے بہتر جانتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ تو نے اپنے بعد کسی کو اپنا خلیفہ نامزد کیا ہے۔ تو میں نے جواب دیا زمین پر بسنے والوں میں جو سب سے زیادہ افضل ہے وہ میرا بھائی چچا زاد تیرے دین کا ناصر اور تیرے دشمن کا دشمن ہے۔ جس کا نام علی بن ابی طالب ہے۔ تو ارشاد ہوا کہ بے شک تو نے درست کہا ہے۔ میں نے تجھے نبوت کے لئے چن لیا اور رسالت پر مبعوث کیا اور علی کو تیری اُمت کا مبلغ و شاہد قرار دیا۔ وہ تیری موجودگی میں اور تیرے بعد زمین پر میری حجت ہوگا۔ وہ میرے دوستوں کا نور اور میرے اطاعت گذاروں کا ولی ہوگا۔ اور علی وہ کلمہ ہے جو متقین کے لئے میں نے لازم کیا ہے (جس طرح سورۂ فتح کی آیت نمبر ۲۷ میں گذر چکا ہے۔ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى) اے محمدؐ! اپنی دختر نیک اختر کی شادی علیؑ سے کر دیجئے۔ کیونکہ وہی تیرا وصی اور وارث و وزیر ہے۔ وہی تجھے غسل دینے والا۔ تیرے دین کا ناصر اور تیری سنت پر شہید ہونے والا ہے۔ اور اس کو اس اُمت کا بدترین انسان قتل کرے گا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے چند چیزوں کے متعلق حکم دیا ہے۔ اور بعض ایسے امور ہیں جن کا اظہار نہ کرنا مجھ پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ پس رفرف کے ذریعے سے میں نیچے اُترا۔ اور جبریل مجھے سدرۃ المنتہیٰ پر لایا۔ کچھ دیر وہاں قیام کیا۔ پھر جنت میں داخل ہوا۔ اے علیؑ! وہاں میں نے اپنا اور تیرا گھر دیکھا۔ اور میں جبریل کے ساتھ محو گفتگو تھا کہ اچانک نورِ خداوندی نے میرے اوپر اپنا پرتو ڈالا۔ (جس طرح اُوپر کو جاتے ہوئے اس کے نورِ عظیم نے ڈھانپ لیا تھا گویا وہ مرۃ اولیٰ تھا اور یہ نزلۂ اُخریٰ تھا) پس خدا نے مجھے صدا دی۔ اے محمدؐ! تو میں نے لبیک کہی۔ پس ارشاد ہوا۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ غَضَبِيْ۔ یعنی میری رحمت میرے غضب سے پہلے ہے۔ تو میری مخلوق میں سے میرا برگزیدہ میرا امین دوست اور رسول ہے۔ اور مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر میری تمام مخلوق ایک پلک جھپکنے کے برابر بھی تجھ میں شک کرے یا تیری توہین کرے یا تیری نیک اولاد میں سے کسی کی توہین کرے تو اس کو یقیناً جہنم میں داخل کروں گا۔ اے محمدؐ! علی مومنوں کا امیر مسلمانوں کا سردار اور نورانیوں کا قائد ہے۔ وہ سبطین کا باپ ہے جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں جو ظلم و جور سے شہید کر دئے جائیں گے۔ اس کے بعد نماز اور باقی احکام کا حکم دیا گیا۔ ملخصاً (برہان)

چار بڑے فرشتے

بروایت عبداللہ بن مسعود حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ میں نے جبریل کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا کہ اس کے چھ سو پر تھے۔ اور ہر ایک سے یاقوت اور موتی گر رہے تھے۔ اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اسرافیل نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے ساتوں زمینوں کی طاقت عطا فرما تو اللہ نے اس کو پہاڑوں۔ ہواؤں اور جملہ حیوانوں کی طاقت عطا کی۔ اور اس کے سر سے قدموں تک بال منہ اور زبانیں پیدا کر دیں۔ جن کو بے حد حساب پروں سے ڈھانپ دیا۔ پس وہ ہر زبان سے ہزار ہزار بولیوں میں تسبیح کرتا ہے۔ اور اس کی ہر سانس سے فرشتے پیدا ہوتے ہیں۔ جو تا قیامت اللہ کی تسبیح میں مشغول رہیں گے۔ وہ ملائکہ مقربین اور حاملین عرش اور کراماً کاتبین جن کی شکل اسرافیل سے ملتی جلتی ہے۔ اور اسرافیل ہر شب و روز میں تین دفعہ جہنم کو دیکھتا ہے تو خوف سے پگھل کر چلہ کمان کی طرح کمزور ہو جاتا ہے۔

وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢١﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢٢﴾ تِلْكَ

اور منات تیسرا بت ان کے علاوہ ہے کیا تمہارے لئے مذکر (بیٹے) ہوں اور اس کے لئے بیٹیاں ہیں ؟ تو یہ

اور اس قدر گریہ کرتا ہے کہ اگر اس کے آنسو آسمان سے گرنے لگ جائیں تو زمین و آسمان کی درمیانی فضا چھلک اٹھے اور پوری دنیا غرقاب ہو جائے اور دنیا کے تمام دریا و سمندر اگر اس کے سر پر گرا دئے جائیں تو سب پانی وہاں جذب ہو جائے گا اور اس کا ایک قطرہ بھی نیچے نہ گرے گا۔ اور اگر خدا اسے رونے سے منع نہ کرتا تو پوری زمین اس کے آنسوؤں سے پر ہو کر طوفانِ نوح کی داستان دہراتی۔ اور اسرافیل کی عظمت کی یہ صورت ہے کہ جبریل نے ایک دفعہ پرواز شروع کی تو اسرافیل کے ہونٹ سے اس کے ناک تک کا فاصلہ تین سو برس میں طے کیا۔ لیکن وہ بھی پورا نہ کر سکا۔ اور میکائیل کو خدا نے اسرافیل کے پانچ سو برس بعد پیدا فرمایا۔ اس کے سر سے قدم تک تمام بال زعفران سے ہیں۔ اور اس کے پر زبرجد سبز کے ہیں۔ اس کے ہر بال پہ ہزار ہزار منہ ہیں۔ اور ہر منہ میں ہزار ہزار زبانیں ہیں۔ اور ہر زبان کے ساتھ ہزار ہزار آنکھ ہے جو خوفِ خدا سے گریہ کرتی ہیں۔ اور گنہگار مومنوں پہ رحم کرتے ہوئے ان کے لئے ہر آنکھ اور ہر زبان سے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اور اُن کی ہر آنکھ سے ستر ہزار ہزار قطرات ٹپکتے ہیں۔ اور ہر قطرہ سے میکائیل کی شکل کا ایک ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے اور ان کو کروبیوں کہا جاتا ہے۔ اور وہ میکائیل کے مددگار ہیں جو بارشوں، سبزیوں اور درختوں کے پتوں اور پھلوں پر تعینات ہیں۔ اور سمندروں میں پانی کے جس قدر قطرے ہیں یا درختوں پر جس قدر پھل ہیں ان پر ایک ایک فرشتہ موکل موجود ہے۔ اور جبریل کو اللہ نے میکائیل کے پانچ سو برس بعد پیدا فرمایا۔ اس کے دس لاکھ اور چھ سو پر ہیں۔ اور اس کے سر سے قدم تک سب بال زعفرانی ہیں سورج اس کی آنکھوں کے درمیان ہے۔ اور اس کے تمام بال چاند ستارے ہیں۔ وہ ہر دن نور کے سمندر میں تین سو ساٹھ مرتبہ غوطہ لگاتا ہے جب نکلتا ہے تو اس کے پروں سے قطرات گرتے ہیں۔ اور ہر قطرہ سے ایک ایک فرشتہ جبریل کی شکل کا پیدا ہوتا ہے جو قیامت تک اللہ کی تسبیح کرتے رہیں گے۔ اور ان کو روحانیوں کہا جاتا ہے۔ اور ملک الموت صورت و شکل چہرہ زبان اور پروں کے لحاظ سے اسرافیل کے مشابہ ہے۔

لات منات عزّٰی

اَفَرَاَيْتُمُ: یعنی لات و منات و عزّٰی کے متعلق بتاؤ کہ ان کو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ اُن کی عبادت کرتے ہو۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ اس جگہ مشرکین مکہ کے نظریے کے متعلق مختلف آراء کا اظہار کیا گیا ہے۔ بعض کہتے تھے کہ اُن کے نزدیک یہی خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اور بعض کا خیال ہے کہ وہ چونکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ پس انہوں نے اپنے خیال سے ان کی شکل کے بت تراش لئے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ اور ان کے نام بھی اللہ کے ناموں سے مشتق کئے ہوئے تھے۔ مثلاً لات اللہ سے اور عزّی عزیز سے۔ بعض کا خیال ہے کہ لات طائف میں بنی ثقیف کا بت تھا اور عزّی بھی ایک بت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ عزّٰی ایک کیکر کا بہت بڑا درخت تھا جس کی قبیلہ غطفان پرستش کرتے تھے اور حضورؐ نے ان کی طرف خالد بن ولید کو

إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴿٢٢﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم

تقسیم غلط ہے ۔ بجز اس کے نہیں کہ یہ نام تم نے اور تمہارے آباء نے ان کے تجویز کر لئے ہیں

مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى

اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نہیں نازل کی یہ تو صرف اپنے گمان کی ہی اتباع کرتے ہیں اور جو ان کا نفس

الْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴿٢٣﴾ أَمْ لِلْإِنسَانِ

چاہے حالانکہ ان کے پاس اپنے پروردگار کی جانب سے ہدایت پہنچ چکی ہے کیا ان کے لئے وہ کچھ

مَا تَمَنَّىٰ ﴿٢٤﴾ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾ وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي

ہے جو چاہے ؟ پس اللہ کے لئے دوسری (قیامت) اور پہلی (دنیا) اور کس قدر فرشتے ہیں آسمانوں

السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِن بَعْدِ أَن يَأْذَنَ

میں کہ ان کی شفاعت کچھ فائدہ مند نہیں مگر بعد اس کے کہ جس کے لئے چاہے

اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ ﴿٢٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

اللہ اجازت دیدے اور راضی ہو جائے تحقیق جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے

لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنثَىٰ ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ

وہ فرشتوں کے مونث والے نام رکھتے ہیں حالانکہ ان کو اس کا کوئی علم نہیں ہے

بھیجا تھا اور اس نے درخت کاٹ ڈالا تھا ۔ منات کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ مکہ و مدینہ کے درمیان یہ بت رکھا ہوا تھا بعض نے کہا ہے کہ قبیلہ ہذیل و خزاعہ کا بت تھا ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تینوں بت کعبہ میں تھے ۔

ضِيزَىٰ :۔ بروزن فِعلی اور اس کا قیاس فُعلی ہے یا وادی ضازَ یَضُوزُ ضَوزًا سے ہے یا یائی ضَازَ یَضِیزُ ضَیزًا سے ہے اور اس کا معنی ہے نقصان پہنچانا اور اس جگہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے لئے بیٹوں کی تجویز اور خدا کے لئے بیٹیوں کی تجویز ان کی غیر عادلانہ روش ہے اور جو انہوں نے نام تجویز کئے ہیں ان پر بھی ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں بلکہ صرف گمان اور خواہش نفس کے پیچھے چل کر انہوں نے ایسا کیا ہے ۔

مَا تَمَنَّىٰ :۔ یعنی انسان (کافر) چاہتا ہے کہ اس سے کوئی باز پرس نہ ہو ۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ آخرت و اولیٰ کا مالک اللہ ہے ۔ اور وہ ضرور باز پرس کرے گا ۔

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٩﴾

وہ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور گمان حق کا ذرہ بھر فائدہ نہیں دیتا

فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٣٠﴾

پس منہ پھیر لیجئے اس سے جو ہمارے ذکر سے پھر جائے اور دنیاوی زندگی کے علاوہ اور کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو

ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

یہ ان کے علم کی آخری منزل ہے تحقیق تیرا رب خوب جانتا ہے جو گمراہ ہو اس کے رستہ

سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿٣١﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا

سے اور وہ خوب جانتا ہے ان کو جو ہدایت پائیں اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور

فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ

زمین میں ہے تاکہ بدلہ دے ان کو جو برائی کریں اس کی جو انہوں نے کیا اور بدلہ دے ان کو

مَبْلَغُهُمْ :۔ یعنی ان کے عقل و دانش کی آخری منزل دنیاوی منفعت تک محدود ہے کہ وہ حیوانوں کی طرح پیٹ بھرنے کو ہی کامیاب زندگی تصور کرتے ہیں۔

رکوع ۶

گناہانِ کبیرہ

لِيَجْزِيَ :۔ یہ لام عاقبت کے لئے ہے۔ یعنی وہ مالک ہے اور اس کا انجام یہ ہے کہ وہ جزا و سزا دے گا یعنی چونکہ وہ مالک قادر ہے اور مخلوق کو اُس نے عبث پیدا نہیں کیا لہٰذا اس نے جزا و سزا کا دن مقرر کیا ہوا ہے

كَبَائِرَ الْإِثْمِ :۔ تفسیر برہان میں ہے۔ ایک دفعہ عمرو بن عبید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے اسی آیت مجیدہ کی تلاوت کی۔ اور پھر خاموش ہو گیا آپ نے فرمایا کیوں خاموش ہو گیا ہے۔ تو اس نے عرض کی کتاب اللہ سے گناہانِ کبیرہ کو معلوم کرنا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا (۱) اکبر الکبائر شرک ہے وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ الآیۃ (۲) اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا (۳) اللہ کی گرفت سے نڈر ہونا (۴) عقوق والدین اس کو خدا نے جبار شقی کہا ہے (۵) قتل نفس محترمہ (۶) قذف محصنہ (پاکدامن عورت کو تہمت زنا دینا (۷) یتیم کا مال کھانا (۸) جہاد سے فرار کرنا (۹) سود خوری (۱۰) جادو (۱۱) زنا (۱۲) جھوٹی قسم (۱۳) غلول دھوکا (۱۴) زکوٰۃ نہ دینا (۱۵) جھوٹی گواہی (۱۶) یا گواہی کو چھپانا (۱۷) شراب نوشی (۱۸) ترک الصلاۃ (۱۹) عہد شکنی (۲۰) قطع رحمی (ان کو شمار کرتے ہوئے امام نے ہر ایک کے ساتھ قرآن مجید کی متعلقہ آیت کی تلاوت فرمائی۔ چنانچہ جب آپ شمار کر چکے تو عمرو بن عبید روتا ہوا باہر نکلا اور چیخیں مار مار کر کہتا تھا کہ جو شخص اپنی ذاتی رائے سے کوئی بات

أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ﴿٣١﴾ الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ

جنہوں نے نیکی کی اچھائی کا جو لوگ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائیوں سے

إِلَّا اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ

سوائے معمولی لغزش کے تحقیق تیرا رب کمل بخشش والا ہے وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب کہ اس نے پیدا کیا تم کو

مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا

زمین سے اور جب تم جنین تھے ماؤں کے شکم میں پس اپنے نفسوں کی پاکیزگی

أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿٣٢﴾ ع أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿٣٣﴾

نہ بیان کرو وہ جانتا ہے جو اُس سے ڈرے کیا تو نے اسے دیکھا جو پشت دکھا کر بھاگ گیا

کرے اور فضل و علم میں تمہارا مقابلہ کرے۔ وہ یقیناً ہلاک ہو گا۔ اور دوسری روایت میں فواحش سے مراد زنا اور چوری لی گئی ہے۔

عبید بن زرارہ سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے گناہانِ کبیرہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کتاب علی میں ان کی تعداد سات ہے (۱) اللہ کا کفر (۲) قتل نفس (۳) عقوق والدین (۴) سود خوری (۵) ناجائز طریر یتیم کا مال کھانا (۶) جہاد سے بھاگ جانا (۷) ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ واپس چلا جانا۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی۔ بس یہی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! تو میں نے عرض کی کہ یتیم کے مال سے ایک درہم کھالینا زیادہ گناہ ہے یا ترک الصلوٰۃ تو آپ نے فرمایا کہ ترک الصلوٰۃ۔ تو میں نے کہا کہ ترک الصلوٰۃ کو آپ نے ذکر ہی نہیں فرمایا تو آپ نے فرمایا۔ میں نے سب سے پہلے کس چیز کا نام لیا ہے؟ تو میں نے عرض کی کہ آپ نے سب سے پہلے کفر کا نام لیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ بلا وجہ نماز کو ترک کرنے والا ہمارے نزدیک کافر ہوا کرتا ہے۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ۔ امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ تم اپنے اعمال کی بڑائی نہ بیان کیا کرو کہ میں نمازی ہوں یا روزہ دار ہوں کیونکہ وہ زیادہ جانتا ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے کہ وہ مٹی طیّب تھی یا نجس پس وہ تمہارے مزاجوں کو خوب جانتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے۔ جب آپ سے عمل کے باقی رکھنے کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا جب انسان کوئی نیکی کرے یا راہِ خدا میں خرچ کرے تو اس کی نیکی لکھی جائے گی۔ لیکن اُسے لوگوں کے سامنے بیان کرے تو وہ نیکی کی بجائے ظاہری نیکی لکھی جائے گی لیکن جب دوبارہ اس کو ذکر کرے گا تو وہ مٹا دی جائے گی اور ریا ہو جائیگا

اور لمم کے معنی میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے (۱) خلاف عادت کسی کام کا کر گذرنا یعنی اتفاقی طور پر گناہ کرنا اور پھر تائب

وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۵﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۶﴾

اور تھوڑا دیا اور بخیل ہو گیا کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ دیکھتا ہے؟

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۷﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰٓى ﴿۳۸﴾

کیا اس کو خبر نہیں دی گئی جو حضرت موسیٰ کے صحیفے میں ہے اور ابراہیم کے صحیفے میں ہے جس نے وفا کی

ہو جانا۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور رسالت مآبؐ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَاَىُّ عَبْدٍ لَكَ لَا اَلَمَّا

یعنی اے پروردگار اگر تو چاہے تو بہت بڑے گناہ بخش دیتا ہے اور تیرا کونسا بندہ ہے جس نے معمولی گناہ یعنی اتفاقی گناہ بھی نہ کیا ہو؟

(۲) گناہانِ صغیرہ جس طرح نامحرم پر نظر ڈالنا یا بوس و کنار کرنا وغیرہ۔ اور زمین سے تمام انسانوں کے پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم کو آدم سے پیدا کیا اور آدم زمین سے پیدا ہوئے تھے یا یہ کہ سب انسان زمین سے اُگنے والی پیداوار کھاتے ہیں جس سے مادہ منویہ پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان منی سے پیدا ہوتا ہے۔ گویا بالواسطہ اس کی پیدائش زمین سے ہی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خدا تمہاری پیدائش کی اصل بھی جانتا ہے۔ اور وہ زمین ہے جس کا بعض حصہ طیب اور بعض حصہ خبیث ہوتا ہے اور وہ آگاہ ہے کہ تمہارا مادہ طیب ہے یا کہ خبیث۔ اور نیز تمہاری شکمِ مادر میں رہائش کو بھی وہ جانتا ہے۔ لہٰذا تم اپنے اعمال پر اترانا چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ حقیقت کو بہتر جانتا ہے۔

رکوع ۷

اَفَرَاَيْتَ :۔ اس کے شان نزول کے متعلق مذکور ہے کہ حضرت عثمان[ا] کافی صدقہ وغیرہ کیا کرتے تھے ایک دفعہ ان کو اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کہا کہ تم اس قدر سخاوت نہ کیا کرو ورنہ سب کچھ خرچ کر بیٹھو گے تو عثمان نے کہا میرے گناہ بہت زیادہ ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ خدا خوش ہو جائے اور میرے گناہ معاف کر دے تو اس نے کہا مجھے اپنی اونٹنی سامان سمیت دے دو۔ میں تیرے سارے گناہ اپنے ذمہ لے لوں گا۔ چنانچہ عثمان نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد راہِ خدا میں مال خرچ کرنا چھوڑ دیا تو یہ آیت اتری کہ اس شخص کو دیکھو جو جنگِ احد میں دشمنوں سے پشت دکھا کر بھاگ گیا اور اب حیلوں بہانوں سے جان چھڑانا چاہتا ہے کہ معمولی سا روپیہ دے کر بخیل بن گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیتیں[۲] ولید بن مغیرہ کے لئے اتریں کہ اس نے رسول اللہ کا دین اختیار کیا تھا لیکن جب کافروں نے طعنہ دیا کہ تو نے بزرگوں کا دین چھوڑ دیا ہے اور ان کو تو نے گمراہ اور دوزخی سمجھا ہے۔ کہنے لگا میں تو اللہ کے عذاب سے ڈر گیا ہوں تو طعنہ دینے والے نے کہا مجھے اتنا مال دے دو تو میں عذاب خداوندی سے تیری ضمانت لیتا ہوں۔ چنانچہ وہ دوبارہ کافر ہو گیا اور طعنہ دینے والے کو کچھ وعدہ شدہ روپیہ دیا اور باقی کا انکار کر دیا اور بعض نے کہا ہے[۳] کہ ایک شخص گھر سے اچھا خاصا روپیہ لے کر روانہ ہوا تاکہ بارگاہِ نبوی میں فیضیاب ہو۔ لیکن راستہ میں اسے ایک کافر نے روک لیا کہ روپیہ مجھے

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴿۳۹﴾ وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۴۰﴾

کہ نہ بوجھ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا ۔ اور یہ کہ نہیں انسان کے لئے مگر وہ جو خود کوشش کرے

وَ اَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ﴿۴۱﴾ ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ﴿۴۲﴾ وَ

اور تحقیق اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی ۔ پھر اس کو پوری جزا دی جائے گی ۔ اور

اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۳﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰی ﴿۴۴﴾ وَ اَنَّهٗ

تحقیق تیرے رب کی طرف آخری منزل ہے ۔ اور تحقیق وہی رلاتا اور ہنساتا ہے ۔ اور تحقیق

هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْیَا ﴿۴۵﴾ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰی ﴿۴۶﴾

وہی مارتا اور جلاتا ہے ۔ اور اس نے پیدا کئے جوڑے ۔ نر اور مادہ

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰی ﴿۴۷﴾ وَ اَنَّ عَلَیْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰی ﴿۴۸﴾ وَ اَنَّهٗ

نطفہ سے جب گرایا جاتا ہے (رحم میں) ۔ اور تحقیق اسی پر ہے پیدا کرنا دوبارہ ۔ اور تحقیق

دے دو۔ اور میں تیرے گناہ اپنے سر پر لے لیتا ہوں۔ پس اس نے دو روپیہ اس کو دے دیا اور مشرف باسلام نہ ہو سکا بہر صورت یہ آیات مجیدہ ان لوگوں کے لئے (جو تاقیامت اس قسم کی سودے بازی کریں) سرزنش ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کیا ایسے شخص کو علم غیب ہو جاتا ہے اور وہ دیکھ لیتا ہے کہ وہ شخص اس کا عذاب سے ضامن بن جائے گا۔ کیا ایسے لوگوں کو حضرت موسیٰ و ابراہیم کے صحیفوں کی خبر نہیں کہ ان میں صاف طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ کوئی کسی کا بوجھ بروز محشر نہ اٹھائے گا اور انسان کو صرف اپنا کمایا ہوا کام دے گا۔

وَفّٰی :- یعنی ابراہیم علیہ السلام پر جو امتحان آیا اس نے پورا کر دکھایا۔

تنبیہ ۔ بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ والی آیت کا حکم منسوخ ہے کیونکہ شریعت محمدی میں ایک شخص کے اعمال نیابت کے طور پر دوسرے کو فائدہ دے سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک عورت نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ میرا باپ مر گیا ہے اور وہ حج نہیں کر سکا تھا تو آپ نے فرمایا تو اس کی نیابت میں حج کر سکتی ہے۔ بہرکیف نماز اور روزہ وجملہ عبادات کا اجارہ جائز ہے یا یہ کہا جائے کہ یہ عام مخصص ہے۔ یعنی کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا مگر ان مقامات پر جہاں دلیل سے ثابت ہو جائے۔

اَضْحَكَ وَ اَبْكٰی :- یعنی اس مردے نے خود ہی اپنے لئے ضحک و بکا کا سبب پیدا کیا ہے۔ یا یہ تاویل کی جائے گی کہ اللہ وہ ہے جس نے درختوں کے پھل پھول کی بدولت ہنسایا اور بادلوں کو بارش کے ذریعے رلایا۔ یا یہ کہ اللہ وہ ہے جس نے

هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿٤٩﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿٥٠﴾ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ

اُسی نے غنی کیا اور فقیر کیا   اور تحقیق وہی شعریٰ کا رب ہے   اور تحقیق اسی نے ہلاک

عَادَاۨ الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾ وَثَمُوْدَا فَمَآ اَبْقٰى ﴿٥٢﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ

کیا پہلی قوم عاد کو   اور ثمود کو پس نہ باقی چھوڑا   اور قوم نوح کو اس سے پہلے   تحقیق وہ لوگ

كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿٥٣﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿٥٤﴾ فَغَشّٰىهَا

ظالم و سرکش تھے   اور ہلاک کیا مؤتفکہ کو جس کو پھینک دیا   پس اس کو ڈھانپ دیا

مَا غَشّٰى ﴿٥٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿٥٦﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى

(عذاب نے) جس نے ڈھانپ لیا پس اپنے رب کی نعمتوں میں کس میں شک کرو گے؟   یہ ڈرانے والا ہے پہلے ڈرانے والوں

فرمانبردار کو اپنی رحمت سے ہنسایا اور نافرمان کو سزا دے کر رلایا۔

عَلَيْهِ النَّشْاَةَ :۔ اس جگہ علیٰ کی لفظ وجوب کو ظاہر کرتی ہے کہ بروز قیامت لوگوں کو زندہ کر کے اٹھانا اللہ پر واجب ہے کیونکہ جب اس نے مخلوق کو اعمال کے لئے مکلف فرمایا ہے تو وہ ثواب کا ضامن ہے۔ اور چونکہ مخلوق کو مصائب و آلام بھی پہنچتے ہیں لہذا وہ ان کے عوض کا ضامن ہے اور چونکہ دنیا میں یہ ثواب و عوض نہیں ہوتا لہذا ایک دوسرا مقام ایسا ضروری ہے جس میں جزا و سزا کا پورا اہتمام ہو۔ اور چونکہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے لہذا اس کی ایفا لازم و واجب ہے۔

اَغْنٰى وَاَقْنٰى :۔ اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں (۱) غنی کیا اور خادم عطا کئے (۲) غنی کیا اور اثنا دیا کہ راضی کر دیا (۳) کسی کو غنی کیا اور کسی کو فقیر کیا۔

رَبُّ الشِّعْرٰى :۔ شعریٰ ایک ستارے کا نام ہے جس کی قبیلہ خزاعہ پرستش کرتا تھا۔ کہتے ہیں سردیوں کے موسم میں جنوب کی طرف چار ستارے نمودار ہوتے ہیں جن کی ہیئت مستطیل کی سی ہوتی ہے اور ان کے درمیان میں تین ستارے ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں۔ جب ان تین متصل ستاروں سے ایک وہمی خط بائیں طرف کھینچا جائے تو تقریباً سات ذراع کے فاصلہ پر وہ شعریٰ یمانی تک جا پہنچتا ہے۔ اگر دائیں طرف خط نکلے تو اتنے ہی فاصلہ پر شعریٰ شامی تک پہنچتا ہے۔

عَادَانِ الْاُوْلٰى :۔ بعض قاریوں نے اس کو عَادَ الّٰوْلٰى پڑھا ہے۔

وَثَمُوْدَ :۔ اس کا عاد پر عطف ہے اور اَبْقٰى کا معمول نہیں کیونکہ ما کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا۔

وَالْمُؤْتَفِكَةَ :۔ اس سے قوم لوط مراد ہے اور بعض روایات میں اس سے اہل بصرہ مراد لئے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے جنگ جمل کی فتح کے بعد ایک خطبہ میں اہل بصرہ کو اہل مؤتفکہ سے تعبیر کیا ہے۔

الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۸﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۹﴾

ہیں سے — قریب ہے آنے والی (قیامت) — نہیں اس کے لئے اللہ کے بغیر دور کرنے والی کوئی طاقت

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۱﴾

کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو — اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟

وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۳﴾ ع

حالانکہ تم غافل ہو — پس اللہ کا سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو

فَغَشّٰهَا :- یعنی ان لوگوں پر پتھروں کی آسمان کی جانب سے سخت بارش نازل کی گئی اور مَا غَشّٰی چونکہ ان پر بھیجے جانیوالے عذاب کی اہمیت و عظمت کو ظاہر کرنا مقصود تھا اس لئے اس کو مبہم لایا گیا۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ :- یعنی جس قدر امور کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ یہ سب صحف ابراہیم و موسیٰ میں موجود ہیں۔ اور ان میں غور و فکر کرکے صحیح نظریہ قائم کرتے ہوئے اللہ کے دین کی طرف جھک جانا تمہارا فرض ہے۔ اور سابق امتوں کا تذکرہ کرنا تمہارے لئے اللہ کا لطف ہے جس کی بدولت تمہارے لئے قبول حق آسان ہوتا ہے۔ پس یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے لہٰذا تم اس کی کس کس نعمت کا انکار کروگے یا شک کروگے؟

هٰذَا نَذِيْرٌ :- یہ رسول یا یہ قرآن یا یہ خبریں سابق کی طرح تمہیں خدا کی نافرمانی سے ڈرانیوالی ہیں۔

اٰزِفَةُ :- قیامت کو آزفہ کہا گیا ہے کیونکہ ہر آنیوالی چیز قریب ہے اور جانے والی بعید ہوا کرتی ہے۔

كَاشِفَةٌ :- یا تو اسم فاعل کا صیغہ ہے یا یہ کہ عافیہ عاقبہ واقیہ اور خائنہ کی طرح مصدر ہے۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ :- یعنی اس قرآن مجید کے بیانات کو سن کر تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور مسخری کرتے ہو۔ حالانکہ یہ رونے کا مقام ہے۔

فَاسْجُدُوْا :- اس جگہ سجدہ واجبہ ہے کیونکہ اَمر ہے اور امر وجوب کو ظاہر کرتا ہے اس سجدہ کا طریقہ گذر چکا ہے۔ جلد ۱۲ ص ۱۵۹ ۔ جلد ۷ ص ۱۵۷۔

اگر بچہ روتا ہو تو آیت ۶۰ - ۶۱ - ۶۲ کو لکھ کر اس کے گلے میں تعویذ باندھا جائے تو وہ نہ روئے گا۔

سورہ القمر

یہ سورہ مکیہ ہے۔
اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت پچپن ہے
حضور نبی اکرمؐ سے مروی ہے جو شخص اس سورہ مجیدہ کو پڑھتا رہے بروز قیامت اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔ اور ہر رات اس کا پڑھنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرتا رہے وہ بروز محشر اپنی قبر سے نکلے گا تو جنت کی سواری پر سوار ہو کر آئے گا۔
اور خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص نماز ظہر کے وقت بروز جمعہ لکھ کر اپنے عمامہ میں رکھے تو وہ جہاں بھی جائے وجیہہ و باعزت ہوگا۔
اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ بروز جمعہ نماز ظہر کے وقت لکھ کر اس کو اپنے عمامے میں رکھنے والا لوگوں میں مقبول ہوگا۔ اور اللہ کے اذن سے مشکل کام اس پر آسان ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ② وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ

قیامت قریب ہے اور چاند شق ہوا اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور

رکوع ۸

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ :- چونکہ حضرت رسالت مآبؐ آخری نبی ہیں۔ اور ان کا زمانِ نبوت قیامت تک ہے۔ پس ان کی آمد قربِ قیامت کی نشانی ہے۔ اور حضرت رسول اللہؐ کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوا لہٰذا شق القمر کو قربِ قیامت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

وَانْشَقَّ الْقَمَرُ :- ابن عباس سے منقول ہے کہ قریش مکہ نے حضورؐ سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے شق القمر کا معجزہ ان کو دکھایا۔ اور ابن مسعود سے مروی ہے کہ شق القمر رسول اللہؐ کے لئے ہے اور سورج کا پلٹنا حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت ہے کیونکہ اللہ نے جو فضیلت رسول اللہ کو عطا کی ہے۔ اسی طرح اس کے ولی کو عطا فرمائی ہے سوائے عہدۂ نبوت کے۔ پس وہ خاتم النبیین ہیں اور یہ خاتم الوصیین ہیں۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ شق القمر کی روایت صحابہ میں سے کثیر التعداد افراد نے نقل کی ہے۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود۔ انس بن مالک۔ حذیفہ بن الیمان۔ ابن عمر۔ ابن عباس اور جبیر بن مطعم وغیرہ۔ اور تمام صحابہ میں یہ حدیث مشہور و معروف ہے۔ اور تمام اُمتِ اسلامیہ کا اس پر اجماع منعقد ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے اس معجزہ پیغمبر کا انکار کیا ہے۔ یا اس کو بعید از عقل و قیاس قرار دیا ہے۔ ان کا قول قابل اعتنا نہیں ہے اور کفارِ مکہ کے سامنے جب شق القمر ہوا تو انہوں نے اس کو جادو کہہ کر رد کر دیا تھا۔ چنانچہ اگلی آیت میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

تفسیر برہان میں اس کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ مفضل بن عمرؒ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی۔ جب حضرت رسالت مآبؐ نے اعلانِ رسالت کے بعد قبائلِ عرب کو دعوتِ اسلام دی تو قریشیوں نے باہمی مشورہ کرکے یہ تجویز پاس کی کہ حضرت محمد جادوگروں کی طرح ہمیں خارقِ عادات چیزیں دکھاتا رہتا ہے۔ اُن سے ایسی چیز کا مطالبہ کریں جو جادو سے نہ بن سکتا ہو چنانچہ انہوں نے چاند کے شق ہو کر زمین تک پہنچنے کی خواہش پر اتفاقِ رائے کیا اور حضورؐ سے عہد و پیمان لیا کہ اگر آپ یہ معجزہ دکھا دیں تو ہم اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے۔ یعنی یہ کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوں۔ اس کا ایک ٹکڑا مشعر الحرام پر اور دوسرا کوہ صفا پر اُترے تو ہم آپ کو اللہ کا برحق رسول مان لیں گے۔ چنانچہ عہد و پیمان کے بعد لوگوں میں اعلانِ عام ہوا۔ آنے والی چودھویں ذوالحجہ کی رات تھی۔ پس ابولہب ابوجہل اور ابوسفیان نے خوب آواز سے کہے کہ اب ہم آپ کا جادو دیکھیں گے۔ حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ کوہِ صفا سے مشعر الحرام کی طرف

يَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ③ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ

کہتے ہیں یہ پکا جادو ہے اور انہوں نے جھٹلایا اور اتباع کی اپنی خواہشات کی اور ہر امر ثابت

مُّسْتَقِرٌّ ④ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّنَ الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ⑤

ہے اور تحقیق ان کے پاس ایسی خبریں پہنچیں جن میں نصیحت تھی

جائیے اور یہ دعا کیجئے: اے بیت الحرام کے پروردگار۔ اسے بلد الحرام کے پروردگار۔ اسے زمزم و مقام کے پروردگار، اے رسول تہامی کے بھیجنے والے خدا: تو ہمارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اور تو ہر شئے کو جاننے والا ہے۔ اس کے بعد چاند کی طرف اشارہ کرنا کہ وہ دو ٹکڑے ہو جائے تاکہ اس کا ایک ٹکڑا کوہ صفا پہ اور دوسرا مشعر پر اترے۔ قریشیوں نے جب یہ سنا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ دیکھو وہ تو اپنے اس معاملہ میں علیؑ سے مدد لے رہا ہے جو ابھی کمسن ہے۔ پس وہ خوب ہنسے اور خوشی سے خوب بغلیں بجانے لگے۔ لیکن حضرت رسالت مآبؐ نے ان کی پرواہ کئے بغیر حضرت علیؑ سے دوبارہ فرمایا کہ جو کچھ میں نے حکم دیا ہے تم اس کو بجا لاؤ۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے تعمیل ارشاد نبوی میں باواز بلند دعائیہ کلمات زبان پر جاری فرمائے اور ابھی تک دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ زمین پر ایک جھٹکا سا محسوس ہوا۔ اور یوں لگا کہ ابھی زمین اپنے اوپر بسنے والوں کو نگلنے پر تیار ہے۔ اور کفار کہنے لگے کہ چاند تو دو ٹکڑے ہو نہیں سکتا۔ البتہ ہم کو جادو کے ذریعے پیوند خاک کیا جا رہا ہے۔ لیکن حضورؐ نے پورے اطمینان سے فرمایا کہ تم چاند کی طرف دیکھو۔ چنانچہ لوگوں نے دیکھا کہ اچانک چاند دو ٹکڑے ہوا پس اس کا ایک ٹکڑا کوہ صفا پر گرا۔ اور دوسرا مشعر پر آیا۔ حتیٰ کہ مکہ کے گھروں۔ پہاڑوں اور وادیوں میں بھی اس کی روشنی پھیل گئی۔ اور لوگوں نے خدا و رسول پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ لیکن منافق لوگ پھر بھی اس کو جادو کہنے سے باز نہ آئے اور ایک روایت میں ہے کہ عصر سے مغرب تک کے زمانہ کے برابر یہ حالت طاری رہی۔ اس کے بعد چاند واپس اپنے مقام پر چلا گیا۔ اور کفار نے ایک دوسرے کو ملامت کرنا شروع کیا۔ اور اسی دن سورہ ابی لہب نازل ہوا۔ اور ابولہب کی دشمنی اس کے بعد حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اور اہل مکہ اور گرد و نواح میں سے چھ سو بارہ آدمی مسلمان ہو گئے لیکن کفار مکہ کے خوف سے انہوں نے ایمان کو مخفی رکھا۔ پس ابولہب تا دم آخر کافر رہا۔ اور ابو جہل جنگ بدر میں قتل ہوا۔ اور ابو سفیان فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام کی شوکت و دبدبہ سے مرعوب ہو کر مسلمان ہوا۔ اور ان کو طلقاء کہا جاتا ہے (ملخصاً)

ابن شہر آشوب سے منقول ہے کہ مفسرین و محدثین کا معجزہ شق القمر پر اجماع ہے کہ کفار نے وعدہ کیا تھا کہ اگر چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو ہم ایمان لائیں گے۔ پس آپ نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہوا۔ اس کا ایک حصہ کوہ ابو قبیس پر اور دوسرا کوہ قیقعان پر یا ایک حصہ کوہ صفا پر اور دوسرا کوہ مروہ پر گرا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ تمام لوگوں پر تو جادو ہو نہیں سکتا۔ اگر باہر سے آنے والے بھی یہ ماجرا بتائیں تو ہم مان لیں گے۔ جب باہر سے آنے والوں نے بھی چاند

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝٦ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ

(یہ قرآن) حکمت بالغہ ہے پس نہ کفایت کریں گے ڈرانے والے پس ان سے اعراض کر لو جس دن بلائے گا بلانے والا غیر معروف

شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝٧ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ

چیز کے لئے درحالانکہ جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں قبروں سے اس طرح نکلیں گے جیسے

کے دو ٹکڑے ہونے کی تصدیق کی تو وہ کفر پر ڈٹ گئے اور اسلام لانے پر موفق نہ ہوئے۔

كُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ :۔ ہر بات یعنی نیکوں کی نیکی اور بروں کی برائی ان کے اعمال نامہ میں ثابت ہے اور ان کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

مُزْدَجَرٌ :۔ یہ زجر سے باب افتعال ہے اور قاعدہ صرفی کے ماتحت باب افتعال کی تا دال سے بدل دی گئی ہے پس مزتجر سے مزدجر بن گیا۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے پاس گذشتہ اُمتوں کی ایسی خبریں پہنچ چکی ہیں کہ اگر یہ لوگ ان سے عبرت حاصل کرتے تو انبیاء کی تکذیب نہ کرتے اور کفر سے باز آجاتے۔ لیکن ازراہ عناد انہوں نے ان خبروں سے نصیحت حاصل نہ کی۔

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ :۔ یعنی قرآن مجید صرف حکیم نہیں بلکہ مجسم حکمت ہے اور حکمت بالغہ ہے۔ یعنی انسان کی ترقی و کمال کے لئے اس سے بہتر دستور العمل کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ تو جو لوگ قرآن مجید کی ہدایت کو قبول نہ کریں تو ان کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ ایسے لوگوں کو ڈرانے والے کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

النُّذُرُ :۔ نذیر کی جمع ہے۔ یعنی نبیوں کا کام ہے کہ کفر و شرک کے انجام بد سے لوگوں کو ڈرائیں لیکن جو لوگ ضد و ہٹ دھرمی پر اڑ جائیں ان کو آتش جہنم سے کون بچا سکتا ہے؟

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ :۔ حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کی بدزبانیوں کی پرواہ کئے بغیر آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ اور ان سے روگردانی کر کے ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں۔ اور اس کے بعد یَوْمَ کا عامل محذوف ہے یعنی اذْكُرْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ۔

شَيْءٍ نُّكُرٍ :۔ آیت مجیدہ میں داعی (بلانے والے) سے مراد یا تو اسرافیل ہے۔ کیونکہ اس کی نفخ صور کے بعد لوگ میدان محشر کی طرف دوڑ کر جائیں گے۔ اور شئ نکر سے مراد عرصہ محشر ہے اور چونکہ وہ گھبراہٹ میں ڈال دینے والا منظر ہوگا اور اوپرا ہوگا اس لئے اس کو نکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ نکر سے مراد جہنم ہو۔ اور داعی سے مراد وہ فرشتہ ہو جو دوزخیوں کو دوزخ میں دھکیلنے پر مامور ہوگا۔ لیکن اگلی آیت سے پہلے معنی کی تصدیق ہوتی ہے کہ فضا میں پھیلی ہوئی ٹڈی کی طرح قبروں سے نکلیں گے۔

مُهْطِعِينَ :۔ تفسیر برہان میں ہے حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے۔ حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ لوگ اپنی قبروں سے بیک وقت برہنہ نکلیں گے۔ اور اس وقت سب کے سب جوان بلا ریش ہوں گے۔ پس ایک دفعہ سب پر تاریکی چھا جائیگی

جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝٨ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا

پھیلی ہوئی مکڑی تیز چلنے والے ہوں گے بلانے والے کی طرف درحالیکہ کافر کہیں گے یہ

يَوْمٌ عَسِرٌ ۝٩ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا

دن سخت مشکل ہے ان سے پہلے قوم نوح نے جھٹلایا انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ

مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝١٠ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝١١

پاگل ہے اور اسے جھڑکا بھی گیا تو اس نے اپنے رب کو پکارا (اے اللہ) میں مغلوب ہوں تو میری مدد کر

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَاۗءِ بِمَاۗءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝١٢ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا

تو ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے اُبال دیئے

اور کثرتِ اژدحام کی وجہ سے سانس پھولنے لگیں گے۔ اور پسینے سے شرابور ہوں گے۔ پس ان کی چیخ وپکار بلند ہوگی۔ اور یہ احوالِ قیامت میں سے پہلی منزل ہوگی۔ اسی اثنا میں پروردگار کی جانب سے ان کو آواز پہنچے گی جس سے تمام شوروغل ختم ہوجائے گا۔ آنکھیں جھک جائیں گی۔ دل کانپ رہے ہوں گے۔ اور تمام بدن پر کپکپی سی طاری ہوگی۔ اور کافر لوگ اس دن کی سختی کا اعتراف کریں گے۔

قَوْمُ نُوْحٍ :۔ مفصل ذکر گذر چکا ہے۔ جلد، صفحہ پر ملاحظہ ہو۔ (پہلا ایڈیشن)

وَازْدُجِرَ :۔ یعنی قوم نوحؑ نے حضرت نوحؑ کو پاگل کہنے کے علاوہ جھڑکا بھی اور ڈانٹا بھی۔ اور قتل کی دھمکی دے کر ان کو دعوتِ اسلامیہ سے دست کشی پر مجبور کرنے کی کوشش بھی کی۔ چنانچہ قرآن میں ان کے قول کی حکایت موجود ہے لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۔ یعنی اگر تو اس وعظ سے باز نہ آئے گا۔ تو تجھ پر پتھر برسائے جائینگے لیکن باوجود اس کے حضرت نوح علیہ السّلام نے ان کی تمام حرکاتِ ناشائستہ اور کلماتِ ناپسندیدہ کی پرواہ کئے بغیر اپنے مشن تبلیغ اسلام کو جاری رکھا۔

فَدَعَا رَبَّهٗ :۔ جب آدمی کے پاس اپنے مسلک پر کوئی دلیل و برہان نہ ہو تو وہ حق کے داعی کا جواب گالی گلوچ اور ہر قسم کی سخت کلامی سے دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی آوازِ حق کو دبانے کے لئے کفار نے اسی قسم کے اوچھے حربوں سے کام لیا اور ہر قسم کی بداخلاقی کا مظاہرہ کیا اور حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہِ پروردگار میں اپنی مغلوبیت کا تذکرہ کر کے اپنی مدد کی درخواست پیش کی۔ وہ دلیل و برہان میں مغلوب نہ تھے بلکہ ان کی بدکلامی اور بداخلاقی سے مغلوب تھے پس آپ نے تا قیامت ہر حق کے دعوت دہندہ کے لئے یہ دستور قائم کر دیا کہ جب اہل باطل کی غوغا آرائی حد سے بڑھ

فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۳﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ

تو دونوں پانی مل گئے ایسے اندازے سے جو مقدر کیا گیا تھا اور ہم نے اس کو تختوں اور میخوں سے جڑی ہوئی (کشتی پر)

وَّدُسُرٍ ﴿۱۴﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ

سوار کیا جو ہماری حفاظت میں چلتی تھی یہ جزا تھی اس کی جس کا کفر کیا گیا اور تحقیق کر دیا ہم نے اسکو

اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۷﴾

نشانی تو کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا ؟ میرا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا ؟

جائے تو ان کی طرف سے آنے والی ہر مشکل کا مقابلہ کرتے ہوئے اللہ سے اپنی مظلومیت کا شکوہ کرنا چاہیئے اور اپنے مشن سے دست بردار ہونا قبول نہ کیا جائے۔ پس اللہ کی مدد ساتھ ہو جاتی ہے۔ اور مشہور ہے کہ شہید اول محمد بن مکی مصنف "اللمعۃ الدمشقیہ" کو جب حاکم شام نے سزائے موت دی تو ان کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا گیا اور ہر ایک کا رخ ایکدوسرے کے مخالف سمت کی طرف کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ اونٹوں کو ڈنڈے مار کر اپنی اپنی سمت کی طرف ہنکایا جائے تاکہ محمد بن مکی اعلی اللہ مقامہ کو پاؤں سے سر تک چیر دیا جائے۔ پس آپ نے جلادوں سے ایک ٹھیکری طلب کی۔ اور اس پر یہ دعا لکھی رَبِّ اِنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ اے رب میں مغلوب ہوں۔ میری مدد فرما۔ اور اس کو اوپر فضا میں پھینکا تو تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹھیکری واپس ان کی گود میں آکر گری جس کے دوسرے رخ پر یہ کلمہ تحریر تھا۔ اِنْ كُنْتَ عَبْدِيْ فَاصْطَبِرْ یعنی اگر تو میرا بندہ ہے تو صبر کر۔

مُنْهَمِرٍ:۔ یہ ھمر سے ہے جس کا معنی ہے انڈیلنا مقصد یہ ہے کہ آسمان سے لگاتار بارش برسائی گئی۔ جس طرح ایک بڑے برتن سے پانی کو انڈیلا جاتا ہے۔ اور زمین سے چشموں کا پانی ابلنے لگا۔ پس اوپر اور نیچے پانی ہی پانی ہو گیا۔

عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ۔ یعنی آسمان اور زمین کا پانی آپس میں مل گیا اور وہ اس قدر تھا جس قدر اللہ کی جانب سے مقدر کیا گیا تھا۔

ذَاتِ اَلْوَاحٍ۔ اس جگہ موصوف محذوف ہے یعنی سَفِيْنَةٍ ذَاتِ اَلْوَاحٍ۔

دُسُرٍ:۔ یہ دسار یا دسیر کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے میخ۔ یعنی وہ سفینہ لکڑیوں اور میخوں سے مضبوط جڑا ہوا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دُسر کا معنی ہے دھکیلنا اور کشتی کے سینہ کو دسر کہا جاتا ہے جو پانی کو دھکیلتا ہوا جاتا ہے۔

بِاَعْيُنِنَا:۔ لفظی معنی ہے کہ وہ ہمارے سامنے تھی۔ اور مرادی معنی یہ ہے کہ وہ ہماری حفاظت و ضمانت میں چل رہی تھی۔

مَنْ كَانَ كُفِرَ:۔ جس کا کفر کیا گیا وہ حضرت نوحؑ تھے۔ اور حضرت نوح کو ہم نے یہ جزا دی کہ ان کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا۔ اور جن لوگوں نے ان کو ستایا تھا۔ اور ان کی تکذیب و توہین کی تھی۔ ان کو عذاب میں گرفتار

وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۸﴾ كَذَّبَتۡ

اور ہم نے نصیحت کے لئے قرآن کو آسان بنایا کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا ؟ جھٹلایا قوم

عَادٌ فَكَيۡفَ كَانَ عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ﴿۱۹﴾ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا

عاد نے تو ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا ؟ ہم نے ان پر تیز ٹھنڈی ہوا بھیجی

صَرۡصَرًا فِىۡ يَوۡمِ نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ ﴿۲۰﴾ تَنۡزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمۡ

پیہم نحس دن میں اکھاڑ پھینکتی تھی لوگوں کو جس طرح جڑ سے

کر کے غرق کر دیا۔

مُدَّكِرٍ :۔ یہ بابِ افتعال سے ہے اصل میں تھا مذتکر یعنی تاء کو قاعدہ صرفی کے تحت دال سے تبدیل کر کے ذال کو دال میں ادغام کر دیا گیا۔

نُذُرِ :۔ اس کا اصل نُذُرِی ہے اور یاء متکلم کو فاصلہ کی رعایت کے لئے حذف کر دیا گیا۔ اور یہ انذار کے معنی میں مصدر ہے

كَذَّبَتۡ عَادٌ۔ قوم عاد کی ہلاکت کا ذکر جلد ۷ صفحہ ۲۲۵ پر ملاحظہ ہو۔ پہلا ایڈیشن۔

رِيۡحًا صَرۡصَرًا :۔ صرصر اُس آندھی کو کہا جاتا ہے جس کی صرصراہٹ کی آواز سُنی جا رہی ہو۔ اور بادِ صرصر تیز ٹھنڈی ہوا کو کہا جاتا ہے۔ یہ رباعی مضاعف ہے۔ اس کا مجرد ہے صَرَّ جس طرح كَبَّ سے كَبۡكَبَ یا نَقَّ سے نَقۡنَقَ آیا کرتا ہے

نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ :۔ یعنی عذاب کا دن ان لوگوں کے لئے یوم نحس تھا۔ اور مستمر کا معنی ہے کہ اُس دن کی سختی ان لوگوں کے لئے مسلسل اور طولانی تھی۔ چنانچہ منقول ہے کہ وہ سرد اور تیز و تُند آندھی آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل چلتی رہی۔ یہاں تک کہ اس قوم میں سے ایک فرد بھی زندہ نہ بچ سکا۔ اور مستمر کو بعض نحویوں نے یوم کی صفت قرار دیا ہے۔ اور بعضوں نے اس کو نحس کی صفت قرار دیا ہے۔ اور ہر دو صورت میں معنوی طور پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور نحوست مستمرہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اُن کی یہ نحوست دنیا سے شروع ہو کر آخرت تک چلی گئی۔ کیونکہ ظاہری موت سے عذاب آخرت کا اتصال ہو گیا۔ اور مستمر عذاب میں وہ گرفتار کر لئے گئے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ وہ مہینے کے آخری بدھ کا دن تھا۔

تَنۡزِعُ النَّاسَ :۔ یعنی وہ اس قدر تیز و تُند ہوا تھی کہ چلتے آدمی کو زمین سے اکھاڑ کر سر کے بل گراتی تھی۔ جس سے اس کی گردن ٹوٹ جاتی۔ اور ہڈی پسلی چُور چُور ہو جاتی تھی۔ اور وہیں ڈھیر ہو جاتا تھا۔ اور اُن کے سر جسموں سے بالکل الگ ہو جاتے تھے۔

أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢١﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ

اکھاڑے ہوئے کھجور کے تنے تو کس طرح تھا ہمارا عذاب اور ڈرانا ؟ اور ہم نے

يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٣﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ

نصیحت کے لئے قرآن کو آسان بنایا کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا ؟ جھٹلایا تو ثمود نے ڈرانے

بِالنُّذُرِ ﴿٢٤﴾ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ

والوں کو پس کہنے لگے کیا اپنے میں سے ایک آدمی کی اتباع کریں ہم تو پھر گمراہ اور پاگل پنے میں

وَسُعُرٍ ﴿٢٥﴾ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿٢٦﴾

ہوں گے کیا اس پر ڈالا گیا ذکر ہم سب میں سے بلکہ وہ جھوٹا متکبّر ہے

سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿٢٧﴾ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ

عنقریب وہ کل (قیامت کو) جان لیں گے کہ جھوٹا متکبّر کون ہے ؟ ہم اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں ان کی

أَعْجَازُ نَخْلٍ :۔ یعنی وہ لوگ کھجور کے تنوں کی طرح گرے پڑے تھے اور کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے ہوا کی شدت سے بچنے کے لئے چھوٹی چھوٹی خندقیں اور گڑھے کھود لئے تھے۔ اور ان میں گھس گئے تھے۔ لیکن ہوا ان کو ان گڑھوں سے اکھاڑ کر سر کے بل گراتی تھی۔

مُّنْقَعِرٍ :۔ یہ قعر سے ہے جس کا معنی ہے گہرائی اور اس جگہ مُراد یہ ہے کہ جس طرح کھجور کے تنے جڑوں سے اکھاڑ دیے جاتے ہیں۔ اُن لوگوں کو تیز ہوا اس طرح اکھاڑ پھینکتی تھی۔

كَذَّبَتْ :۔ اس جگہ نذر یا تو انذار کے معنی میں مصدر ہے یا جمع ہے نذیر کی تو چونکہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب کی موجب ہے۔ اس لئے ان کو تمام ڈرانے والوں کا مکذب ٹھہرایا گیا اور یہ حضرت صالح علیہ السّلام کی قوم تھی۔ اور ان کا مفصّل ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ ج ۲ ص۴۹ ج ، ص۲۲۵۔

رکوع ۹

سُعُرٍ :۔ جمع ہے سعیر کی جس کا معنی آگ ہوتا ہے اور اس سے مراد تکلیف و مصیبت ہے۔ اور بعضوں نے سعر کا معنی جنون و دیوانگی بھی کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایک آدمی کی حکومت مان لینا خواہ مخواہ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے کے برابر ہے یا یہ کہ یہ محض ہماری گمراہی و دیوانگی ہی ہوگی کہ ایک کے تابع ہو جائیں۔

مُرْسِلُوا النَّاقَةِ :۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ اگر تو سچا ہے تو پتھر کی چٹان

فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۸﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ

آزمائش کے لئے پس ان کا انتظار کر اور صبر کر اور ان کو خبر دے کہ پانی کی ان میں باری مقرر

بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۹﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ

ہے ہر باری پر حاضر ہونا ہوگا (جس کی باری ہوگی) پس انہوں نے ساتھی کو بلایا پس اس نے جرأت کی

فَعَقَرَ ﴿۳۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۱﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

تو اسے ذبح کر ڈالا پھر کس طرح تھا ہمارا عذاب اور ڈرانا ؟ ہم نے ان پر ایک دھماکہ بھیجا تو وہ

صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۲﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ

کواڑ کے تنکوں کی طرح (ریزہ ریزہ) ہو گئے اور ہم نے نصیحت کے لئے قرآن

لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۳۳﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ﴿۳۴﴾

کو آسان بنایا تو کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا جھٹلایا قوم لوط نے ڈرانے والوں کو

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ﴿۳۵﴾ نِّعْمَةً

ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی سوائے لوط کے خاندان کے جن کو ہم نے سحر کے وقت بچالیا ہمارا انعام تھا

سے ہمارے لئے سرخ رنگ کی حاملہ اونٹنی پیدا کر جس کا بچہ پیدا ہو۔ پس وہ اونٹنی پانی پیئے۔ اور ہمیں اسی مقدار کا دودھ دے۔ چنانچہ اُن کی آزمائش کے لئے اسی صفت کی اونٹنی پیدا کی گئی۔

قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ :۔ اور باری اِس طرح مقرر ہوئی کہ ایک دن وہ لوگ پانی حاصل کرتے اور دوسرا دن ناقہ کے لئے ہوتا تھا۔ پس اُس دن وہ اُس ناقہ کا دودھ حاصل کر کے پیتے تھے۔

مُّحْتَضَرٌ :۔ یعنی ہر باری پر باری والے کو ہی حاضر ہوتا تھا۔

صَاحِبَهُمْ :۔ اس شخص کا نام قدار بن سالف تھا۔ جس نے کمین گاہ میں بیٹھ کر پہلے اس کو تیر مارا اور پھر تلوار سے حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا۔ اور یہ احمر ثمود تھا۔ جس کو الغلط العام کی طرح احمر عاد کہا جاتا ہے۔

هَشِيمِ :۔ وہ ٹوٹی پھوٹی لکڑیاں جو کسی گرے ہوئے درخت سے الگ کی جائیں۔

الْمُحْتَظِرِ :۔ یہ حظیرۃ الغنم سے ہے یعنی وہ کواڑ جو بھیڑ بکریوں کی حفاظت کے لئے بنائی جائے۔

حَاصِبًا :۔ حصباء کنکروں کو کہا جاتا ہے قوم لوط پر پہلے ہوا بھیجی گئی جس میں پتھر برسائے گئے اور اس کے بعد ان کی

مِّنْ عِنْدِنَا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا

اسی طرح ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں اور تحقیق اُس نے ان کو ہماری گرفت

فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ

سے ڈرایا تو انہوں نے اسکے ڈرانے کو ٹھکرا دیا اور تحقیق انہوں نے اس سے مہمان حاصل کرنے کی بھی کوشش کی تو ہم نے

اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً

ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا پس کہا چکھو میرا عذاب اور ڈرانا اور تحقیق صبح کے وقت ان پر نہ ٹلنے

عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا

والا عذاب آگیا پس ہم نے کہا چکھو میرا عذاب اور ڈرانا اور تحقیق ہم نے

الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ

قرآن کو آسان بنایا نصیحت کے لئے تو کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟ اور تحقیق آل فرعون کے پاس

زمین کو اُلٹا یا گیا۔

نِعْمَةً:۔ یا تو مفعول مطلق ہے یعنی اَنْعَمْنَا اِنْعَامًا یا مفعول لہ ہے اور دونوں ترکیبوں سے معنی درست ہے۔

فَتَمَارَوْا:۔ یہ مریہ سے باب تفاعل ہے۔ یعنی جب حضرت لوط نے ان کو عذاب خداوندی سے ڈرایا تو انہوں نے جھگڑا کرکے آپ کی باتوں پر کان دھرنے کی کوشش نہ کی۔ اور اُن کا خیال تھا کہ یہ ایک آدمی ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے؟

رَاوَدُوْهُ:۔ یہ مراودت سے ہے جس کا معنی ہے حیلہ وبہانہ کرکے کسی سے کچھ حاصل کرنا تو جب فرشتے عذاب خداوندی کا آرڈر لے کر بے ریش لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط کے پاس پہنچے اور قوم لوط کو علم ہوا تو دوڑتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے اور اُن کی کوشش یہ تھی کہ آپ سے مہمان حاصل کر لئے جائیں اور اپنی نفسی خواہشات کی تکمیل کی جائے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ہر چند منّت وسماجت کی لیکن انہوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا پس فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا کہ آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ اور قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے آئے ہیں۔

پس بقدرتِ خداوندی جب انہوں نے فرشتوں کی طرف دست درازی کا ارادہ کیا تو اندھے ہو گئے۔ اور ان کو کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور مروی ہے کہ ان کے چہرے برابر کر دئے گئے۔ حتیٰ کہ ان کی آنکھوں کا نشان بھی باقی نہ تھا اور حضرت لوط کے پاس فرشتوں کا آنا اور قوم کا جمع ہونا اور اس کے بعد ان کا گرفتارِ عذاب ہونا ج صفحہ ۲۳۲ پر مذکور ہو چکا ہے

النُّذُرُ ﴿٤٢﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٣﴾

نذیر پہنچے تو انہوں نے ہماری سب نشانیوں کو جھٹلایا پس ہم نے طاقتور صاحب اقتدار کی طرح ان کو پکڑ لیا (اے اہل مکہ)

أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٤﴾ أَمْ

کیا تمہارے کافر ان کافروں سے زیادہ طاقتور ہیں؟ یا تمہارے پاس کوئی برات نامہ کتابوں میں موجود ہے؟ یا یہ کہتے ہیں

يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿٤٥﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ

کہ ہم اکٹھے ہو کر ایکدوسرے کی مدد کر کے اپنا دفاع کریں گے؟ ان کا اجتماع شکست خوردہ ہوگا اور پشت دکھا کر

الدُّبُرَ ﴿٤٦﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿٤٧﴾

بھاگیں گے بلکہ قیامت ان کی وعدہ گاہ ہے اور قیامت زیادہ تکلیف دہ اور تلخ تر ہے

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٨﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ

بے شک مجرم لوگ گمراہی اور مصیبت میں ہوں گے جس دن آگ میں منہ کے بل گھسیٹے

رکوع ۳

النُّذُرُ:۔ یا تو مصدر انذار کے معنی میں ہے۔ اور یا نذیر کی جمع ہے۔ اور ان سے مراد وہ معجزات ہیں جو فرعون کو دکھائے گئے۔ اور آلِ فرعون سے مراد تمام وہ لوگ ہیں جو فرعون کے مشن میں اس کے شریک کار تھے۔ اور آل کی تحقیق سابق جلدوں میں گزر چکی ہے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ:۔ یہ جنگِ بدر میں کفارِ مکہ کی شکست کی پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف سچی ثابت ہوئی۔

بَلِ السَّاعَةُ:۔ یعنی جنگ بدر میں جو کفار مکہ کو رسوائی پیش آئی کہ کچھ قتل ہوئے اور کچھ قید کر لئے گئے۔ اس سے قیامت کی رسوائی سخت تر ہے۔ اور جنگ بدر کی رسوائی کے بعد بھی وہ قیامت کے عذاب سے کسی طرح نہیں بچ سکیں گے۔ بلکہ وہ عذاب اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔

مَسَّ سَقَرَ:۔ سقر جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ یعنی ان کو کہا جائے گا کہ جہنم کا ذائقہ چکھو۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ دوزخ کے دروازوں میں سے ایک دروازے کا نام سقر ہے۔ اور بعض احادیث میں جہنم کے ایک طبقہ کا نام سقر منقول ہے۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ:۔ یہ منصوب علی شریطۃ التفسیر کے باب سے ہے۔ اور کلّ شیء کا عامل خلقنا محذوف ہے۔ جس کی خلقنا مذکور تفسیر کر رہا ہے۔ یعنی ہم نے ہر چیز کو صحیح اندازے سے پیدا کیا ہے۔ پس ہاتھ پکڑنے کے لئے۔ پاؤں

وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۹﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿۵۰﴾

جائیں گے (اور کہا جائیگا) آگ کا ذائقہ چکھو — تحقیق ہم نے ہر شی کو اندازے سے پیدا کیا

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا

اور نہیں ہمارا حکم مگر ایک بار پلک جھپکنے کی طرح — اور ہم نے تم جیسوں کو ہلاک

أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي

کیا تو کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟ — اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ اعمالناموں میں محفوظ

الزُّبُرِ ﴿۵۳﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۴﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي

ہے — اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی جا چکی ہے — تحقیق متقی لوگ باغات و

جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿۵۵﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۶﴾ ع

نہروں میں ہوں گے — عمدہ نشستوں پر صاحب اقتدار مالک کے دربار میں (بیٹھے ہونگے)

چلنے کے لئے، زبان بولنے کے لئے آنکھ دیکھنے کے لئے۔ اور کان سننے کے لئے بنائے۔ اگر ہمارا مقرر کردہ توازن ان میں قائم نہ رہے تو نظام میں گڑبڑ ہو جائے گی۔

وَمَا أَمْرُنَا:۔ یعنی قیامت کو قائم کرنا ہمارے لئے ایک چشم زدن کے وقفے کی بات ہے۔ اس میں کوئی دیر نہ لگے گی ہم ارادہ کریں گے اور سب کچھ ہو جائے گا۔ کیوں کہ ہمارا ایک دفعہ کہنا کہ ہو جا کافی ہوتا ہے۔ اور دوبارہ ہمیں کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

أَشْيَاعَكُمْ:۔ اس جگہ اشیاع سے مراد اشباہ و امثال ہے۔ یعنی ہم نے تم جیسے کافر و منکر اس سے پہلے ہلاک کئے ہیں۔ پس ان سے نصیحت حاصل کرو۔

كُلُّ شَيْءٍ:۔ یہاں شے سے مراد عمل ہے۔ یعنی ان کے تمام اعمال ان کے زُبُر یعنی اعمالناموں میں تحریر کئے جا چکے ہیں کیونکہ ہر چھوٹا یا بڑا کام جو کسی نے انجام دیا ہوتا ہے وہ لکھا جاتا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ:۔ تفسیر مجمع البیان میں جابر بن عبد اللہ سے منقول ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ جنت میں سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام داخل ہوں گے۔ تو ابو دجانہ انصاری نے عرض کی کہ حضور! کیا یہ سچ ہے کہ جنت میں انبیاء کا داخلہ نہ ہو سکے گا جب تک آپ داخل نہ ہوں۔ اور امتوں کا داخلہ نہ ہو گا جب تک آپ کی امت داخل نہ ہو؟

توآپ نے فرمایا۔ ہاں بے شک ایسا ہی ہے۔ خداوندکریم نے آسمان وزمین کی خلقت سے دو ہزار سال قبل ایک لواء نور پیدا کیا۔ جس کے پھریرے پر کہ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰہِ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَاحِبُ اللِّوَاءِ عَلِیٌّ وَھُوَ اِمَامُ الْقَوْمِ۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد اللہ کا رسول ہے۔ تمام مخلوق سے آلِ محمدؐ افضل ہے۔ اور لواء کا مالک علی ہے جو قوم کا امام ہے۔ یہ سُن کر حضرت علی علیہ السّلام حمد پروردگار بجالائے تو حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ تجھے مبارک ہو کہ جس کے دل میں تیری محبّت ہوگی۔ وہ ہمارے ساتھ قیامت کے دن محشور ہوگا۔ اور اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَھَرٍ۔ اور ایک روایت میں معصوم نے فرمایا کہ متّقین سے مُراد ہم اور ہمارے شیعہ ہیں۔ کیونکہ ملّتِ ابراہیمؑ پر ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنْ

یہ سورہ مدنیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر اناسی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز کے بعد سُورہ الرحمان کا پڑھنا مستحب ہے۔
اور فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کے بعد کہنا چاہیئے۔ لَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَآئِکَ رَبِّ اُکَذِّبُ۔
آپ نے فرمایا سُورہ الرحمٰن کی قرأت کو ترک نہ کیا کرو کیونکہ یہ منافقوں کے دلوں پر نہیں ٹھہرتی اور بروز محشر دربار پروردگار میں بہترین انسانی شکل میں پیش ہوگی جس سے خُوشبو مہکتی ہوگی تو خداوند کریم اس سے پُوچھے گا۔ کہ کس کس نے دنیا میں تیری تلاوت کو جاری رکھا تھا تو وہ اپنے پڑھنے والوں کے نام بتائے گی۔ پس ان کے چہرے سفید نُورانی ہوں گے۔ اور ان کو حکم ہوگا کہ جن کی چاہو سفارش کر سکتے ہو۔ پس ان کی سفارش مقبول ہوگی اور ان کو حکم ہوگا کہ جنت میں جہاں چاہو قیام کر سکتے ہو۔
اور آپ سے مروی ہے کہ اس کو پڑھنے والا اگر رات کو مرے تو شہید مرے گا۔ اور اگر دن کو پڑھ کر مرے گا۔ تو بھی شہید مرے گا۔

اور خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سُورہ مجیدہ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اس کی ہر مشکل آسان ہوگی۔ اور آشوب چشم والا آدمی اگر اس کو اپنے پاس رکھے گا تو اس کا درد ختم ہو جائے گا۔ اور اگر اس سورہ کو گھر کی دیواروں پر لکھا جائے تو کیڑے مکوڑوں اور حشرات الارض سے محفوظ ہوگا۔ (برہان)
اگر کوئی شخص سُورہ الرحمٰن کو رات کے وقت پڑھے اور تُکَذِّبٰنِ کے بعد لَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَآئِکَ رَبِّ اُکَذِّبُ پڑھتا جائے تو خدا ایک فرشتہ موکل کرتا ہے جو اس کی صبح تک حفاظت کرتا ہے۔ اور اگر دن کو پڑھے تو فرشتہ اس کی شام تک حفاظت کرتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَلرَّحۡمٰنُ ﴿۲﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ﴿۳﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ﴿۴﴾ عَلَّمَہُ

رحمان نے قرآن کا علم دیا انسان کو پیدا فرمایا اسے بیان کرنا

الۡبَیَانَ ﴿۵﴾ اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ﴿۶﴾ وَّ النَّجۡمُ وَ الشَّجَرُ

سکھایا سورج اور چاند ایک حساب کے ماتحت ہیں اور انگوریاں اور درخت (اس کا) سجدہ

یَسۡجُدٰنِ ﴿۷﴾ وَ السَّمَآءَ رَفَعَہَا وَ وَضَعَ الۡمِیۡزَانَ ﴿۸﴾ اَلَّا تَطۡغَوۡا

کرتے ہیں اور اس نے آسمان کو بلند کیا اور میزان مقدر کیا یہ کہ نہ تجاوز کرو

رکوع ۱۱

اَلرَّحۡمٰنُ ۔ یہ مستقل آیت ہے کیونکہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ۔ اصل میں تھا اللّٰہُ الرَّحۡمٰنُ یعنی اللہ رحمان ہے ۔ اور رحمان کے معنی کی وضاحت سورہ فاتحہ کی تفسیر میں گذر چکی ہے ۔ اور یہ نام سوائے اللہ کے کسی پر نہیں بولا جا سکتا ۔

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۔ اس جگہ انسان کے معنی میں چار اقوال ہیں (۱) حضرت آدم مراد ہیں اور تعلیم بیان سے تمام بولیوں کا علم مراد ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ تعلیم بیان سے مراد وہ اسم اعظم ہے جس کی بدولت تمام چیزوں کا علم حاصل ہو جاتا ہے ۔ (۲) انسان اسم جنس ہے ۔ اور اس سے مراد تمام انسان ہیں اور تعلیم بیان سے مراد ہے کہ اس نے ان کو اظہار مافی الضمیر کے لئے افہام و تفہیم کے طریقے یعنی بولنا اور لکھنا وغیرہ تعلیم فرمائے کہ وہ سمجھ بھی سکتا ہے اور سمجھا بھی سکتا ہے (۳) انسان سے مراد حضرت رسالتمآبؐ کی ذات بابرکات ہے کہ اللہ نے ان کو بیان عطا فرمایا (۴) تفسیر برہان میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس جگہ انسان سے مراد حضرت علی علیہ السّلام ہیں کہ خداوند کریم نے ان کو تمام ضروریات انسانیہ کا علم عطا فرمایا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ سورہ الرحمٰن سب کی سب ہمارے حق میں نازل ہوئی ۔

اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر بِحُسۡبَانٍ محذوف ہے ۔ یعنی یہ دونوں اپنے اپنے مقرر حساب سے چلتے ہیں اور ایک ہی دستور سے آسمانی سفر میں اپنی منازل کو مقررہ اوقات میں طے کرتے ہیں کہ سورج تین سو پینسٹھ دن اور چھ گھنٹوں میں اپنا دورہ پورا کرتا ہے ۔ اور چاند ایک مہینہ میں اپنا چکر پورا کرتا ہے ۔

اَلنَّجۡمُ وَ الشَّجَرُ ۔ نجم سے مراد زمین سے نکلنے والی نازک کونپل جو اپنی ساق پر کھڑی نہیں ہو سکتی اور شجر سے مراد

فِي الْمِيزَانِ ﴿٩﴾ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿١٠﴾

میزان میں اور وزن کو انصاف سے قائم رکھو اور نہ کم کرو میزان میں

وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ﴿١١﴾ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ

اور اس نے زمین کو لوگوں کے لئے بچھایا جس میں میوے اور کھجوریں ہیں جو شگوفوں میں بند ہوتے ہیں

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٣﴾

اور غلہ جس میں بھوسہ اور دانے ہوتے ہیں پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کو جھٹلاتے ہو؟

وہ نباتات ہیں جو اپنی ساق پر کھڑے ہوتے ہیں پس بڑے درختوں سے لے کر چھوٹے پودوں تک سب کو شامل ہے جس طرح کہ نجم کا لفظ ہر قسم کے گھاس اور بیلوں کو شامل ہے جو تنہ نہیں رکھتے۔ اور بعضوں نے نجم سے مراد ستارے لئے ہیں۔ بہرکیف اس جگہ ان اشیاء کے سجدہ سے مراد سجدہ تکوینی ہے کہ ان کی موجودہ حالت اپنے مقام پر چونکہ اپنے خالق کے وجود اور اس کی یکتائی کی دلیلیں ہیں۔ لہذا ان کا موجودہ حالت پر ہونا ان کا سجدہ ہے کہ وہ اپنی زبان بے زبانی سے اپنے خالق بے نیاز کی مدح وثنا میں سرشار ہیں۔

وَضَعَ الْمِيزَانَ۔ اس جگہ میزان کے معنی میں متعدد اقوال ہیں (۱) میزان سے مراد اشیاء کی مقدار معلوم کرنے کا آلہ ترازو وغیرہ (۲) میزان سے مراد عدل وانصاف ہے جس کے معیار پر پورا اترنے کا خدا نے حکم دیا ہے (۳) میزان سے مراد قرآن مجید ہے جو دین کی اصل وبنیاد ہے جس میں خداوندکریم نے ادلّہ عقلیہ ونقلیہ سے عقول کے لئے صراطِ مستقیم کو اختیار کرنے کی دعوت دی ہے (۴) روایات اہل بیت میں حضرت علی علیہ السلام کو میزان قرار دیا گیا ہے کہ شریعت مقدسہ کی پیروی کا میزان حضرت علیؑ کی اطاعت ہے۔ بہرکیف عدل وانصاف کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے لازم آئے گا کہ انسان دنیاوی امور میں بھی ایک صحیح میزان کو قائم رکھے اور ظلم وجور اور بے راہ روی وبے انصافی سے بچ کر رہے۔ اور دینی معاملات میں بھی وہ راستہ اختیار کرے جو خداوندکریم کی خوشنودی کا پیش خیمہ ہو۔ پس قرآنی تعلیمات انسان کی دنیوی واخروی ہر دو زندگیوں کے لئے مشعل راہ کا کام دے سکتی ہیں۔ لیکن چونکہ قرآن سے استفادہ کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اور پیغمبر نے بھی اُمّت کو تنہا قرآن پر عمل کرنے کی دعوت نہیں دی بلکہ فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن اور دوسرے اہل بیت۔ جب تک ان دونو کی اطاعت کرتے رہو گے گمراہ نہ ہوگے۔ اور دوسری روایت میں فرمایا علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ اور حدیث ثقلین فریقین میں تواتر کا درجہ رکھتی ہے پس ان فرامین سے نتیجہ یہ نکلا کہ محمدؐ وآل محمدؐ کی تعلیمات انسانی فلاح وارتقاء کے لئے ایک ایسا میزان ہیں جس پر اچھائی وبرائی کو خوب پرکھا جاسکتا ہے اور ان کی بدولت عدل وانصاف کے طریقوں کو اچھی طرح اپنایا جاسکتا ہے جس طرح کہ گذشتہ

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۵﴾ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ

انسان کو آواز کرنے والی خشک مٹی سے بنایا جو پختہ مٹی کی طرح تھی اور جنوں کو آگ کے متحرک شعلوں سے بنایا

امتوں میں ہر نبی اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے حق کی تعلیمات کو اپنانے کا میزان ہوا کرتا تھا۔ پس ارشاد قدرت ہے کہ میزان میں حد سے نہ بڑھو اور اس کے متعلق سرکشی نہ کرو۔ اور انصاف سے وزن کو قائم رکھو۔ یعنی دنیاوی و دینی امور میں اعتدال پسندی کو اختیار کرو تاکہ مقررہ میزان سے بھٹکنے نہ پاؤ۔

وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ۔ اِس جگہ انام سے مُراد تمام لوگ ہیں۔ اور بعضوں نے جنّ و انسان مراد لئے ہیں اور بعضوں نے تمام ذی روح بھی مُراد لئے ہیں۔

ذَاتُ الْأَكْمَامِ:۔ کم کی جمع ہے۔ اور اس سے مُراد وہ غلاف ہے۔ جس میں میوہ و پھل بند ہوتا ہے جس طرح آج کل کی ایجادات میں ہر پھل کو محفوظ کرنے اور تا دیر کار آمد بنانے کے لئے پیکنگ کی جاتی ہے۔ اور نئے نئے طریقے اس کے لئے بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ خداوند کریم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمتِ شاملہ سے ان تمام پھلوں اور میوہ جات کو جن کے خراب ہونے کا خطرہ تھا۔ کتمِ عدم سے معرضِ وجُود میں بھیجنے کا انتظام پیکنگ کے ذریعے سے کیا تاکہ صحیح و سالم انسانوں کے ہاتھوں تک پہنچ سکیں۔ چنانچہ کھجوروں کا پھل بند شگوفوں میں نکلتا ہے۔ اور بعد میں اس سے شگوفوں کو دُور کیا جاتا ہے تاکہ پھل کے پکنے میں رکاوٹ نہ بنے اور بعض پھل تو پکنے کے بعد بھی اپنے قدرتی ڈبّوں میں بند انسانی ہاتھوں تک پہنچتے ہیں۔ جیسے اخروٹ، بادام، چلغوزے کیلا، سنگترہ اور مالٹا وغیرہ۔ پس انسان خود ان کے چھلکوں کو الگ کر کے میوہ و پھل سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ کی حکمت کاملہ ہے کیونکہ اگر یہ پھل کھلے رہتے تو سورج کی گرمی ہوا کی تیزی یا حشرات الارض یا ہوائی مخلوقات کی گرفت سے محفوظ نہ رہ سکتے۔ پس اس نے اپنے یدِ قدرت سے اکثر پھلوں کو پیک کر کے انسانوں کے ہاتھوں تک پہنچایا والحمد للہ رب العلمین

وَالْحَبُّ:۔ اس جگہ حب سے مراد غلہ ہے اور عصف سے مراد اس کی شاخیں کونپلیں اور پتّے ہیں جو خشک ہونے کے بعد بھوسہ کی شکل میں تبدیل ہو کر حیوانوں کی غذا بنتے ہیں اور ریحان سے مراد خالص دانہ ہے جو انسانوں کی خوراک ہوتا ہے۔

صَلْصَال۔ اُس مٹی کو کہا جاتا ہے جس پر سے پانی پھر جائے اور خشک ہونے کے بعد اُوپر سے گذرنے کی صورت میں اس میں کھڑک کی سی آواز پیدا ہوتی ہے اور فخّار اس مٹی کو کہتے ہیں جو آگ پر پختہ کر لی جائے جس طرح ٹھیکریاں وغیرہ۔

مَارِج:۔ وہ خالص آگ جس میں دھواں نہ ہو اور وہ حرکت کرتی ہوئی نظر آئے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مارج سے مُراد وہ آگ ہے جس میں سُرخ سیاہ اور سفید دھاریاں ہوں۔ پس خداوند کریم جنّوں اور انسانوں کو اپنی اصلی خلقت سے آگاہ کر کے انکو تنبیہ فرماتا ہے کہ اے گروہ انسان اور اے گروہ جنّ تم دونو اپنی تخلیق پر غور کرو۔ اور میری نعمات پر نظر ڈالو۔ پھر جواب دو کہ کس بنا پر تم میری نافرمانی کرتے ہو۔ اور اللہ کی کس کس نعمت کو تکذیب کر سکتے ہو۔ اور پوری سورت میں فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کا تکرار تمام انسانوں اور جنّوں کے لئے مسلسل یاددہانی کے طور پر ہے۔ اور متعدد نعمات میں سے ہر ایک کے

مِنْ نَّارٍ ﴿۱۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۷﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَ

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کو جھٹلاتے ہو؟ وہ مشرقین و مغربین کا

رَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ ﴿۱۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ

رب ہے پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ اس نے دو دریاؤں

ذکر کے بعد یہ فقرہ دہرایا گیا تاکہ لوگوں کے خفتہ احساسات کو جگایا جاسکے اور اس کی خوابیدہ صلاحیت کو بیدار کیا جاسکے۔ اور اسی بنا پر یہ تکرار فصاحت کے خلاف نہیں بلکہ عین فصاحت ہے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے نار سموم کو پیدا کیا جس میں نہ گرمی تھی اور نہ اس میں دھواں تھا۔ پس اُس سے جانّ کو پیدا فرمایا۔ چنانچہ فرمایا وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ یعنی ہم نے جان کو اس سے پہلے نار سموم سے پیدا کیا۔ اور اس کا نام مارج رکھا پھر اُس سے اس کی مونث کو پیدا کیا جس کا نام مارجہ رکھا۔ اور ان دونوں سے جان کو پیدا فرمایا۔ اور جانّ کے بیٹے کا نام جنّ ہوا۔ اور اس سے جنّوں کے تمام قبائل پیدا ہوئے جن میں سے ایک ابلیس بھی ہے۔ جانّ کی اولاد جوڑا جوڑا پیدا ہوتی رہی اور جن کی اولاد بھی اسی طرح نر و مادہ جوڑا جوڑا پیدا ہوتی رہی۔ پس ان کے نوّے ہزار جوڑے پیدا ہوگئے۔ اور اس کے بعد اس قدر بڑھے کہ ذرہ ہائے ریگزار کے برابر ان کی تعداد ہوگئی۔ الحدیث۔

رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ۔ چونکہ علم ہیئت والوں کے نزدیک سورج کا مدار ہر روز نیا ہوتا ہے اس لئے اس کے طلوع و غروب کا نقطہ ہر روز الگ الگ ہوا کرتا ہے۔ پس اس کا ہر مطلع مشرق کہا جاسکتا ہے۔ بنابریں سال بھر میں سورج کے لئے تین سو ساٹھ مطالع ہیں جو اس کے مشارق کہے جاسکتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں اسی قدر مغارب ہوتی ہیں۔ اور برج میزان میں داخلہ کے بعد چھ ماہ تک سورج کا طلوع نقطۂ مشرق حقیقی یعنی خط استوا سے جنوب میں ہوتا ہے۔ جن میں تدریجاً ایک سو اسّی مطالع ہیں۔ اور تین ماہ چلتے ہوئے جب پورے چھ ماہ گذرنے کے بعد برج حمل پر پہنچتا ہے تو یہاں سے پھر شمال کی طرف تدریجاً چلا جاتا ہے اور ایک سو اسّی مطالع کو چھ ماہ میں یعنی تین ماہ آتے ہوئے اور تین ماہ جاتے ہوئے طے کرتا ہے۔ پس خط استوا سے جنوبی مطالع کو ایک مشرق کہا جاتا ہے جو موسم سرما کے لئے ہے۔ اور شمالی مطالع کو دوسری مشرق کہا جاتا ہے جو موسم گرما کے لئے ہے اور ان کے مقابلہ میں موسم سرما اور گرما کی مغربین بھی دو ہیں۔ اور بعض اوقات تمام مطالع کو مشرق اور تمام مغارب کو مغرب کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اور بعض مفسرین نے دو مشرقوں سے مراد مشرق شمس اور مشرق قمر لی ہے۔ اور اسی طرح مغرب شمس و مغرب قمر اس کے مقابلہ میں ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ۔ مرج کا معنی اختلاط یعنی آپس میں ملنا بھی ہوتا ہے۔ اور مرج کا معنی اپنے حال پر چھوڑ دینا بھی ہوا کرتا ہے۔ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے اپنی قدرت کے مناظر میں غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ دیکھو جہاں میٹھے اور تلخ پانی

يَلْتَقِيٰنِ ﴿۲۰﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۲﴾

کو ملنے کا موقع دیا ان کے درمیان ایک برزخ ہے کہ تجاوز نہیں کر سکتے پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاتے ہو؟

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○

ان دونوں سے لولو اور مرجان نکلتے ہیں پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاتے ہو؟

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا

اور اس کے حکم سے پانیوں میں پہاڑوں کی طرح بلند کشتیاں چلتی ہیں پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو

والے دو سمندر یا دریا آپس میں ملتے ہیں تو تلخ تلخ رہتا ہے اور میٹھا میٹھا رہتا ہے۔ نہ تلخ میٹھے پر غالب آتا ہے نہ میٹھا تلخ پر غالب آتا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ موتی اور مونگے اسی جگہ سے نکلتے ہیں۔ جہاں شور اور شیریں پانی آپس میں ملتے ہیں۔ اور جس طرح ذی روح مخلوق میں نر و مادہ کی ملاقات سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح میٹھے اور تلخ دو قسم کے پانیوں کی ملاقات موتیوں کو جنم دیتی ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے مراد آسمان و زمین کے دو پانیوں کا اجتماع ہے کہ آسمان سے قطرہ گرتا ہے تو سمندر میں صدف اپنا منہ کھول لیتی ہے۔ پس جو قطرہ اس کے پیٹ میں جاتا ہے وہ موتی بن جاتا ہے۔ پس چھوٹی صدف میں موتی چھوٹا اور بڑی صدف میں موتی بڑا ہوتا ہے۔ نیز مرغی یا دوسرے جانوروں کے انڈوں میں بھی غور و فکر کی گنجائش موجود ہے کہ وہاں بھی دو قسم کے پانی آپس میں ملتے ہیں جن کے درمیان ایک قدرتی حد ہوتی ہے کہ وہ پانی ایک دوسرے پر غالب نہیں آسکتے۔ زرد زرد رہتا ہے اور سفید سفید رہتا ہے اور ان سے اللہ کی مخلوق پیدا ہوتی ہے۔ اور روایات آل محمدؐ میں اس کی تاویل تواتر سے منقول ہے کہ علم و معرفت اور فضل و کمال کے دو دریا حضرت امیر المومنین علیہ السّلام اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہے۔ اور تفسیر برہان کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی بحرِ علم ہیں۔ اور جناب فاطمہ بحرِ نبوّت ہیں۔ اور ان کی ملاقات سے جو لولو، و مرجان پیدا ہوئے وہ حسن و حسین علیہما السلام ہیں۔

الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ ۔ جاریہ کی جمع ہے۔ اور اس کا معنی ہے کشتیاں جو کہ پانی میں جاری ہوتی اور چلتی ہیں۔ اور منشآت کی معنی ہے مرفوعات یعنی بلند اور جواری منشآت سے مراد وہ کشتیاں ہیں جن کا بادبان بلند کیا جائے جو دور سے پہاڑ کی طرح دکھائی دیں۔ اور اس کے زور سے کشتیاں پانی کی لہروں کو چیرتی ہوئی تیزی سے سفر کی منازل کو طے کریں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا ۔ یعنی جو بھی زمین کے اوپر ہے وہ فانی ہے۔ اس جگہ ضمیر غائب کا اگرچہ مرجع مذکور نہیں

رکوع ۱۲

تاہم مراد اس سے زمین ہے۔ پس جس طرح یہ سب چیزیں عدم سے وجود میں آئی ہیں پلٹ کر ایک مرتبہ آغوش عدم میں چلی جائیں گی۔

تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٦﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٧﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ

جھٹلاتے ہو — جو بھی زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے — اور تیرے رب کا وجہ باقی رہے گا جو جلال و اکرام

وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٩﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي

والا ہے — پس تم اپنے رب کی کن کن مہربانیوں کا انکار کر سکتے ہو؟ — اس سے مانگتا ہے جو آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٣٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا

زمین میں ہے — ہر دن وہ اپنی شان میں ہے — پس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کی تکذیب

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ :- عبد السلام بن صالح ھروی (المعروف ابو الصلت ھروی) سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کی۔ اے فرزند رسول، اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کے پڑھنے کا ثواب وجہ اللہ کی زیارت کے برابر ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ اے ابو الصلت! جو شخص لوگوں کی طرح اللہ کا چہرہ ثابت کرے وہ کافر ہے۔ ہاں اللہ کے نبی و رسول اور اس کے حجج علیہم السلام اللہ کا وجہ ہیں کیونکہ یہ وہی ہیں جن کی بدولت اللہ کے دین اور اس کی معرفت کی طرف توجہ کی جا سکتی ہے۔ اس جگہ آیت مجیدہ میں ہے کہ اللہ کا وجہ باقی رہے گا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی ذات باقی رہے گی کیونکہ وجہ کا معنی ذات ہوا کرتا ہے۔ اور وہی ذات عظمت و جلال کی مالک اور انعام و اکرام کی مالک ہے۔ اور اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان آیات میں خداوند کریم اپنی نعمات کا تذکرہ کر کے بعد میں فرماتا ہے کہ تم کن کن نعمتوں کی تکذیب کر سکتے ہو؟ لیکن آیت مذکورہ میں تو تمام لوگوں کو فنا کا پیغام سنا گیا ہے۔ اور فنا نعمت وجود کے زوال کا نام ہے نہ کہ نعمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام انسانوں کو فنا کی خبر دے کر ان کو دنیائے فانی سے جی نہ لگانے کی دعوت دی ہے اور اخروی لازوال نعمات کی پیش کش فرمائی ہے اور یہ تنبیہ بھی غافل انسانوں کے لئے ایک نعمت و لطف ہے۔

يَسْـَٔلُهٗ :- یعنی زمین و آسمان کی تمام مخلوق کا حاجت روا وہی ہے لہذا آسمان والے بھی ہر وقت اسی سے مانگتے ہیں اور زمین والے بھی ہر دم اسی کے دریائے فیض سے سیراب ہوتے ہیں۔ اور اسی سے ہی اپنی حاجات کا سوال کرتے ہیں۔

كُلَّ يَوْمٍ :- یہ مفعول فیہ ہے۔ یعنی اللہ کی ہر روز شان نرالی ہے۔ روزمرہ ہزاروں حمل ٹھہرتے ہیں۔ ہزاروں بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہزاروں مرتے ہیں۔ کوئی تندرست ہے کوئی بیمار ہے۔ کوئی امیر ہے اور کوئی غریب ہے۔ اور وہ اللہ جمیع حالات میں غیر متغیر ولازوال سب کا حاکم ہے

سَنَفْرُغُ :- فراغ کے دو معانی استعمال ہوتے ہیں (۱) قصد کرنا (۲) کسی کام سے فارغ ہونا۔ اس جگہ پہلا معنی مراد ہے

تُكَذِّبٰنِ ﴿٣١﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ ﴿٣٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

کرسکتے ہو؟ اے جن و انس ہم تمہارے لئے عنقریب فارغ ہو جائیں گے پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٣﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ

جھٹلاتے ہو اے گروہ جن و انس اگر تمہارے بس میں ہے کہ نکل جاؤ زمین و آسمان

اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٤﴾

کے اطراف سے تو بے شک نکل جاؤ لیکن تم نہیں نکل سکتے مگر طاقت سے (اور وہ ناممکن ہے)

یعنی ہم عنقریب (بروز محشر) تمہارا قصد کریں گے۔ یعنی تم سے اپنے عقائد و اعمال کی بازپرس کریں گے یا یہ کہ جس طرح کوئی مصروف آدمی دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر کسی خاص کام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ہم بھی عنقریب بروز محشر تمہاری طرف متوجہ ہو کر تمہاری خبر لیں گے۔ اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ثقلان سے مراد ہم اور قرآن ہیں۔ اور جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلُ بَيْتِيْ لَنْ يَفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ۔ یعنی میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جن میں ایک دوسری سے بڑی ہے۔ ایک کتاب اللہ جو آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور دوسری میری عترت اہل بیت یہ دونو آپس سے ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پہ پہنچیں گے۔ اور مقصد یہ ہے کہ بروز محشر قرآن و اہل بیت کی مخالفت کرنے والوں سے بازپرس کی جائے گی۔ پس آیت مجیدہ میں اگر ثقلان سے مراد جنّ و انس ہوں تو معنی یہ ہوگا کہ اے جنّ و انس بروز محشر ہم تم سے خبر لیں گے۔ اور بازپرس کریں گے کہ قرآن و اہل بیت سے تم نے کیا سلوک کیا۔ اور اگر آیت میں مخاطب قرآن و اہل بیت کو قرار دیدیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اے قرآن و اہل بیت ہم بروز محشر تمہارے دشمنوں سے ضرور بازپرس کریں گے اور ان کو سزائیں دیں گے۔

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ۔ یعنی آیت مجیدہ میں چیلنج ہے کہ اگر تمہارے بس میں ہے کہ میری بازپرس سے بچنے کے لئے تم آسمان و زمین کے اطراف سے نکل کر کہیں بھاگ سکتے ہو تو بے شک بھاگ جاؤ لیکن تم یاد رکھو کہ ہرگز میری حکومت و سلطنت سے بھاگ کر تم کہیں نہیں جاسکتے کیونکہ تم جہاں بھی جاؤ گے وہاں میرا ہی ملک ہے۔ یعنی تم میری گرفت سے ہرگز نہ بچ سکو گے کیونکہ تمہارے پاس وہ طاقت و ہمت نہیں جو تم کو میری گرفت و بازپرس سے بچا سکے۔ اس لئے کہ میں خالق ہوں اور تم مخلوق ہو۔ لہٰذا میری نافرمانیوں سے باز آجاؤ۔

شُوَاظٌ: ۳۵ آگ سے اوپر جو سبزی مائل ایک شعلہ نکلتا ہے اس کو شواظ کہتے ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۵﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ

پس تم اللہ کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟ تم پر برسائے جائیں گے آگ کے شعلے اور پگھلا

نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۷﴾ فَاِذَا

ہوا تانبا پس تم اس کا بچاؤ نہ کر سکو گے تو تم اللہ کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟ پس جب

انْشَقَّتِ السَّمَاۗءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا

آسمان پھٹ جائیں گے پس وہ تیل کی طرح گلابی رنگ کے ہو جائیں گے پس تم اللہ کی کن مہربانیوں

تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۹﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْــَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ ﴿۴۰﴾ فَبِاَيِّ

کو جھٹلاتے ہو؟ پس اس دن انسانوں اور جنّوں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہ پوچھا جائیگا پس تم اپنے

اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۱﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ

رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟ پہچانے جائیں گے مجرم لوگ اپنی علامتوں سے پس ان کو پیشانیوں اور قدموں

وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۳﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ

سے پکڑا جائیگا پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کو جھٹلاتے ہو؟ یہ وہی جہنّم ہے جس کا

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم اپنے بندوں کو ایک جگہ جمع کرے گا۔ پھر آسمان دنیا کو حکم دیگا تو اس کی تمام مخلوق حاضر ہوگی جو زمین پر بسنے والے جنّوں۔ انسانوں اور فرشتوں کے مجموعے سے دوگنا ہوگی۔ پھر اسی طرح ساتوں آسمانوں کی مخلوق کو حاضر کیا جائے گا۔ پس تمام جنّوں اور انسانوں کے اردگرد فرشتوں کی سات دیواریں بن جائیں گی اور حکم ہوگا اے جنّ و انسان اگر تم میری حکومت سے نکل بھاگنے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ۔ پس نہ نکل سکیں گے اور نہ اپنا دفاع کر سکیں گے۔

كَالدِّهَانِ :۔ اس سے مراد وہ سفید رنگ ہے جو سرخی مائل ہو۔ اور دھان دھن کی جمع ہے۔ یعنی جس طرح تیل ایکدوسرے پر ڈالا جائے تو جو اس وقت اس کا رنگ ظاہر ہوتا ہے آسمان کی رنگت اسی جیسی ہوگی۔

لَا يُسْئَلُ :۔ قیامت کے مواقف الگ الگ ہیں۔ یہ ایک موقف ہوگا جہاں کسی سے کچھ نہ پوچھا جائے گا۔ کیونکہ ہیبت محشر سے کسی کا ہوش اپنے ٹھکانے پر نہ ہوگا۔ اور دوسرے مواقف پر سوالات کئے جائیں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ۔ یعنی ان کو ٹھہراؤ کہ ان سے ایک سوال کیا جانا ہے۔ اور اس میں ایک قول یہ ہے کہ پوچھنے کی ضرورت

يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۵﴾

مجرم لوگ انکار کرتے تھے (وہ لوگ) اس (جہنم) اور سخت کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگاتے رہیں گے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۶﴾ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۷﴾

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟ اور مقام پروردگار سے جو خوف رکھے اس کے لئے دو باغ ہونگے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۸﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو وہ قسم قسم کے میوہ جات سے لدے ہونگے پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا

تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۰﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۲﴾

انکار کرتے ہو؟ ان میں دو چشمے جاری ہوں گے پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟

نہ ہوگی کیونکہ اہل جنّت کے چہرے نورانی ہوں گے اور اہل دوزخ کے چہرے سیاہ و بدنما ہوں گے۔ پس دیکھنے سے پتہ چل جائے گا کہ کون دوزخی ہے اور کون جنتی ہے۔ پس فرشتے علامات سے پہچان کر جنتیوں کو جنت کی طرف روانہ کر دیں گے۔ اور دوزخیوں کو سر اور قدموں سے پکڑ کر جہنّم کے تنور میں جھونک دیں گے۔ اور امام رضا علیہ السّلام سے اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں منقول ہے کہ جو شخص عقیدۂ صحیحہ رکھتا ہوگا لیکن اس سے کچھ گناہ سرزد ہو چکے ہوں گے جن سے وہ دنیا میں توبہ نہ کر سکا ہوگا تو اُس کو عالم برزخ میں عذاب کیا جائے گا جس سے اس کے گناہوں کا بدلہ ہو جائے گا۔ قیامت کے روز اس سے اس کے گناہوں کی بازپرس نہ ہوگی کیونکہ وہ اس سے قبل برزخ میں ان کی سزا بھگت چکا ہوگا۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ:۔ یعنی مجرم لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے اور آنکھیں زرد ہوں گی۔ پس زبانیہ جہنّم ان کو زنجیر جہنّم سے اس طرح جکڑیں گے کہ ان کی پیشانی اور قدم اکٹھے ہو جائیں گے اور ان کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

يُكَذِّبُ بِهَا:۔ حضورؐ کو خطاب ہے کہ یہ وہ جہنّم ہے جس کی کافر لوگ تکذیب کرتے ہیں۔ پس ایک طرف جلتی ہوئی آگ ہوگی۔ اور دوسری طرف کھولتا ہوا پانی ہوگا۔ پس ان کا ظاہری جسم آگ میں جلے گا۔ اور کھولتا ہوا پانی پئیں گے تو ان کے اندر بھی آگ ہوگی۔ اور کسی وقت ان کو عذاب سے مہلت نہ دی جائے گی اور "ان" اصل میں "اٰنِیٌّ" تھا اور اس کا معنی ہے سخت گرم جس کی گرمی انتہائی درجہ تک ہو۔

مَقَامَ رَبِّهٖ۔ یعنی مَقَامَ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهٖ۔ مقصد یہ ہے کہ جو شخص دربارِ خداوندی میں پیشی کا خطرہ محسوس کرکے خواہشات و شہوات کو کچل کر سرّا و اعلانیہ میں اللہ کا اطاعت گذار بن جائے اُس کے لئے دو جنتیں (دو باغات) ہوں گے۔ ایک جنّت عدن اور دوسری جنّت النعیم کہ ایک اس کے اپنے لئے اور دوسری اس کے ازواج کے لئے

فِيهِمَا مِن كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ﴿٥٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٣﴾

ان میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی پھر تم اپنے رب کی کن کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۚ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾

وہ ایسے بستروں پر تکیہ لگائے ہونگے جن کا اندرونی حصہ دیباج ہوگا اور ہر دو باغات کے پختہ پھل قریب ہوں گے

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٥﴾ فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کی تکذیب کرتے ہو؟ ان میں آنکھیں جھکا کر چلنے والی (حوریں) ہونگی جن کو ان سے

يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٧﴾

پہلے کسی انسان یا جنّ نے مس نہ کیا ہوگا پس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کو جھٹلاتے ہو؟

یا یہ کہ ایک کے محلات سونے کے اور دوسری کے چاندی کے ہوں گے۔ جن میں قسم قسم کے میوہ جات ہوں گے۔ اور ان میں سلسبیل و تسنیم کے دو چشمے جاری ہوں گے۔ جن کا پانی کبھی گندا و میلا نہ ہوگا۔

زَوْجَانِ :۔ یعنی ہر ہر میوہ وہاں دو دو قسموں کا ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہو۔ یعنی ہر میوہ متعدد اقسام پر مشتمل ہوگا۔

بَطَائِنُهَا :۔ یعنی جن بستروں پر وہ تکیے لگا کر بیٹھے ہوں گے ان کا اندرونی حصہ استبرق (دیباج) کا ہوگا تو اس کا بیرونی حصہ یقیناً اس سے بھی اعلیٰ و ارفع ہوگا کہ جس کی نرمی و دلکشی جنّتی کے لئے مزید سرور و بہجت کا اضافہ کرے گی۔

جَنَى الْجَنَّتَيْنِ :۔ یعنی بہشتی کو پھل توڑنے کے لئے کوئی تکلیف و زحمت نہ ہوگی بلکہ باغات کے پھل اس کے قریب ہوں گے چاہے تو کھڑے ہو کر پھل توڑے اور چاہے تو بیٹھ کر حاصل کرے بلکہ اگر چاہے تو بستر پر لیٹا رہے اور مختلف پھل اپنے ہاتھ سے توڑ کر کھاتا رہے۔ گویا وہ جس شاخ سے پھل توڑنا چاہے گا وہ خود بخود اس کے قریب جھک کر پہنچ جائے گی نہ ان میں کانٹے ہوں گے اور نہ سختی ہوگی۔ اور جَنیٰ لغت کے لحاظ سے پختہ پھل کو کہا جاتا ہے۔

قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ :۔ عورت کے حسن میں آنکھ کا شرمیلا ہونا نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اور حوران جنّت کی پروردگار نے یہی تعریف کی ہے کہ وہ شرمیلی آنکھوں کے ساتھ نظر جھکا کر چلنے والی ہوں گی۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ :۔ طمث لغت کے لحاظ سے خون کو کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ حوریں باکرہ ہوں گی جن کے پردہ بکارت کا ازالہ نہ ہو چکا ہوگا۔ یعنی ان سے پہلے کسی جنّ یا انسان نے ان سے ہمبستری نہ کی ہوگی۔ اور یہ آیت اس بات کو ظاہر کر رہی ہے کہ جنّوں میں بھی انسانوں کی طرح نر و مادہ کے ازدواجی تعلقات ہوا کرتے ہیں۔ پس آیت مجیدہ کا یہ معنی ہو

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۰﴾

(جسم کی لطافت وصفائی میں) گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہونگی پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کو جھٹلاتے ہو

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۲﴾

احسان کی جزا نہیں مگر احسان پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۴﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۵﴾

اور انکے علاوہ بھی دو بہشت ہوں گے پس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کا انکار کرتے ہو؟ نہایت سرسبز

سکتا ہے کہ قوم جنات میں سے جن کو بہشت میں اپنی قوم کی حوریں ملیں گی اُن کو کسی جن نے اُن سے پہلے مس نہ کیا ہوگا اور انسانوں میں سے جن کو اپنی صنف سے حوریں ملیں گی ان کو ان سے پہلے کسی انسان نے مس نہ کیا ہوگا۔

اَلْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۔ یعنی زیبائش ملائمت اور صفائی میں حورانِ جنت کے اجسام یاقوت و مرجان کی طرح ہوں گے۔ اور مروی ہے کہ ریشمی سات حُلّے پہننے کے بعد بھی اس کی پنڈلی کی ہڈی کا مغز نظر آرہا ہوگا۔ جس طرح یاقوت کے ہار میں اندر کا تاگا نظر آرہا ہوتا ہے۔

جَزَاءُ الْاِحْسَانِ :۔ اس کے معنی میں کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں (۱) دنیا میں جو بھی احسان (نیکی) کرے گا آخرت میں اس کا بدلہ دیا جائے گا (۲) جو کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ زبان سے جاری کرے گا اور حضرت رسالت مآبؐ کی تعلیمات پر عمل کریگا اس کی جزا جنت ہوگی چنانچہ انس بن مالک سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے جس پر ہم توحید کا انعام کریں اس کو قیامت میں اس کی جزا جنت دیں گے (۳) جو شخص تم سے کسی پر احسان کرے اُس کی جزا یہ ہے کہ اس پر تم بھی احسان کرو یعنی اُس کا شکریہ ادا کرو۔ اور امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ آیت مومن و کافر اور نیک و بد کو شامل ہے کہ جس پر بھی کوئی احسان کیا جائے اُس پر اس کا بدلہ دینا ضروری ہے اور بدلہ یہ نہیں ہے کہ اس کے احسان کے برابر اس پر احسان کیا جائے بلکہ اس سے زیادہ کیا جائے ورنہ اگر تم اس پر اتنا ہی احسان کرو جتنا اُس نے کیا تھا تو اس میں تمہاری کوئی خوبی نہیں ہوگی بلکہ فضیلت اُسی کی رہے گی جس نے پہل کی تھی۔

جَنَّتٰنِ ۔ یعنی مذکورہ دو جنتوں کے علاوہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے دو اور جنتیں بھی ہوں گی تاکہ سیر و تفریح کرتے ہوئے اس کے سرور میں اضافہ ہو اور حضورؐ سے مروی ہے کہ دو جنتیں ہوں گی جن کے محلات کی تعمیر چاندی کی اینٹوں سے ہوگی اور دو جنتیں ہوں گی جن کے مکانات کی تعمیر سونے کی اینٹوں سے ہوگی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابوبصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ اگر مومن مرد اور مومن عورت دو تو جنت میں جائیں تو ان

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٦﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٧﴾ فَبِاَيِّ

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کو جھٹلاتے ہو؟ ان میں دو چشمے پھوٹنے والے ہوں گے پس تم

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٨﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٩﴾

اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کا انکار کرتے ہو؟ ان میں میوہ جات اور کھجوریں و انار ہوں گے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٠﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧١﴾

پس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کو جھٹلاتے ہو؟ ان میں عمدہ حسین (حوریں) ہوں گی

کی جنت میں رہائش کیسی ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مرد کا درجہ بلند ہوگا تو اُسے اختیار دیا جائے گا۔ پس اگر وہ اس عورت کو پسند کرے گا تو اس کو مل جائے گی۔ اور اگر عورت کا درجہ بلند ہوگا تو اس کو اختیار دیا جائے گا۔ پس اگر اس نے اسی مرد کو پسند کیا تو وہ مرد اس عورت کو مل جائیگا اور جنت کے اعلیٰ درجہ میں دونوں کی رہائش ہوگی۔ اور ایک روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا جنت کو ایک نہ کہو۔ چنانچہ آیت مجیدہ میں اس کا تعدد ظاہر کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح درجہ بھی ایک نہیں بلکہ درجات ہیں ایک دوسرے سے ملاقات کی خواہش کریں گے تو نچلے درجہ والے اُوپر کے درجے میں نہ پہنچ سکیں گے بلکہ اُوپر کے درجے والے اگر چاہیں گے تو نچلے درجے والوں سے آکر ملیں گے۔

مُدْهَامَّتٰنِ۔ دُهْمَةٌ کا معنی سیاہی ہوتا ہے اور یہاں مُراد یہ ہے کہ وہ باغات سرسبزی و شادابی میں سیاہی مائل ہوں گے۔

نَضَّاخَتٰنِ۔ نضح اور نضخ میں فرق یہ ہے کہ نضح حا کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے قطرہ قطرہ ہو کر ٹپکنا۔ اور نضخ خا کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے کثرت اور زور کے ساتھ پانی کا نکلنا اس جگہ خا کے ساتھ ہے یعنی ان دو چشموں سے پانی اُچھل اُچھل کر زور سے نکل رہا ہوگا جس میں عنبر و کستوری کی سی خوشبو ہوگی۔

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ۔ کھجور اور انار اگرچہ میوہ جات میں داخل ہیں لیکن آیت مجیدہ میں فَاكِهَةٌ کے بعد نخل اور رمان کا ذکر ان ہر دو کی اہمیت کے پیش نظر کیا گیا ہے۔

رُمَّان۔ دراصل یہ رَمَّ يَرُمُّ سے ہے جس کا معنی ہے اصلاح کرنا۔ چونکہ یہ دل کی اصلاح کرتا ہے اس لئے اس کو رمان کہا جاتا ہے۔

خَيْرٰتٌ۔ خیرۃ کی جمع ہے۔ اور مرد کے لئے خَيْر کا استعمال ہوتا ہے جس کی جمع خیار و اخیار آیا کرتی ہے۔ اور اس کا معنی خوش اخلاق و پاکیزہ اطوار کیا جاتا ہے۔ اور حسان کا معنی خوبرو ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سابق کا تکرار نہیں ہے۔ بلکہ ان سے مُراد دنیا کی عورتیں ہیں جو جنت میں حور العین سے بدرجہا بہتر ہوں گی۔ اور حضرت

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۲﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۳﴾

پس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کو جھٹلاتے ہو؟ سیاہ چشم حسینائیں جو خیام میں محفوظ ہوں گی

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جنّت میں ایک نہر ہے جو کوثر سے نکلتی ہے۔ اور اس کا نام خیر ہے اور کوثر ساق عرش سے نکلتا ہے جو اوصیاء کی قیام گاہ ہے۔ اور ان کے شیعہ بھی وہاں ہوں گے۔ اور اس نہر کے دونوں کناروں پر حورانِ جنّت ہوں گی۔ جن کو اسی نہر کے نام کی مناسبت سے خیرات کیا جاتا ہے۔ جب ایک مومن دوسرے کو جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا کہتا ہے تو گویا وہ اس کے لئے اسی مرتبہ کی دعا کرتا ہے۔ اور زجاج سے منقول ہے کہ خیرات اصل میں خیّرات تھا اور تخفیف کرکے اس کو خیرات بنایا گیا ہے۔

حُوْرٌ ۔ حوراء کی جمع ہے جس کا معنی سیاہ چشم حسینہ ہوا کرتا ہے۔ اور عین جو عیناء کی جمع ہے۔ اس کا معنی کشادہ چشم ہوتا ہے۔ اور حور عین کا معنی وہ عورتیں جن کی آنکھوں میں کشادگی کے علاوہ ان کا سفید حصہ نکھرا ہوا سفید ہو۔ اور سیاہ حصہ پورا سیاہ ہو۔ اور آنکھوں کے حسن میں یہ صفت اضافے کا باعث ہوتی ہے۔ اور مروی ہے کہ جب جنّت کی حوریں ترنم میں اپنی عمدگی بیان کریں گی تو دنیا کی مومن عورتیں جو اپنے مومن مردوں کے ساتھ جنت میں ہوں گی۔ اور ان کا حسن جنّت میں حورانِ جنّت سے کہیں زیادہ ہوگا۔ وہ ان کے جواب میں ترنم کے ساتھ اپنی صفاتِ حسنہ کو بیان کریں گی۔ اور ان کی آواز میں وہ حسن ہوگا کہ جنّتی حوروں پر غالب آجائیں گی۔ اور مومن اپنی پوری عیش و انبساط کے ساتھ لذت و سرور سے بہرہ ور ہوں گے۔

مَقْصُوْرٰتٌ (یعنی وہ حوریں اپنے اپنے خیموں میں ہوں گی۔ اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ حورانِ جنّت کا ایک ایک خیمہ سفید موتی کا ہوگا جس کے اندر کافی وسعت ہوگی۔ جس میں مومن کے لئے الگ الگ آرام گاہیں بنی ہونگی۔ اور بروایت انس آپؐ سے مروی ہے کہ میں شبِ معراج ایک نہر پر پہنچا جس کے دونو کناروں پر مرجان کے خیمے نصب تھے۔ اور مجھے سلام کی آواز پہنچی۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ حورانِ جنّت ہیں جو آپ کو باذن پروردگار سلام کر رہی ہیں۔ اور وہ کہہ رہی تھیں کہ ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں کہ ہم پر موت نہ آئے گی۔ ہم میں وہ دل کشی ہے جس سے کبھی اکتاہٹ نہ ہوگی۔ اور ہم شریف و نیک لوگوں کے لئے مخصوص ہیں۔ اور تفسیر برہان میں ہے کہ حورانِ جنت یاقوت و مرجان کے خیموں میں ہوں گی کہ ہر خیمہ کے چار دروازے ہوں گے اور ہر حور کے لئے ہر دروازے پر ستر ستر کنیزیں خوش رو و خورسند چاق و چوبند ان کے حکم میں پابند ہوں گی۔ ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے حورانِ جنّت کو جنّت میں ہی پیدا کیا۔ اور ہر حور ستر ستر حلہ ہائے جنّت میں ملبوس ہوگی۔ اور وہ اس قدر حسین ہوں گی کہ ان کی پنڈلی کی ہڈی کا مغز بھی ستر ستر حلوں کے باوجود نظر آرہا ہوگا۔ جس طرح سرخ پانی شیشے کے سفید برتن سے نظر آرہا ہوتا ہے۔ اور ہر جنّتی میں ایک ایک سو مرد کے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو — جن کو ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے مس نہ کیا ہوگا

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۶﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟ — وہ تکیہ لگانے والے ہوں گے سبز ریشمی بچھونوں پر اور خوبصورت عمدہ

حِسَانٍ ﴿۷۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۸﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ

بستروں پر — پس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو؟ — بابرکت ہے تیرے پروردگار کا نام

رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۹﴾ ع ۱۳

جو جلال و اکرام کا مالک ہے

برابر طاقت ہوگی اور وہ ان سے لذت اندوز ہوگا اور ہمبستری کے بعد بھی ایسا معلوم ہوگا کہ ان کو کسی نے مس تک نہیں کیا یعنی وہ ہمیشہ عروسِ نو کی طرح تازہ و شگفتہ رہیں گی۔ اور مرد بھی اسی طرح ہمیشہ تازہ دم اور خوش باش رہے گا۔

لَمْ یَطْمِثْهُنَّ:۔ یہ تکرار اس لئے ہے کہ حورانِ جنّت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک وہ جو شرمیلی آنکھوں کو جھکائے ہوئے چل پھر رہی ہوں گی۔ اور دوسری وہ جو اپنے خیام کے اندر اپنی آرام گاہوں پر اپنے حُسن و سنگار کے ساتھ جلوہ گر ہوں گی تاکہ جنّتی آدمی خیمہ کے اندر جائے یا باہر سیر و تفریح کے لئے نکلے اُسے ہر طرف بہار ہی بہار نظر آئے۔ اور ہر جگہ اس کی دل لگی کا انتظام موجود ہو۔ پس یہ ہر دو قسم کی حوریں نئی نویلی ہوں گی۔ جن کو ان سے پہلے کسی نے مس تک نہ کیا ہوگا۔ اور ان میں خوبی یہ ہوگی کہ یہ ہمیشہ اسی طرح نو بیاہتی دلھن کی طرح نئی نویلی رہیں گی۔

رَفْرَفٍ ۔ اس کا معنی تر و تازہ یا آرامگاہ یا سرہانہ کیا گیا ہے۔ اور بعض مفسّرین نے اس کا معنی باغاتِ جنّت کیا ہے اور اور اس کی واحد رَفْرَفَۃ ہے۔

عَبْقَرِیٍّ ۔ اس کا معنی عمدہ و خوبصورت سنہرہ یا دیباج کیا گیا ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہر منقش لباس کو عبقری کہا جاتا ہے۔ اور بعضوں نے تعمیم کرکے یہاں تک کہا ہے کہ ہر وہ شئی جس کی عمدگی و نمائش میں جدّت جودت ہو اس کو عبقری کہا جاتا ہے۔

آج ۹ ربیع الاوّل بوقت ساڑھے سات بجے صبح بروز بدھ مطابق ۳ ر اپریل ۱۹۷۶ء سورہ الرحمٰن کی تفسیر سے فارغ ہوا ہوں ۔ والحمد للہ

سورۂ الواقعہ

یہ سورہ مکیہ ہے ۔ صرف ایک آیت مدنی ہے ۔
آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ملا کر ستانوے بنتی ہے ۔
حضرت رسول اللہ نے فرمایا جو شخص سورہ واقعہ کی تلاوت کرتا رہے وہ غافلین میں سے شمار نہ ہوگا ۔
آپ نے فرمایا جو شخص دنیا و آخرت اہل بہشت و اہل دوزخ اور اولین کے حالات جاننا چاہے وہ سورہ واقعہ کو پڑھے
ابن مسعود کی بیمار پرسی کے لئے عثمان آیا تو اس نے پوچھا تجھے کیا شکایت ہے ؟ ابن مسعود نے کہا کہ اپنے گناہوں کی شکایت ہے ۔ پھر پوچھا اب کیا چاہتے ہو ؟ تو ابن مسعود نے کہا رحمتِ پروردگار چاہتا ہوں ۔ عثمان نے پوچھا کہ کسی طبیب کا انتظام کردوں ؟ تو ابن مسعود نے کہا کہ طبیب ہی نے تو بیمار کیا ہے ۔ عثمان نے کہا کچھ رقم دے دوں ابن مسعود نے جواب دیا جب ضرورت تھی تو تو نے کچھ نہ دیا ۔ اب ضرورت نہیں رہی تو تم سخاوت کر رہے ہو ۔ میں نہیں لینا چاہتا ، عثمان نے کہا اپنی بچیوں کے لئے لے لو ۔ ابن مسعود نے کہا میں نے ان کو سورہ واقعہ یاد کرادی ہے اور حضورؐ سے میں نے سنا تھا کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کرتا ہے وہ فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا

(مجمع البیان)
امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جو شخص ہر رات سونے سے پہلے سورہ واقعہ کو پڑھے روز محشر دربارِ خداوندی میں اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح ہوگا ۔
امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جو شخص ہر شب جمعہ سورہ واقعہ کو پڑھے خدا کا محبوب ہوگا اور خدا اس کو لوگوں کا بھی محبوب بنا دیگا اور دنیا میں کبھی فقر و فاقہ اور رنج و غم کو نہ دیکھے گا اور وہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے ساتھیوں میں ہوگا ۔
منقول ہے کہ یہ سورہ مجیدہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے لئے مخصوص ہے (برہان)
حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ اگر اس کو لکھ کر گھر میں رکھا جائے تو خیر و برکت میں اضافہ ہوگا ۔ نیز وسعتِ رزق ، توفیق ، زیادتی حفظ مقبولیت اور ازالہ فقر کے لئے اس کا ہمیشہ پڑھنا بہت مفید ہے ۔
امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اس کے کافی فوائد منقول ہیں اُن میں سے یہ بھی ہے کہ میت پر پڑھی جائے تو اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور مرنے والے پر پڑھی جائے تو اس کا روح آسانی سے قبض ہوتا ہے (برہان)
فوائد القرآن میں وسعت رزق کے لئے امام زین العابدین علیہ السلام سے اس کا عمل اس طرح منقول ہے کہ نئے چاند کی پہلی سوموار کی رات سے اسکو پڑھنا شروع کرے کہ پہلی رات ایک مرتبہ دوسری رات دو مرتبہ حتیٰ کہ چودھویں رات چودہ مرتبہ اسکو پڑھے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۱

اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ ۲ لَيۡسَ لِوَقۡعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۳ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۴

جب قائم ہوگی قیامت — اس کے قائم ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں — نیچا کرنے والی بلند کرنے والی ہوگی

اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ :۔ اس کی نحوی ترکیب میں چند اقوال ہیں ۔ (۱) اذا ظرف ہے ۔ اور اس کا عامل لیس نہیں بلکہ اس سے جو نفی کا معنی سمجھا جاتا ہے ۔ وہ اس کا عامل ہے یعنی لا یکون لوقعتها کاذبة اور خود لیس اس لئے اذا کا عامل نہیں کیونکہ لیس نفی حال کے لئے ہے اور اذا کا معنی استقبال کے لئے ہے (۲) اذا کا عامل محذوف ہے ۔ یعنی فَازَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَخَسِرَ الۡكَافِرُوۡنَ اِذَا وقعت ۔ یعنی جب قیامت قائم ہوگی تو مومن کامیاب اور کافر ناکام ورسوا ہوں گے (۳) ابو علی نحوی کا قول ہے کہ اذا شرط ہے اور خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے ۔ اور فاء جزائیہ بھی محذوف ہے ۔ یعنی فَهِيَ خَافِضَةٌ قَوۡمًا وَّرَافِعَةٌ قَوۡمًا اور معنی یہ ہوگا کہ جب قیامت قائم ہوگی جس کے قائم ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں وہ ایک قوم کو یعنی جنتیوں کو بلند کرے گی ۔ اور ایک قوم کو یعنی دوزخیوں کو پست کرے گی ۔ اور اس کے بعد اِذَا رُجَّتِ الۡاَرۡضُ بدل ہے اِذَا وَقَعَتۡ سے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اِذَا رُجَّتۡ کا عامل يَقَعُ محذوف ہو ۔ یعنی قیامت اس وقت واقع ہوگی جب زمین پر زلزلہ آئے گا ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اِذَا رُجَّتۡ اِذَا وَقَعَتۡ کی خبر قرار دیا جائے ۔ یعنی قیامت کے وقوع کا وقت وہی ہوگا ۔ جو اس کے زلزلے کا وقت ہوگا ۔ چنانچہ ابن جنی کا قول بھی ہے کہ اِذَا کو ظرفیت کے معنی سے الگ کیا جاسکتا ہے ۔ پس اس جگہ اِذَا کو ظرف قرار دے کر اس کے لئے عامل کے تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ پہلا اذا مبتدا ہے ۔ اور دوسرا اذا اس کی خبر ہے ۔ اور واقعہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسے آزفہ ۔

لَيۡسَ لِوَقۡعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۔ یہاں کاذبہ اسم فاعل کا صیغہ نہیں بلکہ مصدر ہے جس طرح عافیہ وعاقبہ ۔ یعنی جب ہونے والی بات ہوگی جس کے ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ۔ اور یہ جملہ حال ہے اور جن لوگوں نے خَافِضَةً رَّافِعَةً کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے وہ ان کو بھی دوسرا اور تیسرا حال قرار دیتے ہیں اور معنی بالکل واضح ہے ۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ :۔ (۱) ابن عباس کا قول ہے بعض کو بلند اور بعض کو پست کرے گی (۲) حسن نے کہا ہے ایک قوم کو جہنم کی پستی کی طرف لے جائے گی ۔ اور دوسری قوم کو جنت کی بلندی نصیب ہوگی (۳) جو لوگ دنیا میں متکبر اور بلند مرتبہ تھے ان کو ذلیل ہوکر جہنم کی پستی میں دھکیلا جائے گا ۔ اور جو لوگ دنیا میں ذلیل اور پست سمجھے جاتے تھے ان کو ایمان وعمل کی بدولت جنت الفردوس کی بلندی نصیب ہوگی ۔

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۝ ۵ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ

جب جھنجھوڑا جائیگا زمین کو سخت جھٹکا اور ریزہ ریزہ کیا جائے گا پہاڑوں کو کہ وہ فضا میں پھیلے ہوئے

هَبَاءً مُّنۢبَثًّا ۝ ۶ وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۝ ۷ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ

ذرات بن جائیں گے اور تم تین گروہوں میں بٹ جاؤ گے اصحاب میمنہ

مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ ۸ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ ۹

کیا کہنا اصحاب میمنہ کا ؟ اور اصحاب مشئمہ کیا ہیں اصحاب مشئمہ ؟

إِذَا رُجَّتِ ۔ ترکیب کے لحاظ سے یا تو پہلے إِذَا سے بدل ہے یا اس کی خبر ہے یا يَقَعُ فعل محذوف کا معمول ہے اور رج کا معنی سخت قسم کا زلزلہ ہوتا ہے اور ارتجاج کا معنی کانپنا ہوتا ہے۔

وَبُسَّتِ الْجِبَالُ ۔ بس کا معنی ہے ریزہ ریزہ ہونا اور هَبَاءً اُن ذرات کو کہا جاتا ہے جو دھوپ میں پھیلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، جیسا کہ کمرہ میں کسی روشندان یا کھڑکی کے ذریعے سے داخل ہونے والی دھوپ میں نظر آتے ہیں یعنی قیامت کے زلزلہ کے بعد زمین ایک چٹیل میدان کی طرح ہو جائے گی کہ مُردے اس کے شکم سے باہر نکل آئیں گے۔ اور پہاڑ ذرات بن کر فضائے بسیط میں بکھر جائیں گے۔

فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۔ یعنی وہ لوگ جن کو اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ میمنہ سے مراد یمن و برکت ہو۔ یعنی اطاعت خدا کی وجہ سے وہ لوگ یمن و برکت کے مالک ہوں گے۔ پس اصحاب المیمنہ مبتداء واقع ہے اور اس کے بعد ما اصحاب المیمنہ اس کی خبر ہے اور ما استفہامیہ ہے یعنی کیا شان ہوگی اصحاب میمنہ کی ؟ اور یہ تعجب کے لئے ہے۔ اسی طرح اس کے بعد أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مبتداء اور مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ اس کی خبر ہے اور تعجب کے معنی کو ظاہر کیا گیا ہے۔

تین گروہوں میں تقسیم

تفسیر برہان میں اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کی کہ لوگوں کا خیال ہے کہ مومن زنا نہیں کیا کرتا اور مومن شراب نوشی نہیں کرتا۔ مومن سود خوار نہیں ہوتا اور مومن خون ریزی نہیں کرتا۔ اور میرا بعض اوقات دل تنگ ہوتا ہے۔ جب یہ سوچتا ہوں کہ ایک شخص ہم جیسا نمازی بھی ہو۔ دعائیں بھی مانگتا ہوں۔ ہمارے ساتھ سلسلۂ نکاح بھی رکھتا ہو اور احکام وراثت میں بھی ہمارے ساتھ شریک ہو۔ اور باوجود اس کے کسی ایک گناہ کی وجہ سے ایمان سے نکل جائے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے سائل کی بات کو سن کر فرمایا کہ تو نے سچ کہا میں نے رسول اللہ سے سُنا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیت میں اس کی دلیل موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے سورہ واقعہ کی ان آیات کی تلاوت فرمائی کہ خداوند کریم نے لوگوں کو تین طبقات میں تقسیم فرمایا ہے۔ پس وہ لوگ جو سابقین ہیں۔ ان سے مراد انبیاء ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نہ ہوں۔ اور

مِمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾ وَحُورٌ عِينٌ ﴿٢٢﴾

میوہ جات ہونگے جو وہ چاہیں گے لے لیں گے اور پرندوں کا گوشت جو انکی خواہش ہوگی اور سیاہ و کشادہ چشم عورتیں

كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿٢٣﴾ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾

جو محفوظ موتیوں کی طرح ہوں گی یہ بدلہ ہوگا اس کا جو عمل کرتے تھے (دنیا میں)

سبقت لینے والے تھے تو مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کے قرب کے زمانہ میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی اور آنیوالے زمانہ میں ایسے لوگ کم ہونگے جو سابقین کی صفت سے موصوف ہوں اور روایت سابقہ کے ماتحت اولین میں سے ہابیل مومن آل فرعون اور حبیب نجار ہیں اور آخرین میں سے حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

مَوْضُونَةٍ ۔ یعنی منسوجۃ اور مفسرین نے کہا ہے کہ ان کے تختوں میں سونے اور چاندی کی تاروں سے بنائی کی ہوئی ہوگی۔ پس وہ بڑے آرام و پریم سے شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ اور جنتی ملازمین حور و غلمان ضروریات کی اشیاء ہاتھوں میں لے کر ان کے درمیان پھر رہے ہوں گے۔ جس طرح کسی شاہی مہمان خانے میں دسترخوان پر حاضر ہونے والے مہمان اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور سرکاری ملازمین ہاتھوں میں ڈونگے پلیٹیں اور دیگر ضیافتی ضروریات کی اشیاء لئے ہوئے اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے ہیں تاکہ جس مہمان کی طبیعت جو کچھ پسند کرے۔ اس کے سامنے فوراً حاضر کر دیا جائے۔

يُصَدَّعُونَ ۔ یہ صداع سے ہے جس کا معنی سر دردی ہوا کرتا ہے یعنی بہشت کے شراب میں یہ نقص نہیں ہوگا۔

يُنْزِفُونَ ۔ یعنی جس طرح دنیاوی شراب میں نشہ اور فتور عقل ہوتا ہے وہاں یہ عیب نہ ہوگا۔

وَفَاكِهَةٍ ۔ اس کا عطف اکواب پر ہے۔ یعنی جنتی غلمان کے ہاتھوں میں میوہ جات کے طشت ہوں گے۔ جن میں سے جنتی لوگ اپنی افتادِ طبع کے ماتحت جو چاہیں گے اٹھا لیں گے۔ اسی طرح پرندوں کا بھونا ہوا گوشت بھی پیش کریں گے۔ اور وہ لوگ اپنی خواہش و پسند کے مطابق لیں گے۔ اور کھائیں گے۔ غرضیکہ جس بہشتی کے دل میں جو خواہش پیدا ہوگی اُسی وقت غلمان اُسے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے سامنے آجائیں گے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عالم ازل میں جب خداوند کریم نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ان کے سامنے ایک آگ کی سی روشنی پیدا کی اور حکم دیا کہ اس میں داخل ہو جاؤ۔ پس سب سے پہلے حضرت محمد مصطفےٰ حضرت علی مرتضےٰ، حضرت حسنؑ حضرت حسینؑ اور آئمہ طاہرین یکے بعد دیگرے اُس میں داخل ہوئے اور ان کے بعد ان کے شیعہ داخل ہوئے۔ پس وہی سابقین ہیں۔

وَحُورٌ عِينٌ ۔ اس کا عطف غلمانٌ پر ہے۔ یعنی خدائی دسترخوان پر تناول کرنے والے بہشتی لوگوں کے لئے حور و غلمان اِدھر اُدھر گشت لگا رہے ہوں گے۔ حُور جمع حَوراء کی ہے جس کا معنی ہے سیاہ چشم۔ اور عِین جمع ہے عَیناء کی جس کا معنی

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

نہ سنیں گے اس میں لغویات اور نہ گناہ کی طرف نسبت البتہ ایکدوسرے سے سلام کا خطاب سنیں گے

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾

اور اصحاب الیمین کیاکہنا اصحاب الیمین کا ؟ کر کانٹوں سے پاک وصاف بیریوں

ہے کشادہ چشم۔

اَلْمَكْنُوْن :۔ وہ موتی جو صدف میں بند ہو اور اُس کو کسی نے چھوا تک نہ ہو۔ یعنی ان کو لولوء مکنون کی طرح کسی نے ہاتھ تک نہ لگایا ہوگا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ ۔ یعنی بہشتی لوگ جنّت میں نہ کوئی بے ہودہ بات سُنیں گے۔ اور نہ کسی سے یہ سُنیں گے کہ تم نے گناہ کیا ہے۔ کیونکہ وہاں گناہ ہی نہ ہوگا بلکہ وہ جب سنیں گے تو اپنے دوسرے مومن بھائیوں کی جانب سے ہدیہ سلام کی آواز سنیں گے۔

سَلٰمًا ۔ یہ مفعول مطلق ہے اور اس کا عامل محذوف ہے یعنی سَلَّمَكَ اللّٰهُ سَلٰمًا گویا کہ پہلا سلامًا عامل ہے۔ سلّمك الله کے معنی میں۔ اور دوسرا مفعول مطلق ہے۔ اور پورا جملہ قیلاً سے بدل ہے۔ اور قیل قول کے معنی میں ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سلامًا قیلاً کی صفت ہو۔ اور یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے کہ سلامًا مفعول ہے قیلاً کا۔

اَصْحَابَ الْيَمِيْن ۔ تفسیر برہان میں حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ جب خدا نے لوگوں کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا تو میں(۱) ان کی بہترین قسم میں تھا۔ چنانچہ اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال میں سے میں اصحاب الیمین میں سے ہوں۔ اور اُن سے افضل ہوں۔ پھر جب اللہ نے اُن کو تین گروہوں(۲) میں تقسیم فرمایا تو مجھے اُس نے بہترین قسم میں قرار دیا کہ سابقون اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ میں سے میں سابقون میں سے ہوں۔ اور اُن سے افضل و برتر ہوں۔ اور جب اللہ نے لوگوں کو شعوب و قبائل میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہترین(۳) قبیلہ میں قرار دیا اور فرمایا اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَ اَكْرَمُهُمْ عَلَى اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ ۔ یعنی میں اولادِ آدم کا سردار اور اُن میں سے کریم تر ہوں۔ اور یہ کوئی فخر نہیں بلکہ حقیقت ہے اس کے بعد جب قبائل کو اس نے بیوت میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہترین(۴) بیت میں رکھا جس کے متعلق ارشاد فرمایا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ الخ اور میں اس بیت والوں سے افضل ہوں۔

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۔ وہ بیری کا درخت جس کے کانٹے جھڑے ہوئے ہوں۔ یعنی بہشت میں اس جنس کے درخت ہوں گے لیکن ان کا پھل بدرجہا لذیذ و نفیس ہوگا اور طلح کا معنی بڑا درخت اور یہاں مراد اخروٹ کا درخت ہے۔ اور منضود کا معنی ہے کہ وہ نہایت گھنے اور سایہ دار ہوں گے۔

وَّطَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسۡكُوۡبٍ ﴿۳۱﴾ وَّ

اور کیلے درختوں (کے سایہ) میں ہونگے اور دُور تک پھیلا ہوا سایہ اور جاری پانی اور

فَاكِهَةٍ كَثِيۡرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ

کافی میوہ جات جن کا نہ موسم ختم ہوگا اور نہ نایاب ہوں گے اور عورتیں جن کی قدر و قیمت

مَّرۡفُوۡعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا ﴿۳۶﴾

بلند ہوگی جن کو ہم نے اپنی قدرت سے پیدا کیا اور ان کو باکرہ قرار دیا

فُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَةٍ ۔ اس کا معنی عالی شان بستر ے بھی کیا گیا ہے۔ لیکن سیاق و سباق کے لحاظ سے اس کا معنی عورتیں لینا مناسب ہے۔ اور احادیث میں بھی عورت کو مرد کا فراش قرار دیا گیا ہے اور مرفوعہ سے مراد یہ ہے کہ حُسن و جمال اور خلق و اعمال کے لحاظ سے وہ بُلند پایہ و بلند قیمت ہوں گی۔ اور بعد والی آیت بھی اسی کی تائید کرتی ہے کہ ہم نے ان کو پیدا کیا اور باکرہ قرار دیا کہ ہر دفعہ وہ باکرہ ہی معلوم ہوں گی۔

عُرُبًا ۔ عروب کی جمع ہے یعنی وہ عورت جو مرد سے زیادہ مُحبّت کرنے والی اور مرد کو بہت زیادہ چاہنے والی ہو۔

اَتۡرَابًا ۔ اس کا معنی ہمسن ہوا کرتا ہے۔ اور یہ عورتوں کی صفت ہوتا ہے جس کا معنی ہے سہیلیاں یعنی وہ سب عورتیں ایکدوسری کے لئے سہیلیوں کی طرح ہوں گی۔

داخلہ جنّت تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ایک حدیث طویل میں منقول ہے کہ جب مومن دروازہ جنّت پر پہنچے گا تو اس سے جنّت میں داخلہ کا اجازت نامہ طلب کیا جائے گا چنانچہ جب وہ اس اجازت نامے سے داخل جنّت ہوگا تو سامنے صف بصف درختوں[1] کی لائنیں ہونگی جنکے ہر دو طرف بیٹھے چشمے جاری ہوں گے تو دیکھ کر مسرور ہوگا۔ پس ایک چشمے[2] سے غسل کرے گا جس کی بدولت وہ کبھی کسی مرض و درد میں مبتلا نہ ہوگا اور دوسرے چشمے[3] سے پئے گا اور اسی کے متعلق دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَسَقٰهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابًا طَهُوۡرًا پس فرشتے[4] اس کا استقبال کریں گے۔ پس وہ ایسے باغ میں داخل ہوگا جن کی ٹہنیوں[5] پہ موتی اور قسم قسم کے حلہ ہائے بہشتی ہوں گے۔ اور فرشتے اس کے سامنے جنّت کی سواریاں[6] پیش کریں گے۔ پس وہ ایک سواری پر سوار ہوکر جنّت کی سیر کرے گا اور اس کی پیشانی سے ایسا نور ساطع[7] ہوگا کہ فرشتے بھی اس پر رشک کریں گے اور ایک دوسرے سے کہیں گے کہ اس کا راستہ خالی کردو۔ کیونکہ یہ اللہ کا مہمان[8] ہے۔ پس ایک چاندی کے محل[9] میں داخل ہوگا جو یاقوت و مرجان سے مرصّع ہوگا وہاں حورانِ جنّت[10] اس کا استقبال کریں گی پھر ایک سونے[11] کے محل میں داخل ہوگا جو یاقوت و مرجان سے جڑا ہوا ہوگا وہاں بھی اس کا عالی شان و پرشکوہ استقبال ہوگا یہاں تک کہ اسی طرح اپنے ایک ہزار[12] محلات کی سیر کرے گا اور جناب ام سلمہؓ

نے حضورؐ سے سوال کیا کہ ہماری حُوراِن جنّت سے کیا نسبت ہوگی ؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم نماز روزہ و دیگر عبادات کی بدولت اُن سے بدرجہا افضل و برتر ہوگی۔

صفتِ جنّت

تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جب مومن جنّت میں داخل ہوں گے تو اُن کا قد حضرت آدمؑ کے قد کے برابر یعنی ستر ذراع ہوگا اور عمر حضرت عیسٰیؑ کے برابر تینتیس برس کی سی ہوگی زبان عربی اور جمال یوسف ان کو عطا ہوگا اور اُن کو حضرت ایّوب کا سا دل ہوگا جو ہر قسم کے حسد و کینہ سے پاک وصاف ہوگا۔ آپ نے فرمایا جنّتی لوگ بے ریش ہوں گے۔ ان کی آنکھیں سرگیں ان کے سر پر تاج اور گردن میں ہار ہوگا۔ ہمیشہ خوش و خرم اور ہر قسم کے فکر و غم سے آزاد ہوں گے۔ کھانے پینے شہوت اور جماع میں ایک مرد ہزار مرد کی طاقت رکھتا ہوگا۔ اور جو غذا کھائے گا۔ چالیس برس کے عرصہ کے برابر تک اس کی لذّت زائل نہ ہوگی۔ ان کے چہرے پر نور کا پرتو ہوگا ان کے جسم ریشم کی طرح نرم و نازک ان کے رنگ سفید اور لباس سبز ہوگا۔

آپ نے فرمایا جنّت میں بسنے والے زندۂ جاوید ہوں گے۔ ان پر کبھی موت نہ آئے گی وہ بیدار رہیں گے۔ ان پر نیند کا غلبہ نہ ہوگا اور وہ غنی ہوں گے۔ کسی کے حاجت مند نہ ہوں گے نیز وہ خوش ہوں گے کبھی غمزدہ نہ ہوں گے۔ وہ ہنسیں گے۔ لیکن ان پر کبھی رونے کی نوبت نہ آئے گی۔ ان کو بھوک پیاس برہنگی کی کبھی شکایت نہ ہوگی۔ وہ سوار ہو کر جنّت کی سیر کریں گے۔ ایک دوسرے سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہوگا۔ اور جنّت کے غلمان ہمیشہ ان کی نوکری میں چاق و چوبند موجود رہیں گے۔ الخ

آپ نے فرمایا جنّت کی زمین چاندی کی سی ہوگی۔ اور اس کی مٹی زعفران ہوگی جس پر کستوری کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہوں گے۔ اور اس کے صحن میں یاقوت و مرجان کے ٹکڑے جابجا موجود ہوں گے۔ یعنی ہر حیثیت سے وہ سجی سجائی ہوگی کہ اس میں چلتے پھرتے بیٹھتے اُٹھتے جنّتی لذّت و سرور محسوس کرے گا۔

آپ نے فرمایا کہ جنّت کی نہروں کی کھدائی نہیں ہوگی بلکہ زمین کے اُوپر وہ رواں ہوں گی۔ برف سے سفید تر شہد سے شیریں تر اور مکھن سے نرم تر ہوں گی۔ نہروں کی تہ مشک خالص اور اس کے ذرات یاقوت و مرجان ہوں گے اور ہر جنّتی کی جنّت میں اس قدر وسعت ہوگی کہ اگر وہ پُورے رُوئے زمین کے تمام جنّوں اور انسانوں کو بھی اپنے ہاں دعوت پر بلانا چاہے تو سب کے کھانے پینے کے بعد بھی اس کے ہاں کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہوگی۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے حضرت رسول اللہ سے نقل فرمایا کہ جنّت کی کھجوروں کے تنے سنہری شاخیں زبرجد سبز کی خوشے سفید موتیوں کے اور پھل چاندی سے سفید تر شہد سے شیریں تر اور مکھن سے نرم تر ہوگا جن میں گٹھلیاں نہیں ہوں گی اور ایک ایک خوشہ بارہ ذراع لمبا ہوگا اور جہاں سے پھل توڑا جائے گا وہ جگہ خالی نہ رہے گی بلکہ اس جیسا دوسرا موجود ہو جائے گا۔ اور اسی کے متعلق ارشاد ہے کہ جنّت کے میوہ جات نہ مقطوع ہوں گے اور نہ ممنوع یعنی جس طرح دنیا دی پھلوں

کا ایک موسم ہوتا ہے جس کے بعد وہ دستیاب نہیں ہو سکتے۔ اس طرح جنت کے میوہ جات کسی خاص موسم کے پابند نہ ہوں گے بلکہ جب بھی جنتی چاہے گا اسے اپنی پسند کا میوہ دستیاب ہوگا۔ اور جس طرح دنیا کے بعض میوہ جات گرانی کی وجہ سے بعض لوگوں کی دسترس سے باہر ہو جاتے ہیں جنت کے میوہ جات میں یہ بات نہ ہوگی بلکہ ہر جنتی ہر قسم کا میوہ ہر زمانہ میں اپنی مرضی کے مطابق حاصل کر سکے گا۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ شہداء میں سے کم از کم جنتی کو بارہ ہزار حورانِ جنت عطا ہوں گی۔ اور چار ہزار ان میں باکرہ ہوں گی۔ اور ہر ایک کے ستر ستر ہزار خادم ہوں گے اور شیریں آواز سے جب وہ جنتی مومن کی خوش طبعی کے لئے اپنے اوصاف کا ترانہ پڑھیں گی تو پوری جنت ان کے حسنِ آواز سے جھوم اٹھے گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک جنتی کو آٹھ سو باکرہ اور چار ہزار ثیب عورتیں عطا ہوں گی اور باکرہ کا مقصد یہ ہے کہ جب بھی مومن ان سے ہمبستری کرے گا۔ ان کو باکرہ پائے گا اور آپ نے فرمایا حورانِ جنت کی پیدائش جنت کی نورانی تربت سے ہوئی ہے کہ ان کی پنڈلی کی ہڈی کا مغز ستر حلوں کے باہر سے بھی دیکھا جا سکے گا۔ پس جنتی مرد کا سینہ اس کی عورت کے لئے آئینہ کا کام دے گا۔ اور عورت کا سینہ مرد کے لئے آئینے کا کام دے گا۔ اور جنتی عورت کا ایک بال اگر آسمان و زمین کے درمیان لٹکایا جائے تو اس کی چمک سے لوگوں کی آنکھیں خیرگی محسوس کریں گی۔

ایک زندیق کے جواب میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب اس نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جنتی جب ایک میوہ توڑے گا تو اس کی جگہ دوسرا موجود ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا جس طرح ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کیا جاتا ہے اور پہلے سے کچھ کم نہیں ہوتا پھر اس نے کہا کہ کھانے پینے کے باوجود بول و براز کیوں نہیں ہوگا تو آپ نے فرمایا جنت کی غذا میں کثافت نہیں ہوگی وہ لطیف غذا ہوگی جو پسینہ کے ذریعے سے نکل جائے گی۔ اس نے کہا کہ جنت کی حوریں ہمبستری کے بعد باکرہ کیسے رہیں گی تو آپ نے فرمایا وہ پاکیزہ و لطیف اجزاء سے پیدا ہوئی ہیں۔ لہذا ان کا جسم عوارض سے متاثر نہ ہوگا۔ پس وہ حیض و نفاس کی کثافتوں سے بھی پاک و منزہ ہوں گی۔ الحدیث

ایک روایت میں حضورؐ نے فرمایا کہ اگر جنت کی عورت تاریک شب میں دنیا کی طرف جھانک لے تو چاند کی روشنی سے بڑھ کر دنیا منور ہو جائے گی۔ اور اس کی خوشبو تمام دنیا کو معطر کر دے گی اور جنتی کا ایک کپڑا اگر آسمان و زمین کے درمیان ظاہر ہو تو پوری دنیا والے اس کے نور کی تاب نہ لا سکیں گے اور مدہوش ہو جائیں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت کی خوشبو پانچسو برس کی مسافت تک پہنچ جاتی ہے لیکن ایک قسم اس کو نہ سونگھ سکے گی۔ سائل نے پوچھا وہ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا ماں باپ کا نافرمان۔ اور دوسری روایت میں حضورؐ

عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِأَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ع ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾

مردوں سے پیار کرنیوالی اور ہمسن ہونگی (یہ سب کچھ) اصحاب الیمین کے لئے ہے ایک گروہ اولین میں سے ہوگا

وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَأَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ أَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾

اور ایک گروہ آخرین میں سے ہوگا اور اصحاب الشمال کیا حال ہوگا اصحاب شمال کا ؟

سے منقول ہے کہ جنّت کی خوشبو ہزار سال کی مسافت تک پہنچے گی لیکن ماں باپ کا نافرمان قاطع الرحم بوڑھا زانی اور تکبّر کے لئے چادر کو زمین پر گھسیٹ کر چلنے والا جنّت کی خوشبو نہ سونگھ سکے گا۔ کیونکہ تکبّر اللہ کی ذات کو زیبا ہے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۔ ثُلَّةٌ کا معنی جماعت ہے۔ بعض مفسّرین نے ذکر کیا ہے کہ گذشتہ اُمتوں کے سابقین آخری نبی کی اُمّت کے سابقین سے زیادہ ہیں۔ (چنانچہ ایک روایت میں بیان ہو چکا ہے کہ گذشتہ اُمتوں کے سابقین تین ہیں۔ ہابیل مومن آلِ فرعون اور مومن آلِ یٰسین اور آخری اُمّت کا سابق حضرت علی بن ابی طالب ہے) اور گذشتہ اُمتوں کے مومنین (اصحاب الیمین) اس اُمّت کے اصحاب الیمین کے برابر ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے۔ کہ اس جگہ اولین و آخرین سے مراد اسی آخری اُمّت کے اولین و آخرین ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ آج رات میں نے انبیاء کو اپنی اُمتوں کے ساتھ دیکھا بعض کے ساتھ بڑی جماعت تھی بعض کے ہمراہ چھوٹا سا گروہ تھا بعض کے ہمراہ چند افراد تھے۔ بعض کے ہمراہ صرف ایک آدمی تھا اور بعض ایسے بھی تھے جن کے ہمراہ کوئی فرد نہ تھا اور حضرت موسٰی علیہ السّلام کو میں نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے ساتھ دیکھا تو مجھے ان کی کثرت سے تعجب ہوا۔ پس میں نے عرض کی۔ اے پروردگار! میری اُمّت کہاں ہے تو میں نے دائیں طرف دیکھا۔ مجھے تا حدِّ نگاہ لوگوں کے چہرے نظر آئے اور بائیں طرف نگاہ کی تو پوری فضا انسانوں سے پُر تھی۔ میں نے عرض کی یہ کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ سب تیری اُمّت ہے۔ اور حکم ہوا کہ تیری اُمّت سے ستّر ہزار آدمی بلا حساب جنّت میں داخل ہوں گے۔ یہ سنتے ہی عکاشہ بن محصن اسدی نے عرض کی حضورؐ میرے لئے دُعا کیجئے کہ میں انہی میں سے ہو جاؤں تو آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔ پھر دوسرے آدمی نے بھی کھڑے ہو کر درخواست پیش کی لیکن آپ نے فرمایا کہ بس عکاشہ بازی لے گیا۔ حدیث کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ میں پُر اُمید ہوں کہ پوری جنّت کی ایک چوتھائی آبادی میری اُمّت سے ہوگی۔ پس لوگوں نے سن کر نعرۂ تکبیر بلند کیا تو آپ نے فرمایا کہ اُمید ہے ایک تہائی جنّت کی آبادی میری اُمّت سے ہوگی پھر لوگوں نے تکبیر کی آواز بلند کی۔

اَصْحٰبُ الشِّمَالِ۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں ملے گا اور وہ یقیناً جہنمی ہوں گے۔

يَحْمُوْمٍ: اس سے مراد جہنّم سے اُٹھنے والا کالا دھواں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ دوزخ میں آگ کا ایک پہاڑ ہے جس کا یہ نام ہے۔

فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیۡمٍ ﴿۴۴﴾

گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں اور دوزخ کے دھوئیں کے سایہ میں ہونگے جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ اچھا ہوگا

اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ کَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی

(کیونکہ) یہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) خوش حال تھے اور بڑے گناہ پر اصرار کیا

الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴۶﴾ وَ کَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ ۬ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا

کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں

وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۴۸﴾ قُلۡ

گے تو پھر از سر نو اٹھائے جائیں گے ؟ کیا ہمارے گذشتہ باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے ؟ کہہ دیجئے

اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۬ۙ اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ

کہ اولین و آخرین ضرور جمع کئے جائیں گے ایک معین دن کی وعدہ گاہ

مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّکُمۡ اَیُّہَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُکَذِّبُوۡنَ ﴿۵۱﴾

میں پھر تم اے جھٹلانے والے گمراہ لوگو !

لَاٰکِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡہَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۵۳﴾

زقوم کے پودے سے کھاؤ گے اور اسی سے اپنے پیٹوں کو پر کرو گے

فَشٰرِبُوۡنَ عَلَیۡہِ مِنَ الۡحَمِیۡمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡہِیۡمِ ﴿۵۵﴾

پس اوپر سے دوزخ کا کھولتا ہوا پانی پیئو گے اور ایک سانس میں پی جاؤ گے

مُتۡرَفِیۡنَ :- یعنی دنیاوی خوشحالی اور عیش پرستی کی وجہ سے انہوں نے آخرت کو بھلا دیا کہ توبہ پر موفق ہی نہ ہو سکے۔

اَلۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ :- اس سے مراد گناہان کبیرہ یا شرک ہے جس پر وہ اصرار کرتے تھے۔

شُرۡبَ الۡہِیۡمِ :- اس کی واحد ہیم اور مونث ہیماء ہے پیاسے اونٹوں کو کہا جاتا ہے جو ایک بیماری کی وجہ سے سیراب کبھی نہ ہوں۔ عربی میں اس بیماری کا نام ہیام ہے اور اس کا فاعل ہائم ہوتا ہے اور احادیث میں پانی کو ایک سانس میں پی لینے کو شرب الہیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پانی تین سانس لے کر پینا

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ﴿٥٦﴾ نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ﴿٥٧﴾

یہ ان کا قیامت کے دن کا ٹھکانا ہوگا ہم نے تم کو پیدا کیا پس تم کیوں نہیں مانتے ؟

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ﴿٥٨﴾ أَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿٥٩﴾

کیا وہ جو تم منی گراتے ہو کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٥٩﴾ عَلَىٰ أَنْ

ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر کیا اور ہم سے کوئی بھی نہیں بھاگ سکتا کہ تمہاری شکلوں کو

نُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ

ہم تبدیل کر دیں اور تمہیں ایسے روپ میں پیدا کریں جس کو تم نہیں جانتے اور تحقیق تم نے پہلی دفعہ کی

النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦١﴾ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿٦٢﴾

پیدائش کو جان لیا تو کیوں نصیحت نہیں حاصل کرتے ؟ کیا وہ جو تم کاشت کرتے ہو

أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿٦٣﴾ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا

کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں ؟ اگر ہم چاہتے تو اسے خشک گھاس بنا دیتے

چاہیے اور آپ نے فرمایا حمیم کی طرح نہ پیو۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ حمیم کیا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا۔ ریت۔ یعنی جس طرح ریت پانی کو ایک دفعہ پی جاتی ہے اس طرح نہ پیا کرو۔ اور بعض روایات میں بسم اللہ پڑھے بغیر پانی پینا شرب الھیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لَوْلَا تُصَدِّقُونَ ۔ یہ دلیل بعث و نشور ہے یعنی جب ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تو دوسری دفعہ زندہ کرنا اس سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔ لہذا تمہیں ہٹ دھرمی چھوڑ کر عقیدۂ قیامت کو اپنا لینا چاہیے۔ کیونکہ جو ذات نطفۂ منی سے انسان پیدا کر سکتی ہے وہ بوسیدہ ہڈیوں اور خاک کے ذرات سے دوبارہ انسان کیوں نہیں پیدا کر سکتی۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا۔ یعنی موت ہماری تقدیر سے ہے۔ کسی کو بچپنے میں کسی کو جوانی میں کسی کو بڑھاپے میں جب چاہیں جہاں چاہیں جس طرح چاہیں ہم موت دیتے ہیں اور ہم مسبوق نہیں۔ یعنی ہماری تقدیر سے کوئی بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اور ممکن ہے۔ کہ اس کا تعلق اگلے جملے سے ہو۔ یعنی ہم مسبوق نہیں اس بات سے کہ ہم تمہاری شکلیں تبدیل کر کے کسی اور جانور کی شکل دیدیں پس جب تم پہلی دفعہ کی پیدائش کو جانتے ہو کہ پانی کے نطفہ سے ہم نے تم کو وجود بخشا تو دوبارہ پیدا کیونکر نہیں کر سکتے۔

فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾

اور سوائے تعجب کے تمہارے پاس کچھ نہ ہوتا اور کہتے تحقیق ہم لٹ گئے بلکہ ہم محروم کر دیئے گئے

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ

کیا دیکھتے ہو وہ پانی جس کو تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو اتارا ہے بادل سے

الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا

یا ہم اتارنے والے ہیں؟ اگر ہم چاہتے تو اس کو تلخ بنا دیتے پس تم کیوں نہیں

تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ

شکر کرتے کیا دیکھتے ہو آگ جس کو جلاتے ہو کیا تم نے اس کے درخت کو

شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَ

پیدا کیا یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے اس کو تذکرہ قرار دیا اور

حُطَامًا ۔ یعنی تمہاری کھیتیاں ہم ہی اگاتے ہیں اور پکاتے ہیں۔ اگر ہم ان میں غلہ نہ پیدا کریں اور خشک گھاس ہی بنا دیں تو تم تعجب کرتے رہو گے اور واویلا کرو گے کہ ہم لٹ گئے۔ اور برباد ہو گئے۔ تفکّہ کا اصلی معنی مسخری کرنا ہوتا ہے۔

کاشت کے وقت دعا

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب زمین میں بیج ڈالنا چاہو تو مٹھی میں بیج لے لو اور قبلہ کی طرف منہ کرکے یہ پڑھو۔ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ تین مرتبہ۔ اس کے بعد کہو بَلِ اللَّهُ الزَّارِعُ تین مرتبہ۔ پھر کہو اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَبًّا مُبَارَكًا وَارْزُقْنَا فِيهِ السَّلَامَةَ۔ اس کے بعد زمین میں دانوں کو بکھیرنا اور بونا شروع کرو۔

اُجَاجًا ۔ اس کا معنی تلخ یعنی کڑوا۔ یا سخت نمکین ہوا کرتا ہے۔ یعنی بارش کا پانی اگر ہم چاہتے تو شیریں کے بجائے کڑوا یا نمکین کر دیتے کہ نہ پینے کے کام آتا اور نہ کھیتیوں کے لئے فائدہ مند ہوتا۔

شَجَرَتَهَا ۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ آگ جلانے کے لئے زند کا استعمال کرتے تھے۔ اور وہ ایک قسم کی لکڑی تھی کہ وہ لکڑیوں کو جب آپس میں رگڑا جاتا تھا تو آگ نکل آتی تھی۔ ان سب چیزوں کو پیش کرکے معاد کے لئے دلیل بنایا جا رہا ہے کہ جو اللہ درخت کی سبز لکڑی میں آگ کی قوت کو پوشیدہ رکھ سکتا ہے وہ اللہ قیامت کے قائم کرنے پر کیسے قادر نہیں؟

مَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ فَلَا

فائدہ لوگوں کے لئے پس تسبیح کرو اپنے پروردگار کے نام کی جو عظیم ہے پس مجھے

أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾

قسم ہے ستاروں کے اُترنے کی اور تحقیق یہ اگر تم جانتے تو بڑی قسم ہے

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُ

تحقیق یہ قرآن کریم ہے محفوظ کتاب کے اندر جس کو مس نہیں کرتے

إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٠﴾ أَفَبِهَٰذَا

مگر پاک لوگ عالمین کے پروردگار کا نازل کردہ ہے کیا اس بات کے (اقرار میں)

الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ

تم لوگ منافقت کرتے ہو اور اپنا حصہ یہ قرار دیتے ہو کہ اس کو

مُقْوِیْن:۔ یہ قوا سے ہے اور قوا اس زمین کو کہتے ہیں جہاں کوئی آبادی نہ ہو۔ اور مقوی اس مسافر کو کہا جاتا ہے جو اس قسم کی اجاڑ زمین میں جا پہنچے۔ اور بعضوں نے قوت سے لیا ہے یعنی صاحبان قوت لوگوں کے لئے نفع مند چیز ہے۔ پس مقوی کا لفظ لغات اضداد میں سے ہو جائے گا۔ یعنی یہ آگ طاقتور اور دولت مند طبقہ کے لئے اور فقیر اور بے کس لوگوں کے لئے فائدہ مند چیز ہے۔ اور دنیاوی زندگی میں تمام انسانوں کے لئے اس کا وجود نعمت پروردگار ہے اور اس کو تذکرہ قرار دیا تاکہ اس کو دیکھ کر آخرت کی آگ سے بچیں۔

فَلَا اُقْسِمُ:۔ اس جگہ حرف نفی لا زائدہ ہے اور معنی ثبت ہے یعنی ستاروں کے اُترنے[1] کے مقامات کی قسم اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ نجوم کا معنی ہے اقساط اور چونکہ قرآن مجید بالاقساط نازل ہوا ہے۔ لہذا[2] قرآن کے قسط وار نازل ہونے کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ اور تفسیر برہان میں نفقہ سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام[3] نے فرمایا کہ ائمہ بررہ کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ گویا ائمہ حق کو نجوم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اسی قسم کو قسم عظیم قرار دیا گیا ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ لا نافیہ ہے۔ اور کفار کے اس قول کا جواب ہے کہ انہوں نے کہا تھا یہ قرآن جادو ہے یا اشعار کا مجموعہ ہے پس خدا نے فرمایا ایسا نہیں پھر قسم اٹھائی کہ مواقع النجوم[4] کی قسم تحقیق یہ قرآن کریم ہے جو کتاب مکنون (پوشیدہ) میں ہے یعنی لوح محفوظ میں ہے۔

لَا یَمَسُّہٗ۔ یا تو خبر ہے کہ اس کو مس نہیں کرتے مگر وہ جو مطہر یعنی پاک و پاکیزہ ہیں۔ اور اس سے مراد[1] ملائکہ ہیں۔ اور

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ

جھٹلاتے ہو　تو کیوں نہیں جب یہ روح حلقوم تک پہنچ جاتی ہے　اور تم لوگ اس وقت دیکھ رہے

تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ہوتے ہو　اور ہم تمہاری بہ نسبت اس کے زیادہ قریب ہیں　لیکن تم نہیں دیکھتے

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مَس کرنا کنایہ ہو علم سے یعنی اس کا حقیقی علم کسی کو حاصل نہیں[2] مگر ان لوگوں کو جن کو صفت طہارت سے آراستہ کیا جا چکا ہے۔ اور اگر اس کو انشاء کے معنی میں قرار دیا جائے تو اس سے اس فقہی مسئلہ کا استدلال کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی کتابت کو نجس آدمی نہیں چھو سکتا۔ پس بلاوضو قرآن کے حروف کو[3] ہاتھ لگانا یا چھونا حرام ہے۔ اور مقدمہ تفسیر میں اس کی قدرے وضاحت کی جا چکی ہے۔

مُدْهِنُوْنَ ۔ دھن کا معنی تکذیب ہے یا یہ کہ سامنے اقرار اور پھر انکار جس کا دوسرا نام منافقت ہے۔

رِزْقَكُمْ ۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک سفر میں سخت پیاس کا غلبہ ہوا۔ تو حضورؐ نے دعا مانگی پس بارانِ رحمت کا نزول ہوا۔ اور جب لوگ سیراب ہو چکے تو پروردگار کا شکر ادا کرنے کے بجائے بعض لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ فلاں فلاں ستارے کی برکت سے بارش نازل ہوئی ہے۔ پس اُن کی سرزنش کے لئے ارشاد فرما رہا ہے کہ قرآن مجید میں سے تمہارا حصہ یہ ہے کہ تم اس کی تکذیب کرتے ہو یا یہ کہ رزق کا مضاف محذوف ہے۔ یعنی رزق کا شکر تم نے یہ قرار دیا ہے کہ اس کی نعمت کو جھٹلاتے ہو۔ اور اس کے غیر کی طرف نسبت دیتے ہو۔

اَلْحُلْقُوْم ۔ اس کا معنی ہے حلق یعنی جب تم میں سے کسی مرنے والے کی سانس حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم سب دیکھ رہے ہوتے ہو تو کسی کی مجال نہیں کہ اس کی سانس کو واپس پلٹا سکے پس تمہیں ہماری قدرت کا انکار نہیں کرنا چاہیئے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ ۔ ہم اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ یعنی قابض الارواح فرشتے اس کے قریب ہوتے ہیں جو ہمارے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں۔

فَلَوْلَا ۔ یہ تہدید اور تنبیہ ہے کہ اگر تم لوگ بزعم خود جزا و سزا کے پابند نہیں ہو۔ اور یہ کہ تم نے قیامت میں جوابدہی کے لئے پیش نہیں ہونا تو اس مرنے والے کو واپس کیوں نہیں پلٹا لیتے؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تم اس معاملے میں مجبور ہو۔ پس یقین کر لو کہ جس طرح مرنے والے کی موت کو تم نہیں ٹال سکتے۔ اسی طرح قیامت کے دن جب وہ تم کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے دربار میں بلائے گا تو اس کے فیصلے کو ٹالنا تمہارے بس میں نہیں ہوگا۔ لہٰذا انکار کو چھوڑ دو اور اس کی قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کر لو۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب انسان کا سانس حلقوم تک پہنچتا ہے تو مومن

فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾

پس ایسا کیوں نہیں کہ اگر تمہاری کوئی جزا یا سزا نہیں تو اس کو واپس پلٹا لیتے اگر تم سچے ہو

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ (1)

پس اگر وہ (مرنے والا) مقربین سے ہوگا تو راحت اور عیش اور نعمت کے باغ میں

نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ

ہوگا اور اگر وہ اصحاب الیمین میں سے ہوگا پس سلام ہو (2)

لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ

تجھے (اے وہ جو) اصحاب الیمین میں سے ہے لیکن اگر وہ (متوفی) جھٹلانے والے گمراہوں میں (3)

الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾

سے ہوگا تو اس کا ٹھکانا کھولتے ہوئے پانی میں اور دوزخ کی آگ کی گرمی میں ہوگا

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾ ع

تحقیق یہ خبر حق الیقین ہے پس اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کرو جو عظیم ہے

کو اپنا جنت کا مکان نظر آنے لگتا ہے تو وہ خواہش کرتا ہے کہ مجھے واپس پلٹایا جائے تاکہ اپنے گھر والوں کو خوشخبری دے سکوں لیکن اس کو یہ مہلت نہیں دی جاتی۔

اَلْمُقَرَّبِيْنَ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب مومن مرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے قبر تک اس کی تشییع کرتے ہیں پس جب قبر میں اس کو داخل کیا جاتا ہے تو منکر و نکیر اس کے پاس پہنچ کر اس کو سیدھا بٹھا کر اس سے رب دین اور نبی کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ میرا دین اسلام ہے اور میرا نبی محمدؐ ہے۔ پس اس کی قبر میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور جنت کا رزق اس کو پہنچا دیا جاتا ہے اور قرآن مجید میں اسی کا بیان ہے کہ اگر مقربین میں سے ہوگا تو روح اور ریحان اس کو نصیب ہوگا۔ یعنی قبر میں اور جنت نعیم اس کو ملے گی یعنی آخرت میں۔

اَصْحَابَ الْيَمِيْنِ۔ تفسیر برہان میں ہے ایک دفعہ حضرت نبی علیہ السلام نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا کہ ابتدائے خلق میں خداوند کریم نے تیرے متعلق حجت قائم کی تھی چنانچہ فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

سب نے کہا تھا کہ ہاں۔ بے شک تو ہمارا رب ہے۔ پھر پوچھا کہ کیا محمدؐ میرا رسول ہے؟ تو سب نے کہا تھا کہ ہاں وہ تیرا رسول ہے۔ پھر فرمایا کہ علی امیرالمومنین ہے؟ تو تکبر و سرکشی کی بنا پر اکثر لوگوں نے انکار کر دیا تھا صرف تھوڑے ارواح نے تسلیم کر لیا تھا۔ اور ۷۰
وہی اصحاب الیمین ہیں۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے کہ اصحاب الیمین سے مراد ہمارے شیعہ اور محبّ ہیں۔

فَسَلٰمٌ لَّکَ ۔ اس کے معنی میں تین اقوال ہیں (۱) اصحاب الیمین کے بارے میں تجھ پر سلامتی ہے کہ ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ (۲) اصحاب الیمین کی جانب سے تجھ پر سلام کیا جائے گا۔ (۳) تم پر سلام ہو اے وہ لوگ جو اصحاب الیمین میں سے قرار دئے گئے ہو۔

تفسیر برہان میں امام محمّد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ مقربین سے مراد حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام اور باقی ائمہ طاہرین علیہم السّلام ہیں۔

اَلضَّآلِّیْن ۔ تفسیر برہان کی سابقہ روایت میں ہے کہ جب کافر مرتا ہے تو زبانیہ فرشتوں میں سے ستّر ہزار اس کی قبر تک جاتے ہیں اور وہ اس قدر چیختا اور چلاّتا ہے کہ جنّ و انسان کے علاوہ تمام مخلوق اس کی آواز سنتی ہے وہ کہتا ہے ہائے مجھے ایکدفعہ واپس پلٹایا جاتا تاکہ میں مومن ہو کر مرتا اور زبانیہ فرشتے اس کو ڈانٹ کر کہتے ہیں چپ رہو۔ یہ بات اب ہرگز نہ ہوگی۔ جب اس کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے اور لوگ واپس چلے جاتے ہیں تو منکر و نکیر سخت ڈراؤنی شکل میں نمودار ہوتے ہیں اور اس سے رب۔ دین اور نبی کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ پس اس کی زبان میں ہچکچاہٹ پیدا ہوتی ہے تو اس کو جہنّم کے تازیانوں سے سزا دیتے ہیں، پھر وہ سوال کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا پس اس پر جہنّم کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ پس حمیم کا نزول قبر میں اور جہنّم کا داخلہ ان کے لئے بروز محشر ہوگا۔

سورہ الحدید

یہ سورہ مدنیہ ہے۔
اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر تیس ہے۔
نبی کریمؐ سے مروی ہے جو شخص سورہ حدید کی تلاوت کرتا رہے اُس کا شمار مومنوں میں سے ہوگا۔
امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص ہر رات سونے سے پہلے تمام ان سورتوں کی تلاوت کرے جن کی ابتدا تسبیح سے ہے۔ تو اس وقت تک نہ مرے گا جب تک کہ امام آلِ محمدؐ کی زیارت نہ کرلے اور مرنے کے بعد اس کو رسول اللہ کا پڑوس نصیب ہوگا۔
امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمیشہ نماز فریضہ میں سورہ حدید اور سورہ مجادلہ کو پڑھتا رہے اُس کو خدا کسی دنیاوی عذاب میں مبتلا نہ کرے گا۔ اور اپنے نفس اور اہل میں کبھی بُرائی نہ دیکھے گا نیز اس کے بدن میں بھی کوئی کمزوری لاحق نہ ہوگی۔
خواص القرآن سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص سورہ حدید کی تلاوت کرے اللہ ضرور اس کو اپنے عذاب سے امن میں رکھے گا اور جنت میں اس پر نعمات نازل کرے گا اور قیدی انسان اگر اس کی تلاوت باقاعدگی سے کرے تو اس کو رہائی نصیب ہوگی خواہ اس کا جرم کس قدر ہی سنگین کیوں نہ ہو۔
آپؐ نے فرمایا جو شخص اس کو لکھ کر اپنے گلے میں لٹکائے تو دورانِ جنگ میں کوئی تیر یا لوہے کا آلہ اس پر کارگر نہ ہوسکے گا نیز لڑائی میں اس کا دل مضبوط رہے گا اور جس جگہ لوہا چبھ جائے تو سورہ حدید کے پڑھنے سے وہ بلا تکلیف نکل آئے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ② لَہٗ

تسبیح کرتا ہے اللہ کی جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اسی کا ہے

مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ۚ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ③

ملک آسمانوں اور زمین کا وہ جلاتا اور مارتا ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

ہُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاہِرُ وَالۡبَاطِنُ ۚ وَہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ④

وہ اول ہے آخر ہے ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔

رکوع ۱۷

سَبَّحَ لِلّٰہِ ۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں جو مخلوق ہے خواہ ذوی العقول سے ہو یا غیر ذوی العقول سے ہو سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ پس ذوی العقول مثلاً انسان جن اور ملائکہ ان کی تسبیح زبان و اعتقاد و اعمال سے ہوتی ہے۔ اور غیر ذوی العقول کی تسبیح یہ ہے کہ ان کی موجودہ حالت ان کی نشوونما اور ان کی تربیت و تنظیم اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایک خالق مدبّر ہے جس نے تمام موجودات کو زیور تخلیق سے آراستہ فرمایا اور وہ جمیع صفات کمال کا جامع اور وہی تسبیح و تحمید کا واحد سزاوار ہے۔ گویا ذوی العقول کی تسبیح تکوینی بھی ہے۔ اور تشریعی بھی لیکن غیر ذوی العقول کی تسبیح صرف تکوینی ہے۔ اور اس لحاظ سے کفار و مشرکین بھی تکوین کے لحاظ سے تسبیح پروردگار میں داخل ہیں۔

ہُوَ الۡاَوَّلُ ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر شی میں ہلاکت تغیر اور زوال موجود ہے۔ اور وہ ایک رنگ سے دوسرا رنگ ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔ اسی طرح کمی سے زیادتی اور زیادتی سے کمی کی طرف بھی وہ متحرک ہوتے ہیں لیکن رب العلمین ان تغیرات سے بالاتر اور منزّہ و مبرا ہے پس وہ ہر چیز سے اوّل اور سب سے آخر ہے اس کے صفات و حالات میں تغیر نہیں اور نہ اس کے نام بدلتے ہیں مثلاً انسان میں تغیرات کی بدولت نام بدلتے رہتے ہیں۔ کسی وقت میں مٹی کسی وقت خون کسی وقت گوشت اور کسی وقت میت وغیرہ کے ناموں سے اس کو موسوم کیا جاتا ہے یا کھجور یا پھل دیکھئے پہلے بلح (بور) پھر بُسر (سرخ یا زرد) پھر تمر (خرما)، پس ان کے صفات اور نام بدلتے ہیں لیکن خدا عزّ و جل ان تبدیلیوں سے پاک و منزّہ ہے۔

امام رضا علیہ السّلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ خدا کے ظاہر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کسی کے اوپر سوار یا مسلّط ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ تمام پر قاہر و غالب ہے اور اس کی قدرت تمام چیزوں پر حاوی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ توحید

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی

وہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر تخت حکومت پر

کے متلاشیوں کے لئے خدا ہر جگہ ظاہر ہے کیونکہ وہ جہاں دیکھتا ہے وہاں خدا کی تدبیر و تقدیر کے مظاہر موجود ہیں۔ اور ہر جگہ خدا کی صنعت کے آثار ظاہر و آشکار ہیں۔ لہٰذا وہ کونسی چیز ہے جو اللہ سے زیادہ ظہور رکھتی ہے اور مخلوق میں سے جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ اپنی حدود معلومہ کے لحاظ سے حواس کے سامنے آتی ہے اور اللہ کا ظاہر ہونا یہ ہے کہ اس کی قدرت و حکمت ہر چیز سے ظاہر و عیاں ہے۔ پس لفظ ایک ہے جس کا خالق اور مخلوق دونو پر اطلاق ہوتا ہے لیکن معنی الگ الگ ہے۔ اسی طرح اس کے باطن ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ تمام اشیاء کے حقائق و بواطن کو جانتا ہے اور ہم میں باطن وہ ہوتا ہے جو کسی شے کے اندر ہو پس لفظ ایک ہے جو خالق و مخلوق دونو پر اطلاق کیا جا سکتا ہے لیکن معانی الگ الگ ہیں۔

حضرت علیؑ کا سورج سے مکالمہ

تفسیر برہان میں جابر سے منقول ہے کہ میری عمار سے ملاقات ہوئی تو اس نے بیان کیا کہ حضورؐ نے صبح کی نماز پڑھائی اور بیٹھ گئے اور کافی لوگ وہاں موجود تھے۔ اتنے میں دن نکل آیا۔ پس حضرت علی علیہ السلام تشریف لائے تو حضورؐ نے کھڑے ہو کر علیؑ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور اپنے پہلو میں ان کو بٹھایا کہ اُن کے زانو آپ کے زانوؤں سے ٹکرا رہے تھے۔ پس آپ نے فرمایا یا علیؑ اٹھ کر سورج سے بات کرو کیونکہ وہ تم سے بات کرے گا۔ لوگ بھی کھڑے ہو گئے کہ دیکھیں سورج کس طرح حضرت علیؑ سے باتیں کرتا ہے۔ بعض تو یہ بھی کہنے لگے کہ حضورؐ خواہ مخواہ اپنے بھائی کی عزت افزائی کرتے ہیں۔ پس علی علیہ السلام نے باہر نکل کر سورج سے خطاب کیا۔ اے سورج کیسے ہو؟ اس نے فوراً جواب دیا۔ خیر سے ہوں! اے برادر رسول۔ اے اول اے آخر اے ظاہر اے باطن۔ اے وہ جو ہر شے کو جاننے والا ہے۔ جب حضرت علیؑ پلٹے تو رسول اللہ نے فرمایا تم بتاؤ گے یا میں خود بتاؤں کہ اس نے کیا کہا ہے۔ حضرت علی نے عرض کی کہ حضور کا فرمانا ہی بہتر ہے تو آپ نے فرمایا کہ سورج کا کہنا کہ تو اوّل ہے اس کا یہ معنی ہے کہ تو سابق الایمان ہے اور اس کا یہ کہنا، تو آخر ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تو سب سے آخر میرے غسل وغیرہ کے وقت موجود ہوگا۔ اور ظاہر کا معنی یہ ہے کہ میرے پوشیدہ رازوں پر مطلع ہوگا اور باطن کا معنی یہ ہے کہ تو میرے علم کا صحیح وارث ہوگا۔ اور ہر شے کے علم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خداوندکریم کے نازل کردہ جملہ حلال و حرام فرائض و احکام تاویل و تنزیل۔ ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کا تو عالم ہے وَلَوْلَا اَنْ تَقُوْلَ طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ مَا قَالَتِ النَّصَارٰی فِیْ عِیْسٰی لَقُلْتُ فِیْکَ مَقَالًا لَا تَمُرُّ بِمَلَاءٍ اِلَّا اَخَذُوا التُّرَابَ مِنْ تَحْتِ قَدَمَیْکَ یَسْتَشْفُوْنَ بِہٖ۔ یعنی اگر مجھے اپنی اُمت کے ایک گروہ کے متعلق یہ ڈر نہ ہوتا کہ تجھے وہ کچھ کہہ دیں گے جو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے متعلق کہہ دیا تو میں تیرے متعلق ایسی بات کہتا کہ تو کسی بھی جماعت کے پاس سے گذرتا تو وہ تیرے قدموں کی خاک کو باعث شفا سمجھ کر ذخیرہ کرتے۔ پس عمار ابھی بات کہہ چکے تھے کہ حضرت سلمان آگئے تو عمار نے کہا کہ سلمان بھی اس موقعہ پر موجود تھا چنانچہ حضرت سلمان نے بھی عمار کی طرح اپنی حدیث من وعن بیان کر دی۔

الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ

متمکن ہوا وہ جانتا ہے جو کچھ داخل ہوتا ہے زمین میں اور جو کچھ نکلتا ہے اس سے اور جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے

وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۖ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٥﴾

اور جو کچھ اس کی طرف بلند ہوتا ہے اور وہ تمہارے ہمراہ ہے تم جہاں بھی ہو اور اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو

لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٦﴾ يُولِجُ اللَّيْلَ

آسمانوں اور زمین کا ملک اسی کا ہی ہے اور اللہ کی طرف امور کی بازگشت ہے داخل کرتا ہے

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے ایک دن حضرت رسالت مآبؐ حضرت علیؑ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے ابھی تک حضرت علی علیہ السلام نے نماز عصر ادا نہیں کی تھی۔ جب حضورؐ بیدار ہوئے تو سورج غروب کر چکا تھا تو حضرت علیؑ نے اپنی نماز کا ذکر کیا پس آپ نے دعا کی اور سورج کو خدا نے واپس پلٹایا۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا یا علی اٹھو اور سورج سے بات کرو، کیونکہ وہ تجھ سے بات کرے گا۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے بارشاد نبوی سورج سے خطاب کیا کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلْقَ اللّٰهِ۔ یعنی اے مخلوق خدا تجھ پر میرا سلام ہو تو سورج نے جواب دیا وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا أَوَّلُ يَا آخِرُ يَا ظَاهِرُ يَا بَاطِنُ يَا مَنْ يُنْجِي مُحِبِّيهِ وَيُوثِقُ مُبْغِضِيهِ۔ یعنی تجھ پر سلام ہو اے اول اے آخر اے ظاہر اے باطن اے وہ جو دوستوں کو نجات دے گا اور دشمنوں کو قید کرے گا۔ پس رسول اللہؐ نے فرمایا کہ سورج نے سچ کہا اور اللہ کے امر سے ہی اس نے بات کی پس تو اول ہے یعنی سب سے پہلے ایمان و تصدیق میں سبقت کرنے والا ہے اور تو آخر الوصیین ہے کہ جس طرح میرے بعد نبی کوئی نہیں ہوگا۔ تیرے بعد وصی کوئی نہیں ہوگا (وصی بلا فصل) اور تو ظاہر ہے یعنی دشمنانِ اسلام پر غالب ہے اور تو باطن ہے یعنی تو عالم ہے کہ میرے علم کا جامع اور وحی پروردگار کا خزانہ ہے۔ تیری اولاد اولادوں میں سے بہتر اور تیرے شیعہ ہی بروز قیامت نجیب و شریف ہوں گے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ۔ آیت مجیدہ میں خالق کی توحید کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ہی نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں کے اندر پیدا کیا ہے اور اس تخلیقی کارنامے میں اس کا کوئی بھی شریک و سہیم نہیں ہے اور نہ اس نے اس تخلیق میں کسی کو اپنا نائب و مختار قرار دیا ہے اور چھ دنوں میں پیدا کرنے کا مقصد صرف تدریجی طریقہ کار کے اظہار کے لئے ہے کہ اگر وہ چاہے تو دفعۃً سب کو پیدا کر سکتا ہے لیکن اس کی حکمت شاملہ کا تقاضا یہ ہے کہ اسباب و ذرائع کے ماتحت درجہ بدرجہ مخلوق پیدا ہو۔ جس طرح انسانی بچہ کی پیدائش نو ماہ میں تدریجاً مکمل ہوتی ہے۔ اور آسمانوں و زمین کی چھ دنوں میں پیدائش کی وضاحت تفسیر کی جلد ۶ ص۲۵ ج ص ۱۹۶

اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ اس کی تفسیر ج ۹ ص ۱۶۶ ج ص ۴۲ پر گذر چکی ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ۔ اس کی وضاحت تفسیر کی جلد ۱۱ ص ۲۲۴ پر گذر چکی ہے۔

فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑦

رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور وہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ

ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس مال سے جس کا تم کو اس نے وارث بنایا

فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ⑧ وَمَا لَكُمْ

پس جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے خرچ کیا ان کے لئے بڑا اجر ہے اور تمہیں کیا ہو گیا

لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۙ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ

ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور رسول تم کو بلاتا ہے تاکہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ درحالیکہ

أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ⑨ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ

اس نے تم سے عہد لیا ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو وہ وہ ہے جو اتارتا ہے

عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ

اپنے بندے پر واضح نشانیاں تاکہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لائے

يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ :- اس کی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۲۱۳ پر گزر چکی ہے۔

مُسْتَخْلَفِينَ :- راہِ خدا میں خرچ کرنے پر ترغیب دی گئی ہے کہ جس طرح کسی اور نے کمایا اور تم اس کے وارث بن گئے اگر تم اس کو صحیح خرچ نہ کرو گے تو یاد رکھو کہ تم بھی چھوڑ کر چلے جاؤ گے اور کوئی اور اس کا وارث بن جائے گا۔ لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو راہِ خدا میں خرچ کرو اور خوشنودیٔ خدا کا پروانہ حاصل کرو۔

مِيثَاقَكُمْ :- اس میثاق سے مراد یہ ہے کہ اس نے تم کو سوچنے سمجھنے کے لئے عقل و دانش کی دولت سے مالا مال کیا۔ اور انفس و آفاق میں عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے اسباب مہیا فرمائے۔ اور یہ ایک طرح کا ضمنی عہد ہے کہ تم شکر کے طور پر اس کی فرمائشات پر عمل کرو۔

مِنَ الظُّلُمَاتِ :- اس جگہ ظلمت سے مراد کفر و شرک اور نور سے مراد ایمان و عرفان ہے۔

لِلَّهِ مِيرَاثُ :- راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے کہ آخر کار سب مال کا مالک اللہ ہی ہے لہٰذا تم خرچ کرنے میں بخل کیوں کرتے ہو۔

وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ⑩ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي

اور تحقیق اللہ تم پر بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے		اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نہیں خرچ کرتے

سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنكُم

اللہ کی راہ میں حالانکہ اللہ کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی		تم میں برابر نہیں جنہوں

مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ

نے خرچ کیا فتح (مکہ) سے پہلے اور جہاد کیا		ان لوگوں کا درجہ بلند ہے اُن سے جنہوں

الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ

نے خرچ کیا بعد میں اور جہاد کیا		اور ہر ایک کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ثواب کا

قَبْلَ الْفَتْحِ ۔ چونکہ فتح مکہ سے مسلمانوں کی ضروریات اور اسلامی سلطنت کے واجبی مصارف کے پیش نظر لوگوں کے مالی ایثار وامداد کی زیادہ ضرورت تھی۔ نیز گردونواح کی غیر مسلم طاقتوں کے فوجی منظم وغیر منظم حملوں کے دفاع کے پیش نظر اسلامی فوج کے لئے لڑاکا قسم کے جوانوں کی بھی غیر معمولی ضرورت تھی۔ لہٰذا اس اہمیت اور وقتی ضرورت کے پیش نظر فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اپنی جانی و مالی قربانیاں پیش کیں وہ بدرجہا اُن سے افضل و برتر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد یہ قربانیاں دیں۔ اگرچہ کار خیر ہونے میں دونو قسم کے لوگ اللہ کے نزدیک ثواب کے حقدار ہیں۔ اور اللہ نے سب کے ساتھ جزاو ثواب کا وعدہ فرمایا ہے لیکن درجات میں ضرور فرق ہوگا۔ اور جزائے خیر میں یہ بھی ضروری ہے کہ جن جن لوگوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جانب سے بیش بہا قربانیاں پیش کیں وہ جزائے خیر کے اُس وقت مستحق ہوں گے جب کہ ان کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوگا۔ اور تفسیر برہان میں ہے حضرت امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کرنے کے بعد دربار معاویہ میں ایک لمبا خطبہ پڑھا جس میں ارشاد فرمایا کہ تمام مسلمانوں میں سے میرے والد نامدار کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ایمان کی طرف سبقت کرنیوالوں میں سے سابق ترین ہیں۔ پس آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ میرے والد بزرگوار ہی اسلام و ایمان میں سابق اور ہجرت میں اول اور راہِ خدا میں خرچ کرنے میں پیشتر ہیں اس کے بعد آپ نے قرآن مجید سے متعدد آیات پیش فرمائیں جن میں حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت روز روشن کی طرح واضح تھی۔

رکوع ۱۸

قَرْضًا حَسَنًا ۔ روایاتِ آئمہ میں جو تواتر کی حد تک پہنچتی ہیں اُن میں ہے کہ اس جگہ قرض حسن سے مراد امام وقت کی بارگاہ میں ہدیہ وغیرہ پیش کرنا ہے۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک درہم جو امام کی خدمت میں بطور صلہ و ہدیہ کے پیش کیا جائے وہ ان لاکھ درہموں سے افضل ہے جو باقی اُمورِ خیر

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١١﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا

اور اللہ آگاہ ہے اس سے جو تم عمل کرتے ہو کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرض

حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١٢﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ

حسن پس اس کو ● بڑھائے گا اس کے لئے اور اس کا بہترین بدلہ ہوگا جس دن تو دیکھے گا مومنوں اور

وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ

مومنات کو کہ ان کا نور دوڑ رہا ہوگا ان کے سامنے اور ان کے دائیں (فرشتے کہیں گے) تمہیں آج مبارک ہو

الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ

وہ باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں کہ تم ان میں ہمیشہ رہو گے یہ بڑی

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٣﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ

کامیابی ہے جس دن کہیں گے منافق مرد و عورتیں مومنوں

میں خرچ کئے جائیں۔

قرض حسن کے شرائط روایات میں ہے کہ صدقہ کا ثواب دس گنا اور قرض حسن کا ثواب اٹھارہ گنا ہوا کرتا ہے۔ اور قرض حسن کی اہلِ تحقیق نے یہ شرائط بیان کی ہیں (۱) قرض مالِ حلال سے ہو (۲) عمدہ مال سے قرض دے نہ کہ ردی اور خراب مال سے (۳) بحالتِ صحت و تندرستی دے جب کہ مال کی خود بھی حاجت رکھتا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ جب سانس حلقوم تک پہنچ جائے اور مال کی ضرورت سے بے نیاز ہو جائے اور کہے کہ فلاں کو اتنا دے دو۔ اور فلاں کو اس قدر دے دو (۴) ایسے شخص کو دے جو زیادہ سے زیادہ حاجت مند ہو (۵) دینے کے بعد اس کو پوشیدہ رکھے اور ہر ایک کو نہ بتاتا رہے (۶) دینے کے بعد بار بار احسان نہ جتلاتا رہے (۷) اللہ کی خوشنودی کے لئے دے (۸) ریاء و شہرت کی غرض نہ رکھتا ہو (۹) جس قدر دے اس کو حقیر اور قلیل سمجھے (۱۰) اپنے پیارے مال سے دے۔

نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ۔ یعنی جب پل صراط کے عبور کرنے کا وقت ہوگا تو مومنوں کو اپنے اپنے اعمال و مراتب کے لحاظ سے نور عطا ہوگا بعض وہ ہوں گے کہ اُن کے سامنے دُور دراز تک نور ہی نور ہوگا۔ اور بعض وہ بھی ہوں گے کہ اُن کے لئے صرف قدموں کی جگہ تک نور محدود ہوگا اور بعض ایسے ہوں گے کہ ان کے قدموں کے انگوٹھوں میں نور ہوگا کہ کبھی روشن ہوگا اور کسی وقت بجھ جائے گا اور وہ سب اس خوشخبری میں شریک ہوں گے کہ فرشتے ان کو مبارک باد دیں گے۔ اور وہ حسبِ مراتب اپنے اپنے نور کی روشنی میں جلدی یا بدیر پلصراط عبور کر کے جنت میں جا پہنچیں گے۔

اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا

کو کہ ہمارا انتظار کرو تاکہ ہم تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں جواب دیا جائے گا پیچھے ہٹ جاؤ پس نور تلاش

نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ

کرو پس ان کے درمیان ایک حد قائم کی جائے گی جس کا دروازہ ہوگا جس کے اندر رحمت ہو گی اور

ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۴﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ

باہر کی طرف عذاب ہوگا (باہر والے اندر والوں کو) پکاریں گے کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں تھے

قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَ

تو وہ جواب دینگے کہ ہاں لیکن تم نے اپنے نفسوں کو فتنے میں ڈالا اور تم بانیٔ اسلام اور مسلمانوں کی ہلاکت کی تاڑ میں رہے اور شک کرتے رہے

تفسیر برہان میں ہے۔ جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتا ہے کہ حضرت نبی کریمؐ نے حضرت علیؑ سے خطاب کر کے فرمایا کہ اللہ نے تیرے شیعوں اور محبوں کو سات چیزیں عطا فرمائی ہیں (۱) موت کے وقت نرمی (۲) وحشت کے وقت اُنس (۳) ظلمت کے وقت روشنی (۴) گھبراہٹ کے وقت اطمینان (۵) میزان کے وقت کامیابی (۶) پلصراط سے گذرنے کا جواز (۷) باقی لوگوں سے پہلے جنت میں داخلہ کہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا۔ اور دائیں طرف نور کا مقصد یہ ہے کہ اُن کا اعمال نامہ جو اُن کے دائیں ہاتھ میں ہوگا اُس سے بھی نُور کی شعائیں پھوٹ رہی ہوں گی۔

تفسیر برہان میں ہے ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے صحابہ کے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ تم میں سے جس شخص کی کوئی فضیلت ہے میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میرا اس میں حصّہ ہے لیکن میری ستّر ایسی خصوصیات ہیں کہ ان میں میرا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ مجھے پیغمبر نے فرمایا کہ بروز محشر میری اُمت پانچ جھنڈوں کے نیچے پیش ہوگی۔ اور پانچواں جھنڈا تیرا ہوگا۔ اور تو ان کا امام ہوگا۔ پس ان کے درمیان سُور یعنی حد قائم کی جائیگی جن کے باطن میں رحمت ہوگی۔ اور وہاں میرے شیعہ ہوں گے۔ اور باہر کی طرف جہاں عذاب ہوگا وہاں دوسرے جھنڈوں والے ہوں گے۔ اور دوسری روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ جب بروز محشر مومنوں اور کافروں کے درمیان سُور (حد) قائم کی جائے گی جس کے باطن میں اللہ کی رحمت اور نور ہوگا اور وہاں ہمارے شیعہ ہوں گے۔ اور اس کے ظاہر کی طرف ظلمت اور عذاب ہوگا۔ اور وہاں ہمارے دشمن کافر و منافق ہوں گے تو وہ عذاب سے گھبرا کر پُرانی دوستیاں اور رواداریاں یاد دلائیں گے کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں تو مومن ان کو جواب دیں گے کہ تم گمراہ ہو گئے تھے اور حق میں تم کو شک تھا اور تم کو خواہشاتِ نفسانیہ نے دھوکے میں رکھا تھا لہٰذا اب پیچھے ہٹ جاؤ۔

غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۵﴾

اور تم کو خواہشات نے دھوکا دیا یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آگیا اور تم کو شیطان نے اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھا

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ

پس نہ لیا جائے گا تم سے فدیہ اور نہ ان لوگوں سے جو کافر ہیں تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے

هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ

وہی تمہارے لائق ہے اور وہ بری بازگشت ہے کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل

قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں اور اس کے لئے جو اللہ نے نازل کیا حق (قرآن) سے اور نہ ہوں ان لوگوں کی طرح جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَ

کتاب دی گئی اس سے پہلے پس ان کی مدت لمبی ہوگئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب قبروں سے نکلیں گے تو مومنوں کو حسب مراتب نور عطا ہوگا۔ اور کافر اس سے محروم ہوں گے۔ پس اس ظلمت میں مومن اپنے نور کی روشنی میں چلیں گے۔ اور کفار مومنوں کے نور کی روشنی کے سہارے پر رواں ہوں گے۔ لیکن ان کو الگ الگ کیا جائے گا۔ اور مومن آگے بڑھ جائیں گے تو کفار پر تاریکی چھا جائے گی۔ اور مومنوں کو آوازیں دے کر کہیں گے کہ ٹھہرو تاکہ ہم بھی تمہارے انوار سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک دفعہ تو ظلمت عام ہو جائے گی کہ کسی کو کچھ نظر نہ آسکے گا لیکن پھر مومنوں کو نور عطا ہوگا۔ اور کافر محروم رہیں گے۔ اور مومن کافروں کو کہیں گے کہ اب واپس دنیا میں جا کر نور حاصل کرو۔ کیونکہ یہ نور جو ہم کو عطا ہوا ہے یہ ہمارے ایمان و اعمال کا نور ہے جس سے تمہیں کچھ نہیں مل سکتا۔

بِسُوْرٍ۔ اس سور سے مراد جنت اور دوزخ کی درمیانی دیوار ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ۔ مروی ہے کہ بعض مسلمان ہجرت سے پہلے مکہ میں نہایت مشکل سے بسر اوقات کرتے تھے۔ اور کافی تکالیف و مصائب کا سامنا بھی ان کو کرنا پڑتا تھا لیکن اطاعت خدا و رسول میں وہ ہر مشکل سے مشکل اور کٹھن سے کٹھن مرحلہ میں داخل ہوتے نہ گھبراتے تھے لیکن جب مدینہ میں ہجرت کر کے آگئے اور یہاں ان کو ہر طرح سے آسودگی میسر آئی تو عملی پہلو میں کچھ کوتاہی ان سے سرزد ہونے لگی۔ پس اعمال صالحہ میں سستی کرنے والوں کو سرزنش کے طور پر یہ خطاب کیا گیا ہے کہ تم اہل کتاب کی طرح نہ ہو جاؤ کہ مدت کے طولانی ہو جانے کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے اور وہ فسق و فجور کی وادی میں اتر گئے

كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں جانو تحقیق اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو مرنے کے بعد

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ

تحقیق ہم نے بیان کردیں تمہارے لئے نشانیاں تاکہ تم سمجھو تحقیق صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں

وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۹﴾

اور جنہوں نے قرض دیا اللہ کو قرض حسن ان کا اجر کئی گنا ہوگا اور ان کا بہترین بدلہ ہوگا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے وہی لوگ ہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

ان کے لئے ان کا اجر و نور ہوگا اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری

حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے فرمایا اللہ کے ذکر کے علاوہ کلام زیادہ نہ کرو۔ ورنہ دل سخت ہوجائے گا اور سخت دل اللہ سے دُور ہوا کرتا ہے۔ اور سرداروں کی طرح لوگوں کے عیوب پر نگاہ نہ رکھو بلکہ غلاموں کی طرح اپنی غلطیوں کا نوٹس لیتے رہو۔ لوگ دو قسموں سے خالی نہیں یا تندرست ہوں گے یا بیمار۔ پس بیماروں کے لئے تندرستی کی دعا کیا کرو۔ اور اپنی تندرستی پر خدا کا حمد بجالایا کرو۔

يُحْيِ الْاَرْضَ :۔ یعنی خشک سالی کے بعد آبادی نصیب کرتا ہے یا جس طرح کافر کو کفر کے بعد ہدایت اور گنہگار کو گناہ کے بعد توبہ کی توفیق دے دے۔

اَلْمُصَّدِّقِيْنَ ۔ اس میں دو قرأتیں ہیں۔ ایک میں صاد کو تشدید سے پڑھا گیا ہے۔ اور دوسری میں صاد کو بغیر تشدید کے پڑھا گیا ہے۔ پہلی قرأت کے لحاظ سے مصّدّقین دراصل مُتَصَدِّقِين تھا۔ پس قانون صرفی کے ماتحت تا کو صاد سے بدل کر ادغام کیا گیا ہے۔ اور الف و لام موصولہ ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اَلَّذِيْنَ تَصَدَّقُوْا پس اَقْرَضُوْا کا اس پر عطف صحیح ہے کہ جنہوں نے صدقہ دیا اور اللہ کو قرض حسن دیا اور دوسری قرأت کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے تصدیق کی اور سابق کی طرح الف و لام موصولہ ہوگا۔ یعنی اَلَّذِيْنَ صَدَّقُوْا وَاَقْرَضُوْا اور عطف اسی طرح ہوگا۔ جس طرح اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا کا عطف ہوا کرتا ہے۔

مومن شہید ہوتا ہے

وَالشُّهَدَآءُ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کی کہ آپ میرے لئے شہادت کی دُعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ مومن شہید ہوا کرتا ہے۔ اور آپ نے یہی آیت پڑھی۔ امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص امر امامت و ولایت کا عارف ہے اور امامِ زمانہ کا منتظر ہے وہ ایسا ہے جس طرح کہ قائم آلِ محمدؐ کے ہمراہ جہاد میں مصروف ہو بلکہ حضورؐ کے ہمراہ مل کر جہاد کرنے والے جیسا ہے پھر فرمایا بلکہ وہ ایسا ہے جس طرح کہ حضورؐ کے ساتھ مل کر جہاد کرکے درجۂ شہادت پر فائز ہو چکا ہو۔ اور آپ نے پھر یہی آیت پڑھی۔ اور ایسے لوگوں کے لئے فرماتا ہے کہ بروزِ محشر ان کو اجر ملے گا اور ان کو نور ملے گا جس کی روشنی میں چل کر جنت کی طرف جائیں گے۔

تفسیر برہان میں ہے۔ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السّلام اور حضرت امام حسین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ آیت مذکورہ ہمارے اور ہمارے شیعوں کے حق میں ہے۔

متعدد روایات میں وارد ہے کہ حضورؐ نے فرمایا صدیق تین ہیں (۱) حبیب نجار مومن آل یسین (۲) حزقیل مومن آلِ فرعون (۳) حضرت علی بن ابی طالب علیہ السّلام۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ کے پاس ایکدفعہ محمود نامی فرشتہ نازل ہوا جس کے کندھوں کے درمیان لکھا ہوا تھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ۔ پس حضورؐ نے فرمایا کہ یہ تحریر کب سے ہے تو اُس نے جواب دیا حضرت آدم کی پیدائش سے بارہ ہزار سال پہلے۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کیا تم اس پہ راضی نہیں ہو کہ نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو اور اپنی زبانوں اور ہاتھوں کو ایذا رسانی سے روکے رکھو۔ پس سیدھے جنت میں جاؤ۔ یاد رکھو جن لوگوں نے دنیا میں امام بنا رکھے ہیں۔ قیامت کے روز یہ امام اور مقتدی ایک دُوسرے پر لعنت کریں گے اور تم مزے سے رہو گے اور جو بھی تمہاری طرح یہ معرفت لے کر مریگا۔ وہ جہاد کرنے والے کی طرح شہید ہو کر مرے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ خدا نے ہمیں اور ہمارے شیعوں کو چن لیا جو ہماری خوشی پر خوش ہوتے ہیں۔ اور ہماری غمی میں غمناک ہوتے ہیں۔ اور اپنی جانوں اور مالوں کی ہمارے لئے قربانی پیش کرتے ہیں اور اگر ہمارے کسی شیعہ سے کسی وقت کوئی غلطی بھی سرزد ہو جائے تو اس کو اُس وقت تک موت نہ آئے گی۔ جب تک کہ اس غلطی کی سزا نہ بھگت لے۔ پس وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو گا جو اس کے گناہ کا کفارہ ہو گی خواہ وہ مصیبت اس کے مال میں ہو یا اس کی اولاد میں ہو یا اس کے اپنے جسم میں ہو۔ پس جب وہ اللہ کے دربار میں پیش ہو گا تو اس کے دامن پر کوئی گناہ موجود نہ ہو گا۔ اور اگر کوئی گناہ بچ گیا تو موت کی تلخی اس کا کفارہ ہو جائے گی۔ اور ہمارے شیعوں میں سے مرنے والا صدیق و شہید ہو کر مرتا ہے۔ کیونکہ وہ امر کی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔ اور ہمارے ساتھ محبت اور ہمارے

دشمنوں کے ساتھ بغض صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے کرتا ہے۔ پس وہ اللہ و رسول پر صحیح ایمان رکھنے والا ہوتا ہے۔ اور ان کو خدا نے صدیق و شہید کہا ہے۔ اور آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ زمین پر سکون رکھو۔ مصائب پر صبر کرو۔ اور اپنے ہاتھوں زبانوں اور تلواروں کو بند رکھو اور جلد بازی نہ کرو۔ اور تم میں سے جو بھی خدا و رسول و اہل بیت کی معرفت رکھ کر مرتا ہے۔ وہ شہید مرتا ہے۔ خدا اس کو اس کا اجر دے گا۔ اور اس کی نیت میں جس قدر نیک اعمال کا منصوبہ تھا ان تمام کی اس کو جزا دی جائے گی۔ الخ۔

ایک دفعہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایسے لوگ پیش ہوں گے جن کو نوری منبروں پر جگہ دی جائے گی۔ اور ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ جن پر اولین و آخرین رشک کریں گے اور آپ نے یہ کلام تین مرتبہ دہرائی پھر چپ ہو گئے تو عمر نے پوچھا کہ کیا وہ شہداء ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ بے شک وہ شہدا تو ہوں گے لیکن وہ شہداء نہیں ہوں گے جو تم سمجھتے ہو تو عمر نے کہا کیا وہ انبیاء ہوں گے؟ آپ نے فرمایا انبیاء ہوں گے لیکن انبیاء کا معنی جو تم سمجھتے ہو وہ نہ ہوں گے۔ عمر نے کہا کیا وہ اوصیاء ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا جو اصیاء کا معنی تم سمجھتے ہو وہ نہ ہوں گے تو عمر نے کہا کیا وہ آسمان کے باشندے ہوں گے یا زمین کے ساکن ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ زمین کے باسی ہوں گے۔ پس عمر نے کہا کہ ان کی نشاندہی فرمائیے تو آپ نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ حضرت علی اور ان کے شیعہ ہوں گے۔ اور جو قریشی علی سے بغض رکھے گا وہ کافر ہوگا اور انصار میں سے جو علیؑ سے بغض رکھے گا وہ یہودی ہوگا۔ اور عربوں سے جو علی کا دشمن ہوگا وہ حرامزادہ ہوگا۔ اور باقی لوگوں میں جو آپ کا دشمن ہوگا وہ شقی ہوگا۔ اے عمر! علی سے دشمنی رکھنے کے باوجود جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے

ابن عباس سے منقول ہے کہ علیؑ اس اُمت کا صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہے۔ نیز ابن عباس سے یہ بھی منقول ہے کہ علی، حمزہ اور جعفر طیار اس اُمت کے صدیق ہیں۔ اور یہی اس اُمت کے شہید بمعنی گواہ ہیں جو باقی انبیاء کی نبوتوں کی گواہی دیں گے کہ واقعی انہوں نے تبلیغ امامت کا فریضہ انجام دیا۔

حضرت نبی اکرمؐ سے سوال کیا گیا کہ آیت مذکورہ کس کے حق میں اُتری ہے؟ تو آپ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک لواء نور ظاہر ہوگا اور ایک منادی نداء کرے گا کہ سید الوصیین کہاں ہیں۔ اور ان پر ایمان والے کہاں ہیں؟ پس حضرت علی علیہ السلام کھڑے ہوں گے اور ان کو وہ لواء نور عطا ہوگا اور اس کے سائے میں مہاجر و انصار میں سے سابق لوگ جمع ہوں گے۔ پس حضرت علیؑ ایک نوری منبر پر تشریف فرما ہوں گے اور لوگ ان کے سامنے پیش ہوتے جائیں گے اور ہر ایک کو اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے اجر اور نور عطا ہوتا جائے گا اور سب کو کہا جائے گا کہ جنت میں اپنے مکانات پہچان لو۔ پس حضرت اُٹھیں گے۔ اور جس قدر لوگ ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے سب کو لے کر جنت میں چلے جائیں گے۔ پس منبرِ نور پر بیٹھ کر ہر ایک کو اپنا ٹھکانا اور اپنی منزل کی نشاندہی کریں گے اور جو لوگ کافر و مکذب ہوں گے

بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿٢٠﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا

آیات کو وہ دوزخ میں رہنے والے ہوں گے جان لو بجز اس کے نہیں کہ زندگانی دنیا کھیل

لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ

و تماشا ہے اور زینت و تفاخر باہمی ہے اور مال و اولاد میں کثرت (پہ ناز کرنا) ہے

كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا

جس طرح بارش کہ بھلی معلوم ہوتی ہے کافروں کو اس کی سبزی جو پھر خشک ہوتی ہے پھر تمہیں زرد

ثُمَّ یَكُوْنُ حُطٰمًا ؕ وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ

نظر آتی ہے پھر بھوسہ بن جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہوگا (کافروں کو) اور اللہ کی جانب سے

اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿٢١﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰی

بخشش و رضوان ہوگی (مومنوں کے لئے) اور زندگانی دنیا ناپائدار منفعت کے علاوہ اور کچھ نہیں ایکدوسرے سے بڑھو

ان کو جہنم کی طرف بھیج دیں گے ۔ ملخصاً (برہان)

رکوع ۱۹

لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۔ یعنی جس طرح کھیل وتماشا دنیا میں کچھ وقت کی رونق ہوتا اور پھر ختم ہوجاتا ہے ۔ اسی طرح دنیاوی زندگی بھی ناپائدار چیز ہے لہٰذا اس سے دل لگاکر آخرت کو بھلا دینا دانشمندی نہیں ہے۔

زِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ یعنی جس طرح مال کی زیادتی دنیاوی زینت ہے اور ایک دوسرے پر فخر ومباہات کا ذریعہ ہوتی ہے ۔ اسی طرح اولاد واموال میں زیادتی بھی ایک دوسرے پر برتری کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور یہ سب فانی چیزیں ہیں جس طرح بارش کی آمد سے زمین پر سبزی کی لہر جو نہایت خوشنما ہوتی ہے پھر دیکھتے ہی دیکھتے خشک ہوتی ہے اور آخر کار خس وخاشاک کی طرح پاؤں میں روندے جانے کے قابل بن جاتی ہے ۔ پس آخرت کی فکر ضروری ہے جہاں یا تو عذاب شدید ہوگا ۔ جو کافروں کے لئے ہے اور یا بخشش و رضوان ہوگی جو مومنوں کے لئے ہے پس ایمان وعمل کے ذریعے سے دوزخ سے بچنا ۔ اور جنّت حاصل کرنا عین دانشمندی ہے ۔

مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔ ایک دوسرے سے بڑھنے کی دعوت اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ جنّت میں درجات کم وبیش ہوں گے اور ہر شخص اپنے اعمال کی بنا پر اپنے مناسب درجہ کا حقدار ہوگا پس جس طرح نبیوں میں درجات کا فرق ہے اسی طرح مومنوں کے درجات میں بھی ادنیٰ واعلیٰ کا فرق ہے ۔ پس مومنوں کو اعلیٰ درجات حاصل کرنے کے لئے ایکدوسرے سے سبقت لینے کی پیش کش کی گئی ہے ۔ اور اس آیت میں خداوند کریم نے کسی بھی ایمان رکھنے والے کو جنّت و مغفرت

مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ

اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنّت کی طرف جس کی وسعت آسمانوں و زمین کے برابر ہے جو تیار کی گئی

لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ

ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہ اللہ کا فضل ہے دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔

سے مایوس نہیں فرمایا اور غالباً قرآن مجید کی یہی ایک آیت ہے جس میں بخشش اور جنّت کی پیشکش ایمان والوں کے لئے ہے۔ اور اس کے ساتھ عمل کی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ اور اس کا عطیہ خداوند کریم نے اپنا فضل قرار دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اعمال کے ذریعے سے تو کوئی انسان جنّت میں جا ہی نہیں سکتا کیونکہ انسان جس قدر اعمال صالحہ بجالائے وہ تو اس کے سابق انعامات و احسانات کا بدلہ نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ وہ آئندہ کے لئے اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا جائے۔

تفسیر برہان امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت طویلہ میں ہے کہ ایک مرتبہ نجران کے ایک پادری کو عمر نے اپنے دورِ حکومت میں اسلام کی دعوت دی تو اُس پادری نے سوال کیا کہ تمہاری کتاب قرآن مجید میں ہے کہ جنّت کی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے۔ اگر یہ درست ہے تو مجھے یہ سمجھائیے کہ پھر دوزخ کہاں ہے؟ چنانچہ عمر نے سر جھکا لیا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام بھی حاضر مجلس تھے۔ آپ نے فرمایا کہ پادری کو مسئلہ کا جواب دو۔ تو عمر نے کہا کہ اس کا جواب آپ ہی دے دیں۔ پس آپ نے اس نجرانی پادری سے خطاب کر کے فرمایا کہ تم بتاؤ کہ جب رات آتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے پادری نے کہا مجھے خیال تک نہ تھا کہ کوئی شخص مجھے مطمئن کر سکے گا لیکن آپ نے تو مجھے ایسا جواب دیا ہے کہ اب زبان کشائی کی حاجت نہیں رہی پس وہ حضرت عمر سے دریافت کرنے لگا کہ یہ جوان کون ہے؟ عمر نے کہا یہ علی بن ابی طالب ہے جو رسول اللہ کا داماد و عم زاد ہے وہ سابق الایمان ہے اور حسن و حسین کا باپ ہے۔ پھر پادری نے پوچھا اے عمر: یہ بتاؤ وہ کونسا زمین کا ٹکڑا ہے جس پر صرف ایک دفعہ سورج کی روشنی پڑی تو عمر نے کہا یہ سوال بھی اسی جوان سے کرو جس نے پہلے سوال کا جواب دیا ہے تو حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا یہ اس سمندر کی زمین ہے جس کا پانی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی خاطر پھٹ گیا تھا اور آپ اپنی قوم سمیت اس سے پار ہوئے تھے۔ پھر پادری نے سوال کیا کہ جنّت کے میوہ جات کی دنیا میں کونسی مثال ہے کہ جب وہاں سے میوہ توڑا جائے گا تو اس کی جگہ خالی نہ رہے گی۔ اس کا جواب حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے دیا کہ اس کی مثال قرآن مجید ہے کہ تمام دنیا والے اس سے اپنے مسائل حل کر لیتے ہیں۔ اور اس کے مطالب معانی میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ پھر پادری نے دریافت کیا کہ آسمان کے دروازے ہیں؟ تو عمر نے کہا کہ اسی جوان سے پوچھئے پس حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا واقعی آسمان کے دروازے ہیں تو پادری نے کہا کہ اس کا قفل کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ شرک تو اس نے پوچھا کہ پھر اس کی کنجی کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ اس طرح سوال و جواب کا سلسلہ قائم رہا تو پادری نے پوچھا۔ اے عمر! بتاؤ۔ تمہارا خدا کہاں ہے۔؟ تو

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٢﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ

اور اللہ بڑے فضل والا ہے نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں

حضرت عمر ناراض ہو گئے۔ پس حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں تجھے سمجھاتا ہوں۔ سنو میں ایک دن خدمتِ نبوی میں موجود تھا کہ ایک فرشتہ نے آکر سلام کیا اور اس نے عرض کی میں ساتوں آسمانوں کے اُوپر سے خدا کی جانب سے آیا ہوں۔ پھر دوسرے نے آکر سلام دیا۔ اور حضورؐ کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ میں ساتویں زمین کے نیچے سے اپنے پروردگار کی جانب سے آیا ہوں اس کے بعد تیسرے نے آکر سلام عرض کیا اور آپ کے پُوچھنے پر اُس نے بتایا کہ میں انتہائے مشرق سے اپنے رب کی بارگاہ سے حاضر ہوا ہوں۔ اور پھر چوتھے فرشتے نے سلام کیا اور عرض کی کہ میں انتہائے مغرب سے اپنے خدا کی جانب سے آیا ہوں۔ پس خدا کسی ایک جگہ کا پابند نہیں وہ زمین و آسمان میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہے۔ اور ہر شئی کو جانتا ہے۔ وہ حکیم و علیم ہے اور زمین و آسمان میں سے کوئی شئی بھی اُس پر کسی وقت بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

مَآ اَصَابَ۔ حضرت امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السّلام سے ایک شخص نے زہد کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اس کے دس درجے ہیں۔ اور زہد کا آخری درجہ ورع کا پہلا زینہ ہے۔ اور ورع کا آخری درجہ یقین کا پہلا زینہ ہے۔ اور یقین کا آخری درجہ رضوانِ پروردگار کی پہلی منزل ہے کہ جو کچھ فوت ہو جائے اُس کا اسان نہ کرو اور جو مل جائے اُس پر خوشی کا اظہار نہ کرو

جب اسیرانِ اہلِ بیت کا لٹا ہوا قافلہ دربارِ شام میں پہنچا۔ اُس وقت حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کی گردن میں لوہے کا طوق پڑا ہوا تھا۔ یزید علیہ نے قیدی امام اور قیدی پردہ داروں کو دیکھ کر امام کی طرف خطاب کر کے کہا " اللہ کا شکر ہے جس نے تیرے باپ کو قتل کیا " آپ نے فرمایا۔ اُن پر خدا کی لعنت ہے جنہوں نے بے گناہ میرے باپ کو شہید کیا یہ سن کر یزید کو غصہ آیا اور امام کے قتل کا حکم دے دیا۔ آپ نے فرمایا اگر تو مجھے قتل کرے گا تو بناتِ رسول کو وطن تک کون پہنچائے گا۔ حالانکہ میرے سوا ان کا کوئی محرم موجود نہیں ہے۔ پس یزید نے امام کے قتل کا ارادہ ملتوی کر دیا اور کہا کہ ان کو آپ خود پہنچائیں گے۔ اس کے بعد حضرت سجاد کی گردن سے طوقِ جامعہ کو خود کاٹنا شروع کیا۔ اور پُوچھا کہ یہ میں خود کیوں کر رہا ہوں تو آپ نے فرمایا تیرا خیال ہو گا کہ میں امام پر ایک احسان کر روں (حالانکہ ان باتوں سے معصوم کا ناحق قتل معاف نہیں ہو سکتا) اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی ان آیتوں کی تلاوت فرمائی۔ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ تا مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ اور فرمایا یہ آیتیں ہمارے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ اور ہم ہی وہ لوگ ہیں کہ دنیاوی منافع کے فوت ہو جانے سے غمناک نہیں ہوتے اور دنیاوی فوائد کے حاصل ہونے سے خوش نہیں ہوتے۔

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ:۔ یعنی زمین میں جہاں کہیں کسی کو تکلیف پہنچتی ہے خواہ جانی ہو یا مالی وہ لوحِ محفوظ میں خلائق کی پیدائش سے بھی پہلے لکھی جا چکی ہے۔ یعنی اللہ تبارک و تعالٰے کو تمام ہونے والی کلی و جزئی واقعات اس وقت سے معلوم ہیں جب عالمِ امکان کتمِ عدم کے پردوں میں چھپا ہوا تھا اور ان تمام واقعات کا اللہ کو معلوم ہونا مشکل نہیں بلکہ آسان بات ہے۔

وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

اور نہ تمہاری جانوں میں مگر یہ کہ وہ لوح محفوظ میں ہے ان کے پیدا کرنے سے پہلے تحقیق یہ اللہ پر آسان

یَسِیْرٌ ۚۖ ﴿۲۳﴾ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ

ہے تاکہ تم ارمان نہ کرو اس پر جو تم سے فوت ہوجائے اور نہ خوش ہو اس پر جو تم کو دے دے

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۙ ﴿۲۴﴾ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ

اور اللہ نہیں دوست رکھتا کسی متکبر فخر کرنے والے کو جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل

النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۵﴾

کا حکم دیتے ہیں اور جو روگردانی کرے تو تحقیق اللہ بے نیاز قابل حمد ہے

لِكَيْلَا تَاْسَوْا ۔ یعنی اللہ نے یہ انتظام اس لئے کیا ہے تاکہ تمہاری زندگی کے نشیب و فراز تمہارے سکون پر اثر انداز نہ ہوں کیونکہ جس شخص کو معلوم ہو کہ دنیا میں میرا جو کچھ نقصان ہوگا اس کا بدلہ آخرت میں مل جائے گا۔ نیز دنیا میں بھی رزق اُسی کے ذمہ ہے تو غمزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اور جب یہ معلوم ہو کہ دنیا میں جس قدر اس کے انعامات واکرامات ہوں گے۔ ان کے عوض شکر یا ادائیگی واجبات کا بوجھ بھی اسی قدر زیادہ ہوگا تو اس کو آنے والی نعمات پر زیادہ خوش ہونے کی بجائے ادائیگی واجبات کی فکر زیادہ کرنی چاہیئے۔ اور امام زین العابدین علیہ السّلام کے سابق فرمان کے پیش نظر یہ آیت زہد کا نچوڑ ہے۔ اور اس سے چار خصلتیں حاصل ہوتی ہیں (۱) اگر انسان اس آیت پہ عمل کرے تو بہترین اخلاق کا مجسمہ بن جائے گا کیونکہ حسد۔ بغض۔ کینہ۔ دشمنی اور بخل وغیرہ کی بدعادات کا خود بخود قلع قمع ہوجائے گا (۲) اس کی نظر میں دنیا حقیر ہوجائے گی اور اس کا دلدادہ نہ ہوسکے گا (۳) آخرت اس کی نظروں میں اہم ہوجائے گی۔ پس اس کے لئے عمل کرے گا (۴) اللہ پہ اس کی توکل قائم ہوجائے گی۔ کہتے ہیں۔ کہ بزرجمہر حکیم سے کسی نے دریافت کیا کہ تم ہاتھ سے نکل جانے والی چیز پر کیوں غمزدہ نہیں ہوتے اور حاصل ہونے والی شے پر کیوں خوش نہیں ہوتے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاتھ سے نکل جانے والی چیز رونے دھونے سے واپس نہیں آتی اور حاصل ہونے والی چیز کو دائمی بقا نہیں ہے۔ اور عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ کسی ہونے والی شے کے متعلق کہنا کاش کہ نہ ہوتی اور کسی ضائع ہونے والی چیز کے متعلق کہنا کہ کاش ضائع نہ ہوتی۔ اس سے بہتر ہے کہ ایک آگ نازل ہو جو جلنے کے قابل چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دے اور جو بچ جائیں ان کو الگ کر دیا جائے۔

الْكِتٰبَ ۔ اس جگہ کتاب سے مراد جنس ہے جس میں تمام انبیاء کی کتابیں اور صحیفے داخل ہیں۔

وَالْمِیْزَانَ ۔ میزان سے مراد وہ دستور جس سے حق و باطل کے درمیان امتیاز کیا جاسکے ۔ اور حلال و حرام کی پرکھ ہوسکے اس میں

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ

تحقیق ہم نے واضح دلیلوں کے ساتھ رسول بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا

لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ

تاکہ لوگوں میں انصاف قائم ہو اور ہم نے لوہے کو نازل کیا جس میں بڑی طاقت ہے اور

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

لوگوں کے لئے فوائد بھی ہیں اور اس لئے تاکہ اللہ ممتاز کرے ان لوگوں کو جو غائبانہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں

شک نہیں کہ ہر زمانہ میں نبی کا وجود اپنے مقام پر حق و باطل کو پرکھنے کا میزان ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی کتاب بھی ایک میزان ہوا کرتی ہے لیکن یہاں میزان نبوت اور کتاب کے علاوہ کوئی اور شے مراد ہے تاکہ جب زمانہ کا نبی اپنی مدت کے اختتام کے بعد رحلت کر جائے تو اس میزان کے ذریعے سے حق و باطل میں امتیاز ہوتا رہے۔ پس ہر نبی کا وصی اس نبی کی امت کے لئے میزان ہوا کرتا ہے اور اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم میزان ہیں۔ اور یہی وہ میزان ہے جس کی بدولت لوگ حق و انصاف پر قائم رہ سکتے ہیں۔ اور اس میزان کو ضائع کرنا بے راہ روی و بے انصافی کا موجب ہوا کرتا ہے۔

ذوالفقار عطیۂ پروردگار

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت نبی اکرمؐ سے منقول ہے کہ خدا نے چار برکتیں آسمان سے نازل فرمائیں۔ لوہا۔ آگ۔ پانی اور نمک۔ اور آسمان سے نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے انسانی منافع کے لئے ان کو پیدا کیا پس آسمان سے نازل کرنے کی نسبت ان چیزوں کی اہمیت کے پیش نظر ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر حیوانات کے متعلق فرمایا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ الخ یعنی ہم نے تمہارے لئے چوپائے نازل کئے۔ پس انسانی زندگی میں ان کی اہمیت کے پیش نظر ان کی پیدائش کو آسمان سے نزول قرار دیا۔ جس طرح کسی شخص سے جب ملنا ضروری ہو اور وہ اچانک مل جائے تو کہا جاتا ہے کہ میں تو تم کو آسمانوں میں ڈھونڈ رہا تھا لیکن تم مجھے زمین پر مل گئے۔

ابن شہر آشوب سے منقول ہے کہ ابن عباس سے اس کی تفسیر میں مروی ہے۔ خداوند کریم نے جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کے ہمراہ تلوار ذوالفقار اتاری۔ جس کی خلقت آس جنت سے ہے اور اس میں باس شدید ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اسی تلوار کے ذریعے سے اپنے دشمن شیاطین سے مقابلہ کرتے تھے اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ انبیاء یکے بعد دیگرے اور صدیق یکے بعد دیگرے اس کے وارث ہوتے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ یہ علی بن ابی طالب تک پہنچے گی۔ اور وہ نبی امی کے ساتھ مل کر اس ذوالفقار سے جہاد کا فریضہ ادا کریں گے۔ اور

قَوِيٌّ عَزِيزٌ ع وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا (۲۶)

تحقیق اللہ قوی غالب ہے اور تحقیق ہم نے نوح و ابراہیم کو بھیجا اور ان کی ذریت میں نبوت

النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ (۲۷) ثُمَّ

اور کتاب کو قرار دیا پس کچھ ان میں سے ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت ان میں سے فاسق نکلے پھر

قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ

ان کے بعد ہم نے اپنے رسولوں کا سلسلہ جاری کیا اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور اس کو

الْإِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ط وَ

انجیل دی اور ہم نے اس کی اتباع کرنے والوں کے دلوں میں نرمی اور رحمت ڈال دی اور

رَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ

رہبانیت جو انہوں نے ازخود پیدا کی کہ ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی مگر انہوں نے اللہ کی خوشنودی چاہنے کے لئے (اس کو ایجاد کیا)

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ میں ناس سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ ہیں۔ اور اللہ قوی عزیز ہے کہ وہ اپنی مضبوط گرفت کے ذریعے سے حضرت علی کو کفار سے محفوظ رکھے گا اور علمائے امامیہ نے روایت کی ہے کہ اس جگہ اس آیت میں حدید سے مراد ذوالفقار ہے جو آسمان سے حضرت رسالت مآبؐ پر اتری۔ اور آپ نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو عطا فرمائی

(اقول) لَا سَيْفَ إِلَّا ذُوالْفِقَارِ وَلَا فَتَىٰ إِلَّا عَلِي حضرت جبریلؑ کا ترانہ تھا جو جنگ احد میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی شجاعت و جوانمردی پر داد دینے کے لئے پیش کیا گیا تھا۔

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ:۔ یعنی لوہے کی تخلیق میں لوگوں کے بے پایاں منافع موجود ہیں۔ اور آج کل کی سائنسی ترقیوں کا تمام تر انحصار ہی لوہے کی صنعتوں پر ہے۔ اور انہی خصوصیات کی بنا پر پروردگار نے لوہے کے انزال کو اہمیت سے ذکر فرمایا۔

وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ:۔ یعنی ایک طرف تو لوگوں پر اس کا احسان عمیم و فضل جسیم ہے کہ اس نے عمومی منفعت کی چیزیں سستی اور عام کر دیں۔ اور دوسری طرف وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ ان احسانات کے شکر کے طور پر غائبانہ خدا و رسول کی مدد کون کرتا ہے۔ اور کفرانِ نعمت کرکے دشمنی کون کرتا ہے حالانکہ خدا اپنے مقام پر قوی و عزیز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں۔

رکوع ۲۰

قَفَّيْنَا۔ یہ تقفیہ سے ہے جس کا معنی ہے کسی شے کے پیچھے دائمی طور پر اور شئے کو رکھتے جانا یہاں مراد یہ ہے کہ ہم نے ان نبیوں کے پیچھے یکے بعد دیگرے انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری رکھا۔

رَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا:۔ یعنی انہوں نے رہبانیت کی خود ایجاد کر لی۔ خدا نے ان پر فرض نہیں کی تھی اور وہ یہ کہ عورتوں

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ

پس اس کو نہ نبھا سکے جو نبھانے کا حق تھا　پس ہم نے ان کو اجر دیا　جو　ان میں　سے　ایمان لائے

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا

اور بہت سے ان میں سے　فاسق　تھے　اے ایمان والو　اللہ　سے　ڈرو　اور اس کے رسول

بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ

پر ایمان لاؤ　وہ تمہیں اپنی رحمت سے دوہرا حصّہ دے گا　اور تمہیں نور عطا کرے گا　جس کے ذریعے تم

بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

چلوگے اور تمہیں بخش دے گا　اور　اللہ غفور　رحیم　ہے　تاکہ اہل کتاب کو علم ہو جائے کہ

اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ

وہ اللہ کے فضل میں سے کسی شی پر　قادر نہیں ہیں　اور تحقیق فضل اللہ کے قبضہ میں ہے　جسے

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ ع

چاہے عطا کرے　اور　اللہ　بڑے　فضل　والا　ہے

اور جملہ عیش و عشرت کی چیزوں سے الگ تھلگ ہو کر گوشہ تنہائی میں عبادت خدا شب و روز بجالایا کرتے تھے۔ پس بعض ان میں سے پہاڑوں کے دامن میں اور بعض کسی جنگل میں صومعہ یعنی عبادت خانہ بنا کر ساری زندگی گذار دیا کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ بادشاہانِ وقت کی غلط کاریوں سے تنگ آکر نیک لوگوں نے ایسا کرنا شروع کر دیا تھا اور اس کی رعایت نہ کر سکے کیونکہ ان پر فرض عائد ہوتا تھا کہ چونکہ خوشنودیٔ خدا کی خاطر انہوں نے ترکِ دنیا کیا تھا تو جب حضرت رسالت مآبؐ تشریف لائے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوتے اور آیندہ کے لئے آپ کی ہدایات کے ماتحت اسلام کے فرائض کی بجا آوری کرتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ پس اس رہبانیت کے تقاضوں کو وہ پورا نہ کر سکے۔ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ میں حضرت رسالت مآبؐ کے پیچھے ایک دفعہ سوار تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں کوئی پتہ ہے کہ بنی اسرائیل نے یہ رہبانیت کہاں سے ایجاد کی تو میں نے عرض کی حضور! آپ خود ہی فرمائیے تو حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے بعد جب جابر بادشاہوں کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ اور انہوں نے اللہ کی نافرمانیاں کیں تو اہلِ ایمان نے احتجاج کی۔ آوازیں بلند کیں جس کے نتیجے میں باہمی جنگ شروع ہو گئی اور مسلح طاقتوں کے سامنے اہلِ ایمان قدم نہ جما سکے اور تین دفعہ اسی

نوعیت کی جنگ لڑی گئی۔ اور اہلِ ایمان کو شکست ہوئی۔ اور بہت مارے گئے۔ پس جو کچھ بچے۔ انہوں نے اس میں بھلائی سمجھی کہ گوشۂ تنہائی میں اللہ کو یاد کیا جائے اور اپنی حدِ استطاعت تک دین کی خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ چنانچہ انہوں نے جنگلوں، پہاڑوں میں پھیل کر حفاظتِ دین کے لئے یہ راستہ اختیار کیا۔ اور اس انتظار میں رہے کہ خدا اس نبی کو بھیجے گا جس کی حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔ پس آپ کی آمد پر بعض لوگوں نے عناد و ضد پر کمر باندھ لی۔ اور بعض لوگ ایمان لانے پر موفق ہوئے۔ جن کے متعلق فرما رہا ہے کہ جنہوں نے ایمان کو قبول کر لیا۔ ہم نے ان کو اجر دیا۔ اور بہت سے ان میں سے فاسق نکلے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کی رہبانیت یہ ہے کہ نماز و روزہ اور حج و عمرہ اور جہاد و ہجرت پر عمل کرتے رہیں اور ابن مسعود کہتا ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت عیسٰی کی اُمت میں سے دو قسم کے لوگوں نے نجات پائی۔ ایک وہ جو سلاطین جور کے کافرانہ و ملحدانہ رویّہ کے خلاف احتجاج کرنے پر قادر ہوئے اور ان سے لڑ کر جامِ شہادت نوش کر گئے۔ اور دوسرے وہ جو مقابلہ کی تاب نہ لا کر اپنے دین کو بچاتے ہوئے رہبانیت کی آڑ میں جنگلوں اور پہاڑوں میں متفرق ہو گئے۔ پس ان میں سے جن لوگوں نے مجھے تسلیم کر لیا۔ اور دولت ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔ انہوں نے رہبانیت کو اپنی حدود کے ساتھ قائم کیا اور جو میرے اُوپر ایمان نہ لا سکے وہ ہلاک ہو گئے۔

لِئَلَّا یَعْلَمَ۔ اس مقام پر لا نافیہ زائدہ ہے۔ یعنی ایمان لانے والوں پر خدا کا احسان و اکرام اس امر کے لئے بھی ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ از راہِ عناد دولتِ ایمان سے محروم تھے ان کو پتہ چلے کہ ہم اللہ کے اس فضل سے محروم ہیں جو مومنوں کے لئے مخصوص ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ لا نافیہ ہے۔ اور بعد میں لَا یَقْدِرُوْنَ موجود ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اہلِ کتاب یہ نہ سمجھیں کہ وہ ایمان لانے اور اللہ کا فضل حاصل کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ بلکہ وہ سمجھیں کہ ہم بھی دوسرے مومنوں کی طرح ایمان لانے پر قادر ہیں۔ پس ایمان لا کر وہ بھی اسی شرف سے مشرف ہونے میں خوشی محسوس کریں۔

پارہ ۲۸

سُوْرَہ مُجَادَلہُ

یہ سورہ مدنیہ ہے۔ سورہ منافقون کے بعد نازل ہوا۔

اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت ۲۳ ہے۔

حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا جو سورہ مجادلہ کی تلاوت کریگا وہ قیامت کے روز اللہ کے لشکر میں شمار ہوگا۔

خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو اس سورہ کو لکھ کر کسی مریض پر باندھے یا کسی مریض پر پڑھے تو اس کا درد ختم ہو جائے گا۔

اور کسی مدفون چیز پہ پڑھی جائے تو وہ محفوظ رہے گی یہاں تک کہ وہی نکالے گا جس نے دفن کی تھی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر کسی بے آرام مریض پہ پڑھی جائے تو اس کو سکون نصیب ہوگا اور وہ سو جائے گا۔ اور اگر شب و روز اس کی تلاوت باقاعدگی سے کی جائے تو ہر ڈاکو لیٹرے سے محفوظ رہے گا۔

اگر اس کو لکھ کر غلہ کے ڈھیر میں رکھا جائے تو وہ ہر تلف کرنے والی بیماری یا کیڑوں سے محفوظ رہے گا (برہان)

حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سورہ مجادلہ کو اگر خاک کی مٹھی پر تین دفعہ پڑھ کر دشمن کی طرف پھینکے تو دشمن مغلوب ہوگا۔ اور اگر بیمار پہ پڑھی جائے تو اسے تسکین ہوگی اور وہ سو جائے گا۔ اور اگر ہمیشہ پڑھتا رہے تو جنوں اور انسانوں کے شر سے محفوظ رہے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

(اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ

تحقیق سنی اللہ نے بات اُس عورت کی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی اور اللہ کی طرف شکوہ کرتی تھی اور اللہ

يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ② اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ

تمہاری باتیں سن رہا تھا تحقیق اللہ سننے دیکھنے والا ہے　　جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں سے ظہار

مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ

کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں بن جاتیں (کیونکہ) ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ

اور تحقیق وہ اوپری بات کہتے ہیں اور جھوٹ　　اور تحقیق اللہ معاف کرنے والا

رکوع ۱ ظہار کا بیان

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ - ان آیات کے شانِ نزول کے بارے میں تفسیر مجمع البیان میں مذکور ہے کہ ایک عورت خولہ نامی جو کہ انصار کے خزرج قبیلہ سے تعلّق رکھتی تھی۔ اُس کے شوہر کا نام اوس بن صامت تھا۔ ایک دن گھریلو معمولی جھگڑے کی بنا پر ان میں تلخی پیدا ہوگئی۔ اور اوس ایک جذباتی قسم کا انسان تھا۔ اُس نے فوراً ظہار کا صیغہ جاری کر دیا۔ یعنی عورت کو کہا کہ تیری پشت میرے لئے میری ماں کی پشت ہے۔ اور زمانۂ جاہلیت میں طریقہ طلاق یہی تھا۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اوس اپنے جاری کردہ الفاظ پر پشیمان ہوا لیکن اب وہ الفاظ تو واپس نہیں آسکتے تھے۔ عورت سے کہنے لگا کہ ایام جاہلیت میں تو ان الفاظ کو طلاق سمجھا جاتا تھا لیکن اب اسلام نے ممکن ہے اس رواج کو کالعدم قرار دے دیا ہو۔ لہٰذا رسالت مآبؐ کی خدمت میں پہنچ کر اس مسئلہ کا حل طلب کرنا چاہیئے۔ اور میں خود حضورؐ کے پیش ہونے سے گھبراتا ہوں تم چلی جاؤ اور مسئلہ دریافت کر آؤ جو حکم دیں گے اس پر ہمیں عمل کرنا ہوگا۔ چنانچہ وہ عورت بارگاہِ نبوی میں عین اُس وقت حاضر ہوئی جب کہ آپ حضرت عائشہ کے حجرہ میں تھے۔ اور حضرت عائشہ آپ کا سر دھو رہی تھی۔ اُس عورت نے انتظار کئے بغیر اپنا مسئلہ چھیڑ دیا جب اُس کا بیان ختم ہوا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تو اُس مرد پر حرام ہو چکی ہے۔ عورت نے دوبارہ اپنا قصہ دُہرایا کہ میں اب دو بچوں کی ماں ہو چکی ہوں اور میرا شباب ڈھل چکا ہے۔ لہٰذا میری مشکل کو حل فرمائیے کیونکہ میں کسی طرف جانے کے قابل نہیں رہی ہوں تو آپ نے دوبارہ بھی وہی جواب دیا کہ تو اس مرد پر حرام ہو چکی ہے لیکن عورت نے سہ بارہ پھر اصرار کیا کہ حضور کوئی اس کا حل تلاش فرمائیے۔ میں

غَفُوْرٌ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا

بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں پھر پشیمان ہوتے ہیں اس سے جو کہہ چکتے ہیں تو ان کا کفارہ ہے

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

غلام آزاد کرنا مس کرنے سے پہلے یہ تمہاری نصیحت کے لئے ہے اور اللہ جو تم کرتے

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۳﴾ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ

ہو جاننے والا ہے پس جو نہ پائے (مالی طاقت) تو پے درپے دو ماہ کے روزے رکھے مس

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ

کرنے سے پہلے پس جو (اس کی بھی) طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کا کھانا

سخت مجبور ہوں۔ اگر بچے اس کے حوالہ کردوں تو بچے ضائع ہو جائیں گے۔ اگر خود سنبھالوں تو میرا کمانے والا کوئی نہیں ہے خدارا میرے حال پر رحم فرمائیے۔ اور اس عورت نے اللہ کی بارگاہ میں بھی گڑگڑانا شروع کر دیا۔ اے اللہ میرے حال پر رحم فرما اور اپنے نبی پر میرے متعلق حکم نازل فرما۔ اور منقول ہے کہ اسلام کے احکام کے نفاذ کے بعد یہ پہلا ظہار تھا پس عائشہ نے اس عورت سے کہا کہ حوصلہ کرو اور انتظار کرو۔ چنانچہ وحی نازل ہوئی۔ اور آپ نے اس عورت کے شوہر کو بلایا۔ اور ان آیات کی تلاوت فرمائی۔ پس آپ نے فرمایا کیا تم میں ایک(۱) غلام آزاد کرنے کی طاقت ہے تو اس نے عرض کی حضور! آج کل غلاموں کی قیمتیں بہت زیادہ ہیں۔ اور میرے پاس اس قدر مال نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا پھر(۲) دو ماہ پے درپے روزے رکھ لو۔ تو اس نے عرض کی حضورؐ میری بینائی کمزور ہے۔ اور میں دن میں جب تک تین مرتبہ روٹی نہ کھاؤں(۳) میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آنے لگتا ہے۔ لہٰذا روزے رکھنا میرے بس سے باہر ہے تو آپ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ تو اُس نے عرض کی۔ اگر آپ اس بارے میں میری اعانت فرما دیں تو میرے لئے یہ مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ پس آپ نے فرمایا میں پندرہ صاع تجھے دیتا ہوں اور تجھے برکت کی دعا کرتا ہوں۔

يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا۔ اس کے معنی میں کئی وجوہ بیان کئے گئے ہیں (۱) يَعُوْدُوْنَ کا معنی يَنْدَمُوْنَ یعنی وہ پشیمان ہوتے ہیں اور لِمَا قَالُوْا کا معنی ہے عَمَّا قَالُوْا یعنی اپنے کہے ہوئے جملے سے پشیمان ہیں (۲) اخفش کے نزدیک آیت میں تقلب ہے یعنی تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ لِمَا قَالُوْا۔ اور معنی یہ ہوگا کہ پلٹتے ہیں طرف اپنی عورتوں کے (يَعُوْدُوْنَ اِلٰى نِسَآئِهِمْ) تو اپنے کہے ہوئے جملے کا کفارہ غلام آزاد کریں۔

تُوْعَظُوْنَ۔ یعنی یہ سخت سزا اس لئے رکھی گئی ہے تاکہ تمہیں نصیحت حاصل ہو اور آئندہ اس قسم کی غلطی پھر نہ کرو۔

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ

یہ اس لئے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لئے دردناک

اَلِيْمٌ ۝۵ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ

عذاب ہے تحقیق جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی رسوا ہوں گے جس طرح رسوا ہوئے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ

وہ لوگ جو ان سے پہلے گزرے اور ہم نے واضح آیات نازل کیں اور کافروں کے لئے رسواکن عذاب

مُّهِيْنٌ ۝۶ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ

ہوگا جس دن ان سب کو اللہ اٹھائے گا پس ان کو خبر دیگا اس کی جو انہوں نے کیا کہ

اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۷ ع ۱

خدا کے پاس محفوظ تھا اور وہ بھول گئے تھے اور اللہ ہر شے پر گواہ ہے

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ :۔ پے درپے دو ماہ کے روزے اور فقہاء امامیہ کے نزدیک ایک ماہ پورے روزے رکھنے کے بعد دوسرے ماہ سے ایک روزہ بھی اگر رکھ لے تو تتابع قائم ہوجائے گا۔ اب اگر کسی مجبوری کی بناپر روزوں کا تسلسل ترک ہو جائے تو تتابع برقرار رہے گا لیکن اکتیس روزے مکمل کرنے سے پہلے تتابع کو توڑے گا تو سابق رکھے ہوئے روزے کالعدم قرار دئے جائیں گے اور پھر نئے سرے سے دو ماہ رکھنے ضروری ہوں گے۔

اِطْعَامُ سِتِّيْنَ :۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا فی مسکین ½ صاع طعام دے دے۔

مسئلہ :۔ ظہار کے لئے ضروری نہیں کہ اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دے بلکہ اگر اپنی بہن یا خالہ و پھوپھی سے تشبیہ دے تو بھی ظاہراً ظہار واقع ہوجائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ ہے اس میں ماں بہن کی کوئی قید نہیں البتہ بعد میں یہ فرمانا کہ وہ ان کی مائیں نہیں بن جاتیں اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ عربوں میں مروج ظہار یہی تھا کہ عورت کو اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں صرف ایک مثال کو بیان کرنا مقصود ہو پس جس طرح ماں کے ساتھ تشبیہ دینے کے بعد وہ عورت ماں نہیں بن جاتی۔ اسی طرح بہن کے ساتھ تشبیہ دینے سے وہ بہن بھی نہیں بن جائے گی۔

مسئلہ :۔ ظہار چونکہ ظہر سے مشتق ہے اور اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اگر عورت کو ماں کی پشت سے تشبیہ دے تو ظہار واقع ہوگا لیکن اگر دوسرے اعضاء سے تشبیہ دے دے تو ظہار واقع نہ ہوگا۔

مسئلہ :۔ ظہار کی صحت کے لئے وہی شرائط ہیں جو طلاق میں ہوا کرتی ہیں پس اگر غصہ کی حالت میں ظہار کرے تو اس

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِنْ

کیا تم نہیں دیکھتے تحقیق اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے نہیں ہوتی سرگوشی تین

نَجْوٰى ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنٰى

آدمیوں کے درمیان مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کے درمیان مگر وہ چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے

مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ

کم نہ زیادہ مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہوا کرتا ہے جہاں بھی ہوں پھر ان کو اپنے کیے ہوئے

بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٨﴾ أَلَمْ تَرَ

اعمال کی خبر دیگا قیامت کے دن تحقیق اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے کیا تم نہیں دیکھتے

إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَ

ان لوگوں کو جن کو روکا گیا سرگوشی سے پھر پلٹ کر (وہی) کرتے ہیں جس سے ان کو روکا گیا اور

يَتَنٰجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوٰنِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ ۖ وَإِذَا جَاءُوكَ

باہمی سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے ساتھ اور جب آپ کے پاس (آتے)

کا کوئی حکم نہیں ہوگا۔ نیز ظہار اس طہر میں واقع ہو جس میں عورت سے ہمبستری نہ کر چکا ہو۔ اور ظہار کے لئے بھی دو عادل گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔

مسئلہ: ظہار مدخولہ عورت سے صحیح ہے لیکن اگر غیر مدخولہ ہو تو ظہار کی صحت میں اشکال ہے۔

مسئلہ: ظہار کا کفارہ غلام آزاد کرنا اگر اس سے عاجز ہو تو دو ماہ پے در پے روزے رکھنا اور اگر عاجز ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا دینا کہ فی مسکین نصف صاع سے کم نہ ہو۔ اور اگر عاجز ہو ایک مد فی مسکین بھی دے سکتا ہے۔ باقی احکام بعد میں بیان ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

رکوع ۲

نُهُوا عَنِ النَّجْوٰى۔ یہود اور منافقین کا دستور تھا کہ آپس میں ٹولیاں بنا کر بیٹھ جاتے تھے اور مومنوں ۷۰
کے متعلق باتیں کرتے تھے۔ اور جب اہل ایمان کا ان کے پاس سے گذر ہوتا تو آنکھوں کے اشاروں اشاروں سے ان کے متعلق ایک دوسرے کو کچھ سمجھا لیتے جس سے مومنوں کو دکھ پہنچتا تھا جب انہوں نے رسول اللہ سے شکوہ کیا تو حضورؐ نے بنفس نفیس ان کو منع فرمایا لیکن وہ پھر بھی باز نہ آئے۔

حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا

آئیں تو تجھ پر سلام دیتے ہیں جو اللہ نے نہیں دیا اور دل میں کہتے ہیں کہ اللہ ہم کو کیوں عذاب نہیں کرتا ساتھ

اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۹ يٰٓاَيُّهَا

اس کے جو ہم کہتے ہیں ان کو کافی ہے جہنم جس میں جلیں گے پس وہ برا ٹھکانا ہے اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ

ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو نہ سرگوشی کرو گناہ سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے

الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۱۰

ساتھ اور سرگوشی کرو نیکی اور تقوی کے ساتھ اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔا

بجز اس کے نہیں کہ سرگوشی شیطان سے ہوتی ہے تاکہ غمزدہ کرے مومنوں کو حالانکہ وہ ان کو کچھ بھی نقصان نہیں دے سکتا

وَاِذَا جَاۗءُوْكَ ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی حضورؐ کے پاس آیا جب کہ عائشہ بھی پاس موجود تھی۔ اس نے کہا السام علیکم۔ آپ نے جواب میں کہا علیکم۔ پھر دوسرا آیا اور اس نے بھی السام علیکم کہا۔ اور آپ نے ویسا ہی جواب دیا۔ پھر تیسرا آیا اور اس نے السام علیکم کہا اور حضورؐ نے ویسے ہی علیکم سے جواب دیا۔ اتنے میں عائشہ نے غصہ سے ان کو ڈانٹ کر کہا علیکم السام اے گروہ یہود یعنی تم پر موت اور غضب و لعنت خدا ہو۔ اے گروہ یہود۔ اے سوروں اور بندروں کی اولاد! یہ سن کر حضورؐ نے عائشہ کو ٹوک دیا اور فرمایا بدکلامی اچھی نہیں بلکہ رواداری اور حسن خلق انسان کا زیور ہے۔ عائشہ نے عرض کی حضورؐ آپ سنتے نہیں کہ وہ السام علیکم کہتے ہیں (یعنی تم پر موت ہو) آپ نے فرمایا کہ میں نے بھی ان کو ویسے ہی جواب دیا ہے یعنی علیکم کہ وہ موت تم پر واقع ہو۔ الخ

اِذَا تَنَاجَيْتُمْ ۔ یعنی تمہاری پرائیویٹ مجلسیں یہودیوں اور منافقوں کی طرح بری باتوں پر مشتمل نہ ہونی چاہئیں بلکہ تمہارا فرض ہے کہ جب بھی آپس میں مل بیٹھو تو ایک دوسرے سے اچھی باتیں کرو۔ اور اچھی باتیں سنو۔ اور اس خدا سے ہر وقت ڈرتے رہو جس کے دربار میں تم نے پیش ہونا ہے۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى ۔ یعنی منافقوں اور یہودیوں کا باہم مل بیٹھنا اور آپس میں سرگوشی کرنا شیطان کی فریب کاریوں میں سے ایک فریب کاری ہے۔ وہ دراصل مومنوں کو غم و اندوہ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ ان کو ذرہ بھر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ⑪ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

بغیر اذن اللہ کے اور اللہ پر ہی مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے اے ایمان والو!

آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۖ

جب تمہیں کہا جائے کہ مجالس میں جگہ کھلی کر دو تو جگہ دے دیا کرو خدا تمہارے لئے وسعت پیدا کر دیگا

وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ

اور جب کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو خدا ان لوگوں کو بلند کرتا ہے جو تم میں سے ایمان لائیں اور جن کو علم دیا

دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ⑫ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا

گیا بلندی درجات اور اللہ آگاہ ہے جو تم کرتے ہو اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی

نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ

کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ پیش کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے

تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ ۔ آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ کے قریب بیٹھنا پسند کیا کرتے تھے جب کسی اور آدمی کو آتا دیکھتے تھے تو اپنی اپنی جگہوں پر کھلے ہو کر بیٹھ جایا کرتے تھے تاکہ اور کوئی نہ گھس سکے ۔ پس اس آیت مجیدہ میں اللہ نے آنے والوں کے لئے جگہ کو کھلا کرنے کی فہمائش کی ۔ اور مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسالت پناہ ایک برآمدہ میں تشریف فرما تھے اور جگہ تنگ تھی ۔ اور دن بھی جمعہ کا تھا ۔ اور حضور صؐ کا دستور تھا کہ اہلِ بدر کی کافی تعظیم کیا کرتے تھے ۔ چنانچہ آپ کے پاس چند لوگ اہلِ بدر میں سے آ گئے اُن میں ایک ثابت بن قیس بھی تھا وہ مجمع کو چیر کر آگے بڑھتے گئے ۔ حتیٰ کہ حضورؐ کے سامنے پہنچ گئے ۔ پس انہوں نے آپ پر سلام کیا ۔ اور حضورؐ نے ان کو سلام کا جواب دیا ۔ پھر صحابہ کو سلام دیا اور اُنہوں نے بھی جواب سلام کہا ۔ لیکن ان کو کسی نے بیٹھنے کی جگہ نہ دی ۔ پس وہ کھڑے ہو گئے ۔ حضورؐ پر ان کا کھڑا رہنا شاق گذرا تو آپ نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے مہاجرین و انصار جو بدری نہ تھے ان کو حکم دیا ۔ اے فلاں اے فلاں کھڑے ہو جاؤ اور ان کے لئے جگہ خالی کر دو ۔ پس آپ نے اتنے آدمیوں کے نام لئے جس قدر کھڑے ہوئے لوگوں کی تعداد تھی پس ان کی جگہوں پر ان کو بیٹھنے کا حکم دیا ۔ اس کے بعد منافقوں نے کہنا شروع کیا ۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ بیٹھے ہوئے لوگوں کو کھڑا کر کے دوسروں کو جگہ دی گئی ۔ اور حضورؐ خود بھی دیکھ رہے تھے کہ جن کو کھڑا کیا گیا تھا وہ اپنی جگہیں خالی کرنے پر تیار نہ تھے اور انہیں بدل ناخواستہ کھڑا ہونا پڑا ۔ پس منافقوں کو

وَاَطْهَرُ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ

اور پاکیزگی کا باعث ہے پس اگر نہ پاؤ تو اللہ غفور رحیم ہے کیا تم ڈر گئے

اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۚ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ

کہ پیش کرو کہ اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ پس جب تم نہیں کر سکے اور اللہ نے تم سے معاف

عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ

کر دیا پس قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکوٰۃ اور اللہ اور اس کے رسول

رَسُوْلَهٗ ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع ۲

کی اطاعت کرو اور اللہ آگاہ ہے جو تم عمل کیا کرتے ہو

خوب متمتع ملا اور انہوں نے حضورؐ کے عدل و انصاف کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا پس یہ آیت اتری۔

آیت نجوٰی

یا ایھا الذین امنوا۔ دولت مند لوگوں کا دستور تھا کہ جب حضورؐ کی خدمت میں آتے تھے تو حضورؐ کو الگ بٹھا کر دیر دیر تک باتیں کرتے رہتے تھے۔ اور دوسرے لوگوں کو باریابی کا موقعہ بہت کم ملتا تھا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر حضورؐ سے ملنے کی خواہش ہو تو پہلے صدقہ دو۔ چنانچہ ملاقاتیوں کا سلسلہ یک دم منقطع ہو گیا۔ پس اس کے بعد آیت رخصت نازل ہوئی۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فخریہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں ایک آیت ایسی ہے جس پر میرے علاوہ کسی نے عمل نہیں کیا اور وہ آیت نجوٰی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو لوگوں نے آنا بند کر دیا اور میرے پاس ایک دینار تھا جس کو تڑوا کر میں نے دس درہم لے لئے۔ پس جب بھی حضورؐ کی بارگاہ میں باریابی ہوتی۔ ایک درہم بطور صدقہ تقدیم کر دیتا۔ اس کے بعد اللہ نے اُمت سے یہ حکم اٹھا لیا۔ اور میرے علاوہ کسی کو بھی اس آیت پر عمل کرنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اور ابن عمر کہا تھا کہ حضرت علیؑ کی تین فضیلتیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے میرے لئے ایک بھی ثابت ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں سے بھی محبوب تر ہوتی (۱) رسول کی دامادی کا شرف (۲) خیبر کے روز علم کا عطا ہونا۔ اور تیسری آیت نجوٰی اور یہ حدیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے کہ آیت نجوٰی پر عمل کرنے میں حضرت علی کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

تفسیر برہان میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی گئی تو ابوبکر علی کے سامنے خندہ پیشانی کا اظہار کرتا تھا لیکن حضرت علیؑ اس کے ساتھ خوش ہو کر بات کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ اس نے مقام خلوت میں حضرت علی علیہ السلام سے بات شروع کر دی کہ اے ابوالحسن میں نے خلافت کو اپنی مرضی سے قبول نہیں کیا اور نہ مجھے اس کا کوئی

خاص لالچ تھا بلکہ میں اپنے اوپر وثوق نہیں رکھتا کہ امت کے امور کو خاطر خواہ طور پر نبھا سکوں۔ نہ میرے پاس مال ہے اور نہ قبیلہ اور نہ اس قدر طاقت ہے کہ اس کام کو خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ مجھ پر ناراض ہیں حالانکہ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر تو خود اس کا طلب گار نہیں اور نہ تجھے اپنے اوپر وثوق ہے کہ اس کام کو نبھا سکے تو تو نے قبول کیوں کیا ہے تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا میں نے حضرت نبی کریم سے ایک حدیث سنی تھی کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ پس جب میں نے ان کا اجماع دیکھا۔ تو حدیث پیغمبر کے ماتحت میں نے امر خلافت کو قبول کر لیا۔ اور اسی کو میں نے راہ ہدایت سمجھا۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ کچھ لوگ نہ مانیں گے تو میں ہرگز سے قبول ہی نہ کرتا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا یہ جو تو نے ذکر کیا ہے کہ حضور نے فرمایا تھا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ کیا تو مجھے امت پیغمبر میں نہیں سمجھتا؟ اس نے کہا کہ سمجھتا ہوں تو آپ نے فرمایا کیا سلمان۔ عمار۔ ابوذر۔ مقداد اور سعد بن عبادہ اور اس کی ہمراہی انصاری یہ سارے لوگ امت میں شامل نہیں ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ سب بھی امت میں شامل ہیں۔ تو آپ نے فرمایا ان سب لوگوں کے اختلاف کے باوجود تو کیسے دعوی کرتا ہے کہ سب امت کا اجماع ہو گیا ہے۔ حالانکہ جن لوگوں کا میں نے نام لیا ہے نہ ان کے صحابی ہونے میں کوئی شک ہے اور نہ ان کی نیکی میں کوئی کلام ہے تو اس نے جواب دیا کہ مجھے ان کا اختلاف معلوم نہ تھا بلکہ امر خلافت کے مستحکم ہونے کے بعد مجھے ان کے اختلاف کا علم ہوا۔ اور بعد میں مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ اگر اب استعفاء دیتا ہوں تو لوگ مرتد ہو جائیں گے۔ اور میں جانتا ہوں کہ آپ میری بہ نسبت امت کے زیادہ خیر خواہ ہیں۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ تو کیا سمجھتا ہے کہ کن صفات کا مالک امر خلافت کا مستحق ہو سکتا ہے گویا معیار خلافت تمہارے نزدیک کونسی چیز ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ امت کا خیر خواہ ہونا باوفا ہونا منافق نہ ہونا خوش اخلاق ہونا عادل ہونا کتاب وسنت کا عالم ہونا قادر الکلام ہونا دنیا سے زاہد ہونا اور طالب دنیا نہ ہونا اور ظالم سے مظلوم کا حق لینے میں جری ہونا وغیرہ اور پھر خاموش ہو گیا تو آپ نے فرمایا۔ میں تم سے حلفیہ پوچھتا ہوں کہ یہ صفات بدرجہ اتم تم میں موجود ہیں یا مجھ میں؟ تو اس نے جواب دیا کہ آپ میں بدرجہ اتم (۱) موجود ہیں۔

فرمایا۔ حلفیہ بتاؤ۔ رسول اللہ کی آواز پر سب سے پہلے لبیک میں نے کہی یا تم نے؟ اس نے جواب دیا کہ آپ نے۔ (۲)

فرمایا حلفیہ بیان کرو کہ موسم حج میں سورہ برأۃ کی تبلیغ کے لئے اذان میرا لقب ہے یا تمہارا؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کا لقب ہے۔ (۳)

(۴) فرمایا حلفیہ کہو کہ غار کی رات رسول اللہ کے بستر پر ان کا قائم مقام میں تھا یا تم؟ اس نے کہا بے شک آپ تھے۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ کہ خدا اور رسول کی ولایت کے بعد انگوٹھی کی زکوٰۃ دینے میں ولایت میرے لئے ہے یا تیرے لئے؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کے لئے ہے۔ (۵)

۶ فرمایا حلفیہ جواب دو کہ غدیر خم کے موقعہ پر رسول اللہ نے ہر مسلم کا مولیٰ مجھے کہا تھا کہ تجھے ؟ تو اُس نے جواب دیا آپ ہی کے متعلق حضورؐ نے فرمایا تھا۔

۷ فرمایا قسمیہ بتاؤ، ہارون کی طرح رسول اللہ کی وزارت میرے لئے ہے یا تیرے لئے ؟ اُس نے جواب دیا کہ یہ آپ کے لئے ہے۔

۸ فرمایا حلفیہ کہو، مباہلہ میں رسول اللہ کے ہمراہ بیوی بچوں کے ہمراہ میں گیا تھا یا تو ؟ اُس نے کہا آپ ہی تشریف لے گئے تھے۔

۹ فرمایا حلفیہ جواب دو، آیت تطہیر میرے اور میرے خاندان کے لئے ہے یا تیرے اور تیرے خاندان کے لئے ہے ؟ اُس نے کہا کہ آپ کے لئے ہے۔

۱۰ فرمایا حلفیہ بتاؤ، کہ چادر ڈال کر رسول اللہ نے مجھے اور میری بیوی کو اپنی اہلبیت قرار دیا یا تم کو ؟ اُس نے جواب دیا کہ آپ کو۔

۱۱ فرمایا حلفیہ بتاؤ، سورہ دہر میں یُوفُونَ بِالنَّذۡرِ کے مصداق ہم ہیں یا تم ؟ اُس نے جواب دیا کہ آپ لوگ ہی اس کے مصداق ہیں۔

۱۲ فرمایا حلفیہ کہو، لَا سَیۡفَ اِلَّا ذُوالفقار و لا فتیٰ الّا علی کی آسمانی آواز میرے لئے ہے یا تیرے لئے ؟ اُس نے کہا کہ آپ کے لئے ہے۔

۱۳ فرمایا حلفیہ بیان کرو، نمازِ عصر کے لئے سورج میرے لئے پلٹایا گیا یا تیرے لئے ؟ اُس نے کہا آپ کے لئے۔

۱۴ فرمایا حلفیہ کہو، خیبر کے دن رسول اللہ نے علم مجھے دیا، یا تجھے ؟ اُس نے کہا کہ آپ کو عطا کیا گیا تھا۔

۱۵ فرمایا حلفیہ بتاؤ، خندق کے روز عمرو بن عبدود کو قتل کر کے رسول اللہ اور مسلمانوں کو سکون میں نے دیا تھا یا تم نے ؟ اُس نے کہا کہ یہ آپ کا حصّہ ہے۔

۱۶ فرمایا حلفیہ بتاؤ، کہ قوم جن کی طرف رسول اللہ نے مجھے امین بنا کر بھیجا تھا یا تجھے۔ اُس نے جواب دیا کہ آپ کو۔

۱۷ فرمایا حلفیہ کہو، رسول اللہ نے اپنے باپ سے لے کر حضرت آدمؑ تک پاک نسبی کی سند مجھے دی تھی یا تم کو ؟ اُس نے کہا۔ یہ بھی آپ کا حصّہ ہے۔

۱۸ فرمایا حلفیہ کہو، رسول اللہ کا دامادی کا شرف مجھے حاصل ہے یا تجھے ؟ کہنے لگا یہ آپ کا شرف ہے۔

۱۹ فرمایا حلفیہ بیان کرو۔ جن کے متعلق رسول اللہ نے فرمایا تھا ھٰذَانِ سَیِّدَا شَبَابِ اَھۡلِ الۡجَنَّۃِ وَ اَبُوۡھُمَا خَیۡرٌ مِّنۡھُمَا یعنی یہ دو نوجوانانِ جنّت کے سردار ہیں۔ اور ان کا باپ ان سے افضل ہے۔ ان کا باپ میں ہوں یا تم ؟ اُس نے کہا یہ شرف آپ کا ہے۔

۲۰ فرمایا حلفیہ کہو۔ تیرا بھائی دو پروں کے ساتھ ملائکہ کے ہمراہ جنّت میں پرواز کرتا ہے یا میرا بھائی ؟ تو اُس نے کہا کہ آپکا بھائی

۲۱ فرمایا حلفیہ جواب دو، رسول اللہ کے قرضوں اور ان کے وعدوں کی ایفا میرے ذمہ تھی یا تیرے ذمہ تھی ؟ کہنے لگا آپکے ذمہ تھی۔

۲۲ فرمایا حلفیہ جواب دو، جس دن رسول اللہ کے پاس بھونا ہوا پرندہ آیا اور آپ نے دعا کی اے اللہ اپنا محبوب ترین بندہ بھیج

جو میرے ہمراہ کھائے۔ کیا وہ تو تھا یا میں؟ تو اُس نے جواب دیا کہ وہ آپ ہی تھے۔

فرمایا حلفیہ کہو جس کے متعلق رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ تو ناکثین قاسطین اور مارقین سے تاویل قرآن پر جہاد کروگے کیا یہ خوشخبری تیرے لئے ہے یا میرے لئے تو اُس نے جواب دیا کہ واقعی یہ فضیلت بھی آپ کے لئے ہے۔

فرمایا حلفیہ کہو کہ رسول اللہ کا غسل وکفن تو نے کیا یا میں نے؟ تو اُس نے کہا کہ آپ نے۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ، جس کو رسول اللہ نے بڑا قاضی قرار دیا وہ تم ہو یا میں؟ کہنے لگا وہ آپ ہیں۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ، پیغمبر کے زمانہ میں جس کو امیر المومنین کے خطاب سے سلام کیا گیا وہ تم ہو یا میں؟ کہنے لگا وہ آپ ہیں۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ، رسول اللہ کی قرابت میں سبقت تم کو حاصل ہے یا مجھے؟ کہنے لگا آپ کو حاصل ہے۔

فرمایا حلفیہ جواب دو، کہ رسول اللہ کی تنگ وقت میں ضیافت تم نے کی تھی یا میں نے؟ کہنے لگا آپ نے کی تھی۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ، وہ کون تھا جس کو کعبہ میں بُت شکنی کے لئے رسول اللہ نے اپنے کندھوں پر سوار کیا اگر چاہتا تو آسمان کو چھو سکتا تھا وہ تو تھا یا میں تھا؟ ابوبکر نے جواب دیا کہ وہ آپ ہی تھے۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ وہ کون ہے جس کے متعلق رسول اللہ نے فرمایا کہ تو میرے جھنڈے کا مالک ہے دنیا و آخرت میں؟ کہنے لگا وہ آپ ہی ہیں۔

فرمایا حلفیہ بیان کیجئے، وہ کون ہے کہ رسول اللہ نے مسجد کی طرف کھلنے والے سب دروازے بند کر دیے اور اُس کا دروازہ بند نہ کیا وہ تو ہے یا میں؟ اُس نے جواب دیا وہ آپ ہی تھے۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ، آیت نجویٰ پر عمل کرنے والا میں ہوں یا تو؟ کہنے لگا وہ آپ ہیں۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ، وہ کون ہے جس کے بارے میں رسول اللہ نے فرمایا کہ تمام لوگوں میں سے پہلا ایمان لانے والا ہے اور تمام لوگوں کے اسلام سے اس کا اسلام وزنی ہے وہ تو ہے یا میں؟ ابوبکر نے جواب دیا کہ وہ آپ ہیں۔

اسی طرح حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے وہ تمام فضائل فرداً فرداً شمار کرتے جاتے تھے اور ابوبکر سے پوچھتے جاتے تھے اور وہ اس کا آپ کے حق میں اقرار کرتا جاتا تھا۔ آخر میں اس نے اقرار کیا کہ ان فضائل و محامد کے لحاظ سے آپ ہی اس امر کے زیادہ سزاوار ہیں تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم ان اوصاف سے خالی ہو تو تم نے اس اہم کام کا بیڑا کیوں اٹھایا ہے؟ پس وہ رونے لگا اور عرض کی کہ مجھے آج مہلت دیجئے تاکہ میں اس بارے میں غور و فکر کر لوں۔ چنانچہ واپس آکر گھر میں علیحدہ سوچتا رہا اور رات تک کسی سے ملاقات تک نہ کی حتی کہ حضرت عمر کو جب ان کی حضرت علی سے ملاقات کا علم ہوا تو سارا دن تلاش کرتے رہے لیکن نہ مل سکے۔ جب رات کو حضرت ابوبکر سوئے تو عالم خواب میں رسول اللہ کی زیارت کی۔ حضرت ابوبکر نے سلام کیا لیکن آپؐ نے منہ پھیر لیا تو ابوبکر نے عرض کی حضورؐ کیا آپ نے مجھے کوئی حکم دیا ہے جس کی میں نے تعمیل نہیں کی؟ آپؐ نے فرمایا میں کیسے تجھے سلام کا جواب دوں حالانکہ تو نے ایسے شخص سے دشمنی کی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ

کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہوں نے دوستی بنائی ہے ایسے لوگوں سے جن پر اللہ کا غضب ہے کہ نہ وہ تم سے ہیں اور نہ ان سے

وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا

ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں خدا نے ان کے لئے عذاب

جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتا ہے لہٰذا حق کو صاحب حق کے حوالہ کر دو۔ ابوبکر نے دریافت کیا کہ کون صاحب حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا جس نے تجھے سرزنش کی ہے اور وہ علی ہے۔ ابوبکر نے عرض کی کہ حضورؐ بے شک میں اس کو حق واپس کرتا ہوں۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو حضرت ابوبکر زار و قطار رو رہے تھے۔ پس حضرت علیؑ کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہاتھ بڑھائیے اور مجھ سے بیعت لیجئے اور یہ کہ مسجد میں چلئے تاکہ وہاں رات کے خواب کی حقیقت بھی لوگوں کے سامنے میں بیان کروں گا۔ اور سارا معاملہ واضح کر کے اپنی گردن کو اس بار سے ہلکا کروں گا۔ چنانچہ ان جذبات کو لے کر وہ گھر سے نکلے تو حضرت عمر جو پہلے سے ان کی تلاش میں تھے، راستے میں مل گئے۔ اس نے ابوبکر کی دگرگوں حالت دیکھ کر پہلے ہی سوال کر دیا کہ میں آپ کی حالت کو متغیر دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے؟ تو ابوبکر نے وہ ساری داستان دہرا دی۔ اور رات کے خواب کا بھی تذکرہ کر دیا۔ پس حضرت عمر نے کہا میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ ان باتوں میں نہ پھنسئے۔ اور اپنی حکومت کو نہ چھوڑیئے پس کافی لے دے کے بعد حضرت عمر اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئے اور حضرت ابوبکر نے اپنے ارادہ کو ملتوی کر دیا جب حضرت علی علیہ السلام مسجد میں پہنچے تو مسجد کو خالی پایا اور واپس آ گئے۔ پس قبر پیغمبر کی زیارت کی تو ادھر سے حضرت عمر بھی واپس آ رہے تھے کہنے لگے یا علی جو آپ چاہتے ہیں اس تک پہنچنا آسان کام نہیں۔

ایک روایت میں ہے صحابہ کے بھرے مجمع میں حضرت علی علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ صحابہ میں جس کی بھی کوئی فضیلت ہے میں اس میں اس کے ساتھ شریک ہوں لیکن میری ستر فضیلتیں ایسی ہیں جن میں میرا کوئی بھی شریک نہیں ہے پس آپ نے ان کو شمار کرنا شروع کیا اور چوبیسویں فضیلت یہی بتائی کہ جب آیت نجویٰ اتری تو میں ایک ہی ہوں جس کے پاس ایک دینار تھا اس کو تڑوا کر دس درہم لئے اور رسول اللہ کے ساتھ ایک ایک درہم صدقہ دینے کے بعد گفتگو کرتا رہا۔ اور جب باقی لوگ رقم خرچ کرنے سے گھبرا گئے اور رسول اللہ کے پاس آنا چھوڑ دیا تو خداوند کریم نے دوسری آیت بھیجی۔ ءَاَشْفَقْتُمْ الخ کہ کیا تم ڈر گئے۔ الخ پس پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور آیت مذکورہ پر سوائے میرے اور کوئی بھی عمل نہ کر سکا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس دوران میں رسول اللہ سے دس ملاقاتیں کیں۔

رکوع ۳ اَلَمْ تَرَ یہ ان منافقوں کی مذمت ہے جو یہودیوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے اور ان سے برادرانہ تعلقات قائم کرتے تھے اور مومنوں کے خصوصی راز بھی ان کے سامنے ظاہر کرتے تھے پھر اگر پیغمبر کا

شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۶) اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ

شدید تیار کر رکھا ہے تحقیق وہ بُرا عمل کرتے ہیں انہوں نے بنا لیا اپنی قسموں کو

جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ (۱۷) لَنْ

ڈھال پس روکا (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے پس ان کے لئے رسواکن عذاب ہوگا نہ کام

تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ

آئیں گے ان کے مال اور نہ اولادیں اللہ سے کچھ بھی وہ لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۱۸) يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا

اصحاب نار ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جس دن ان کو خدا اٹھائے گا سب کو

فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ

پس اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم

شکوہ و شکایت یہودی کرتے تو وہ لوگ ان کے ساتھ اس میں بھی شریک ہو جاتے تھے۔ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ نہ تو وہ تم سے ہیں۔ اور اگر ان کو سرزنش کی جائے تو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی برات کی ضمانت دینے لگتے ہیں حالانکہ انہیں اپنی منافقانہ روش کا بخوبی علم ہے۔

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسول کریمؐ حضرت عمرؓ کے پاس سے گذرے کہ وہ ایک یہودی سے کچھ چیزیں لکھ رہا تھا پس یہ آیت اُتری۔ جب حضرت عمر رسول اللہ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے بطور سرزنش فرمایا کہ تم تو یہودی کے پاس بیٹھ کر کچھ لکھ رہے تھے حالانکہ خدا نے منع فرمایا ہے۔ وہ کہنے لگے حضورؐ میں نے توراۃ سے آپ کے فضائل نوٹ کئے ہیں اور پھر اُن کو پڑھنا شروع کر دیا اور حضورؐ کے چہرے پر غصّے کے آثار نمودار تھے۔ یہ دیکھ کر ایک انصاری کہنے لگا تم رسول اللہؐ کے چہرے کو نہیں دیکھتے کہ غصّے سے سُرخ ہو رہا ہے۔ پس عمر کہنے لگا۔ میں خدا و رسول کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور کہنے لگا حضور! میں نے تو اس لئے یہ چیزیں نوٹ کی ہیں کہ ان میں آپ کے فضائل ہیں۔ پس حضورؐ نے فرمایا۔ اے فلاں، اگر ان میں خود موسیٰ بن عمران بھی موجود ہوتے اور تو مجھ سے روگردانی کر کے ان کی طرف جاتا تو یقیناً کافر ہو جاتا۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمْ۔ یعنی منافق لوگ جس طرح کفار کا اندرونی ساتھ دینے کے باوجود مومنوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم پکّے مومن ہیں۔ اسی طرح بروز محشر بھی وہ خدا کے سامنے اپنے مخلص مومن ہونے کی قسمیں کھائیں گے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٩﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ

اچھا کام کرتے ہیں حالانکہ وہ اس خیال میں جھوٹے ہیں ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا پس ان کو اللہ کا

ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ

ذکر بھلا دیا وہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں آگاہ ہو تحقیق شیطانی ٹولہ ہی خسارہ

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ

پانے والا ہوگا تحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل

فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴿٢١﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ

لوگوں میں ہوں گے خدا نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ ضرور میں اور میرے رسول غالب ہونگے تحقیق اللہ قوت والا

عَزِيْزٌ ﴿٢٢﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ

غالب ہے نہ پاؤ گے ایسی قوم جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے کے باوجود ایسے لوگوں سے محبت کرے

اپنے اس کردار میں کسی اچھی پوزیشن پر ہیں یعنی ہمیں یہ چالبازی فائدہ مند رہے گی۔ حالانکہ وہ اس زعم فاسد میں جھوٹے ہیں کہ ان کو اس عیاری سے کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا۔

ناجی فرقہ

حِزْبُ الشَّيْطٰنِ۔ سلیم بن قیس ہلالی نے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اس اُمّت کے تہتّر فرقے ہوں گے۔ ان میں سے بہتّر دوزخی اور ایک جنّتی ہوگا۔ تہتّر میں سے ساٹھ فرقے عامۃ المسلمین کے ہوں گے۔ اور تیرہ فرقے ان لوگوں کے ہوں گے جو ہماری محبت کا دم بھرتے ہوں گے۔ پس ان میں سے فرقہ مومنہ ناجیہ وہ ہے جو ہمارے احکام کی پیروی کرے گا اور ہمارے دشمنوں سے بیزار ہوگا۔ ہمارے حق امامت کا عارف ہوگا اور کتاب وسُنّت کے لحاظ سے ہماری اطاعت کو فرض سمجھے گا۔ اور ہمارے حقوق کی معرفت سے جو اس کا دل نورانی ہوگا۔ اس میں وہ کبھی شک نہ کرے گا۔ میں اور میرے اوصیاء جو قیامت تک ہونے والے ہیں وہ ہیں جن کو خدا نے اپنی ذات کے ساتھ اور اپنے نبی کے ساتھ متعدد آیات میں ذکر فرمایا ہے۔ ہمیں خدا نے طاہر ومعصوم بنایا۔ اور ہم اس کی خلق پر شہدا ہیں۔ اور اس کی زمین پر اس کی حجّت ہیں۔ ہم قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ہمارے ساتھ ہے۔ کہ ایکدوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر رسول اللہ کے پاس پہنچیں گے پس یہ فرقہ تہتّر فرقوں میں سے وہ ہوگا جس کو جہنم سے نجات ملے گی۔ اور تمام فتنوں اور گمراہیوں سے اس کا دامن پاک ہوگا اور وہ سچ مچ جنّتی ہوں گے اور ان میں سے ستر ہزار ایسے ہوں گے جو بلاحساب جنّت میں جائیں گے اور جو باقی بہتّر فرقہ ہوگا وہ وہ ہیں جو حق کے دشمن ہوں گے

مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ

جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوں خواہ وہ اُن کے باپ دادا یا بیٹے یا بھائی یا قبیلہ کے لوگ ہی کیوں

اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ

نہ ہوں ایسے لوگوں کے دلوں میں خدا نے ایمان کو پختہ کیا اور ان کی اپنے روح سے تائید

مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

کی اور ان کو داخل کرے گا ایسے بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی کہ وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ

ہونگے خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے راضی ہوں گے ایسے لوگ اللہ کا گروہ ہیں آگاہ ہو اللہ کا گروہ

حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۳

ہی کامیابی حاصل کرنے والا ہوگا

دین شیطان کے مددگار ہوں گے۔ خدا اور رسول اور مومنوں کے دشمن ہوں گے۔ پس وہ بلاحساب جہنم میں جائیں گے وہ قیامت کے دن قسمیں کھائیں گے کہ ہم ایمان پر تھے لیکن ان کو کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا۔ خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں مومنوں کی یہ وصف بیان فرمائی ہے کہ وہ خدا اور رسول کے دشمن سے ہرگز دوستی قائم نہ کریں گے خواہ وہ اُن کے باپ دادا یا بھائی یا بیٹے یا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں یعنی وہ خدا اور رسول کی محبت پر کسی محبت کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ ایسے لوگوں کی خدا روح سے تائید کرتا ہے۔ کہتے ہیں عبداللہ بن ابی کا بیٹا عبیداللہ پکا مومن تھا۔ ایک دفعہ وہ حضورؐ کی بارگاہ میں موجود تھا تو آپؐ نے پانی پیا۔ اُس نے عرض کی حضورؐ تھوڑا سا پانی بچا کر مجھے عنایت فرمانا تاکہ آپ کا پس خوردہ میں اپنے باپ کو پلاؤں شاید اس کی برکت سے اس کا دل صاف ہو جائے چنانچہ وہ حضورؐ کا پس خوردہ لایا تو باپ نے پوچھا کیا چیز ہے تو بیٹے نے کہا کہ یہ رسولؐ اللہ کا پس خوردہ ہے۔ اُس منافق نے جواب دیا اس سے تو بہتر تھا کہ تو اپنی ماں کا پیشاب لاتا۔ اس سے عبیداللہ کو سخت غصہ آیا اور واپس آکر رسول اللہؐ سے اجازت طلب کی کہ آپ حکم دیں تو میں اپنے باپ کو قتل کر دوں، آپ نے فرمایا ماں باپ سے نرمی کرنا بہتر ہے۔

بِرُوْحٍ مِّنْهُ:۔ اس جگہ روح سے مراد نور ایمان یا قرآن یا دلیل و برہان یا روح الامین جبریل باختلاف اقوال لئے گئے ہیں۔

سُورَۃُ الحشرْ

یہ سورہ مدنیہ ہے۔ سورہ بینہ کے بعد نازل ہوا۔
آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر پچیس بنتی ہے۔

① ابن بابویہ سے منقول ہے جو شخص اس سورہ مجیدہ کی تلاوت کرے گا جنّت۔ نار۔ عرش کرسی حجاب ہائے قدرت ساتوں آسمان ساتوں زمینیں ہوا۔ درخت۔ پرندے۔ پہاڑ۔ سورج۔ چاند۔ فرشتے سب اس پر درود پڑھیں گے۔ اور اس کے لئے بخشش کی دعا کریں گے اور اگر اس دن یا اس رات میں مرے گا تو شہید مرے گا (برہان)

② مروی ہے جو شخص شام کو سورۂ رحمٰن و سورۂ حشر کی تلاوت کرے صبح تک ایک فرشتہ تلوار علم کرکے اس کی حفاظت کرتا ہے (مجمع)

③ خواص القرآن سے منقول ہے جو شخص شب جمعہ اس کی تلاوت کرے صبح تک ہر معصیت سے امن میں رہے گا۔

④ جو شخص چار رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورہ حشر پڑھے تو جس کام کے لئے جائیگا کامیابی نصیب ہوگی بشرطیکہ معصیت کا کام نہ ہو۔

⑤ جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے جس کام کے لئے جائے گا فتح ہوگی بشرطیکہ گناہ کا کام نہ ہو (نبویؐ)

⑥ جو شخص اس کو پاکیزہ پانی سے لکھ کر پیئے گا اس کو ذہن و ذکاء عطا ہوگا اور نسیان کم ہو جائیگا (صادقؑ)
(بہتر ہے کہ شیشے کے برتن پر لکھ کر بارش کے پانی سے دھو کر پیا جائے) (برہان)

⑦ مشکل سے مشکل کام کے لئے اگر چالیس روز تک متواتر اس سورہ کو پڑھا جائے تو وہ مشکل آسان ہوگی۔ انشاء اللہ اور وہ مستجاب الدعوۃ ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب

الْحَكِيْمُ ② هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

دانا ہے وہ وہ ہے جس نے نکال دیا ان کو جو کافر تھے اہل کتاب میں سے

مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا

اپنے گھروں سے پہلی بار تمہارا خیال بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے ان کا خیال تھا کہ

رکوع ۱ غزوہ بنو نضیر

لِاَوَّلِ الْحَشْرِ :۔ حشر کا معنی ہوتا ہے جمع کرنا۔ اور محشر کو محشر بھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ تمام لوگوں کو اس دن جمع کیا جائے گا۔ اس جگہ مقصد یہ ہے کہ شام کی طرف ان کو جلاوطن کیا گیا تھا کیونکہ مروی ہے کہ قیامت کے دن بھی حشر کی جگہ زمین شام ہوگی۔ پس یہودیوں کا شام کی طرف جمع ہونا پہلا حشر ہوا۔ اور قیامت کے دن تمام مخلوق کا جمع ہونا دوسرا حشر ہوگا۔ یہ تفسیر ابن عباس سے منقول ہے یہودیوں کے قلعے مضبوط تھے اور ان کی عسکری طاقت بھی کسی حد تک ناقابل تسخیر تھی اور مسلمانوں کو وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ اس طرح اپنے آباد گھروں کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اور ان کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہجرت کر کے حضرت نبی کریمؐ مدینہ میں پہنچے تو یہودیوں کے قبیلہ نضیر کے ساتھ یہ معاہدہ کیا گیا کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی باہمی جنگ نہ ہوگی جب مسلمانوں نے کم تعداد میں جنگ بدر کو فتح کر لیا تو یہودیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ بخدا یہ وہی پیغمبر ہے۔ جس کی تعریف حضرت موسیٰ نے کی تھی کہ اس کے جھنڈے نہ موڑا جا سکے گا لیکن جب اگلے سال جنگ احد میں مسلمانوں کو کفار کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی تو یہودیوں کو شک لاحق ہوا۔ اور انہوں نے کئے ہوئے عہد کو توڑ دیا۔ چنانچہ کعب بن اشرف یہودی چالیس یہودیوں کا وفد لے کر مکہ پہنچا۔ اور مشرکین مکہ کے ساتھ باہمی تعاون کا معاہدہ کر لیا۔ چنانچہ استار کعبہ کے سایہ میں اس معاہدہ کو رسمی طور پر پختہ کیا گیا۔ ادھر جبریل کے ذریعہ سے حضورؐ کو اطلاع پہنچ گئی کہ یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑ کر کفار مکہ سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔

ادھر اس کی عملی صورت یہ ہوئی کہ ایک صحابی عمرو بن امیہ ضمری نے قبیلہ بنی عامر کے دو آدمیوں کو اچانک قتل کر دیا تھا اور بنفس نفیس حضورؐ کعب بن اشرف یہودی کے پاس قرض لینے کے لئے گئے تاکہ مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے

أَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ

تحقیق ان کو اپنے قلعے اللہ سے بچالیں گے پس ان پر اللہ کا عذاب ایسے راستے

کعب بن اشرف نے ظاہراً حضورؐ کی بڑی عزت کی۔ اور گھر کی طرف روانہ ہوا تاکہ معلوم ہو کہ وہ کھانے کا انتظام کرنے جا رہا ہے لیکن وہ حضورؐ کے قتل کی سازش کے لئے روانہ ہوا تھا۔ حضورؐ اس وقت ایک دیوار کے ساتھ سہارا لے کر بیٹھے تھے۔ اور یہودیوں نے تجویز کر لی کہ یہ موقعہ غنیمت ہے۔ اور پھر اس قسم کا موقعہ شاید دستیاب نہ ہو۔ اُوپر کے مکان والے یہودی سے کہا جائے کہ ایک پتھر اُوپر سے لڑھکا دے تاکہ حضورؐ کا کام تمام ہو جائے۔ اُس وقت چند صحابہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ پس جبریل نے اس سازش کی اطلاع دے دی تو آپ واپس مدینہ میں آگئے۔ اور صحابہ کو یہودیوں کی بدعہدی کی خبر دی۔ آپ نے محمد بن مسلم انصاری کو جو کعب بن اشرف کا رضاعی بھائی تھا۔ یہودیوں کی طرف روانہ کیا کہ تمہاری بدعہدی کی بذریعہ وحی ہمیں اطلاع ہو گئی ہے۔ لہٰذا یا تو ہمارا علاقہ چھوڑ کر کہیں چلے جاؤ یا اعلانِ جنگ قبول کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ علاقہ چھوڑ دیں گے لیکن عبداللہ بن اُبی منافق نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ تم اپنے وطن کو نہ چھوڑو۔ بلکہ اعلانِ جنگ کو قبول کر لو۔ ہم بھی تمہاری مدد کریں گے۔ پھر اگر نکلنا پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہوں گے۔ اور لڑنے کی صورت میں بھی ہماری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قلعوں کی مرمت شروع کر دی اور لڑائی کے لئے تیار ہو گئے اور حضورؐ کی طرف اطلاع بھیجدی کہ ہمیں اعلانِ جنگ منظور ہے۔ پس مسلمانوں کی فوج پیش قدمی کے لئے تیار ہو گئی۔ تو حضورؐ نے علمِ فوج حضرت علی علیہ السّلام کے حوالہ فرمایا۔ پس آپ اسلامی لشکر کی کمان کرتے ہُوئے یہودی آبادی کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضورؐ بھی بنفسِ نفیس پہنچ گئے۔ اور یہودی قلعوں کا سختی سے محاصرہ کر لیا گیا۔ اودھر عبداللہ بن ابی نے یہودیوں کے ساتھ کئے ہُوئے عہد و پیمان کی پرواہ تک نہ کی۔ یہودیوں نے جب اہل اسلام کی یلغار دیکھی تو انہوں نے اپنے بیرونی مکانات کو اپنے ہاتھوں خراب کرنا شروع کر دیا جو مسلمانوں کی محاصرہ کی زد میں تھے اور خود اندرونی مکانات میں قلعہ بند ہو گئے۔ پس جس یہودی کے دو مکان تھے وہ بیرونی مکان کو خود گرا کر خراب کر دیتا تھا۔ اور خود اندر والے مکان میں منتقل ہو جاتا تھا جس کی قرآن مجید نے حکایت کی ہے کہ اپنے ہاتھوں اپنے مکانات کو خراب کرتے تھے۔ اِدھر حضورؐ نے حکم دیا کہ ان کی کھجوروں کے باغات کو کاٹ دیا جائے تو یہودی پریشان ہو گئے اور انہوں نے درخواست کی کہ آپ ہمارے باغات کو خراب نہ کریں۔ اگر آپ کو غلبہ ہوگا تو آپ کے کام آئیں گے ورنہ ہمارے لئے رہنے دیں۔ جب مسلمانوں کا محاصرہ سخت ہوا اور یہودیوں پر اہلِ اسلام کا رُعب طاری ہوا تو انہوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ اور حضورؐ سے درخواست کی کہ ہم اپنے گھروں اور زمینوں کو چھوڑ کر چلے جانے پر رضامند ہیں آپ ہمیں قابل نقل و انتقال اموال کے ساتھ لے جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو آپ نے فرمایا یہ ہرگز نہ ہوگا۔ البتہ اگر صرف اپنے کپڑوں میں جانا چاہو تو تمہیں اجازت دی جا سکتی ہے لیکن اگر کسی کو مال ساتھ لے جاتے دیکھا گیا تو اس کا خون ہمارے لئے مباح ہوگا۔ چنانچہ یہودیوں نے یہ شرط بھی منظور کر لی۔ پس فدک وادی قریٰ اور شام کی طرف چلے گئے

لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ

سے آیا جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا اور اللہ نے ان کے دلوں پر رعب طاری کر دیا کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو خراب

بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۲﴾

کر رہے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں سے پس عبرت حاصل کرو اے صاحبانِ بصیرت

مجمع البیان میں ہے کہ یہودیوں پر فوج کشی کرنے سے پہلے حضورؐ نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کرا دیا تھا چنانچہ ان کی سازش کا انکشاف ہوا تو آپ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ کسی طرح کعب بن اشرف کو ٹھکانے لگا دو۔ پس محمد بن مسلمہ آیا اور اس نے کعب بن اشرف کی کوٹھی کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس کو آواز دی اور اپنے ساتھیوں کو ایک دیوار کی آڑ میں کھڑا کر دیا۔ کعب سویا ہوا تھا وہ اس کی آواز سے بیدار ہوا۔ اور اس نے دریافت کیا کہ کون ہو؟ تو اس نے جواب دیا میں محمد بن مسلمہ ہوں۔ تم سے قرضہ لینے کے لئے آیا ہوں۔ کعب بن اشرف نے کہا میں رہن کے بغیر قرضہ نہ دوں گا تو محمد بن مسلمہ نے کہا میں رھن رکھنے کے لئے تیار ہوں۔ اتفاق سے کعب بن اشرف نے ابھی نئی شادی کی تھی اور یہ اس کی پہلی رات تھی اس کی نوبیاہتی بیوی یہ آوازیں سن رہی تھی۔ جب کعب بستر سے کھڑا ہونے لگا تو بیوی نے روک کر کہا کہ باہر نہ جاؤ یہ کوئی سازش ہے کیونکہ مجھے اس بیرونی آواز سے خون کی بو آ رہی ہے لیکن کعب نے اس کی بات کو ٹھکرا دیا اور باہر چلا آیا۔ محمد بن مسلمہ اور وہ ایک دوسرے کو گلے لگا کر ملے اور باتوں باتوں میں محمد بن مسلمہ اس کو اپنے محل سے دور لے گیا۔ جہاں اس کے ساتھی کمین گاہ میں بیٹھے تھے تو انہوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ کعب بن اشرف نے آواز بلند کی اور اس کی عورت نے بھی واویلا کیا لیکن جب یہودی وہاں پہنچے تو کعب بن اشرف اپنے خون میں لت پت تھا۔ اور مسلمان اس کو قتل کر کے واپس جا چکے تھے جب صبح سویرے کعب کے قتل کی خبر عام ہوئی تو مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور اس کے بعد اعلانِ جنگ ہوا۔ بہرکیف مسلمانوں نے جب یہودیوں کو محاصرہ کے ذریعے سخت گرفت میں لے لیا تو وہ اپنی شکست ماننے پر تیار ہوئے آپ نے فرمایا کہ تم جزیرہ عرب سے نکل جاؤ اور شام کی طرف چلے جاؤ۔ پس مصالحت کی شرط یہ تھی کہ یہودیوں کی جانیں محفوظ اور اموال ضبط صرف ان میں سے تین تین آدمیوں کے لئے ایک اونٹ اور ایک مشکیزہ پانی لے جانے کی اجازت تھی۔ پس اکثر شام اور اریحا کی طرف چلے گئے لیکن ابوالحقیق اور حی بن اخطب کے دو قبیلے خیبر میں جا آباد ہوئے اور کچھ حیرہ کی طرف گئے۔ یہ یاد رہے کہ بنو نضیر کی جلاوطنی جنگ احد کے بعد ہوئی اور بنو قریظہ کی فتح جنگ خندق کے بعد ہوئی اور درمیان میں دو سال کا فاصلہ تھا۔

بِاَيْدِيْهِمْ۔ یہودی لوگ اپنے عمدہ گھروں کو اس لئے خراب کرتے تھے کہ مسلمانوں کے کام نہ آئیں۔ اور مسلمان ان کے گھروں کو اس لئے گراتے تھے کہ وہ جلدی سے شکست تسلیم کر لیں۔ اور چونکہ اس کے موجب یہودی خود تھے اسلئے اس تخریب

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ

اور اگر اللہ نے ان کے حق میں جلا وطنی لکھی نہ ہوتی تو ان کو دنیا میں بھی عذاب کرتا اور آخرت میں

فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ

ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی

وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴﴾ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ

اور جو بھی اللہ کی مخالفت کریگا تو تحقیق اللہ سخت عذاب والا ہے جو کاٹ دیئے تم نے کھجور کے

لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ

درخت یا جن کو چھوڑ دیا اپنے جڑوں پر یہ اللہ کے اذن و مشیت سے ہے تاکہ ذلیل کرے

الْفٰسِقِيْنَ ﴿۵﴾ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ

فاسق لوگوں کو اور جو کچھ فے کیا اللہ نے اپنے رسول پر ان (یہود) کی طرف سے تو تم نے اُس پر

عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ

گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے لیکن اللہ مسلّط کرتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے

کی نسبت ان کی طرف دی گئی۔

من لینۃ۔ اس کا معنی کھجور کا درخت ہے اور اس کی جمع لیان ہوا کرتی ہے۔ حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ ان کے کھجوروں کے درخت کاٹ دو۔ اور ان میں آگ لگا دو۔ چنانچہ یہودیوں نے عرض کی کہ حضور! آپ تو لوگوں کو ایسے کاموں سے منع فرماتے ہیں۔ لہٰذا آپ کی شان سے بعید ہے کہ ایسے کام کا حکم دیں چنانچہ آپ نے ان کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے حکم امتناعی جاری فرما دیا۔ اُس کے متعلق اللہ فرماتا ہے کہ جو درخت تم نے کاٹ دیئے یا جو بچ گئے سب اللہ کے اذن سے ہی تھا اور یہ اس لئے تاکہ فاسق لوگ ذلیل و رسوا ہوں۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ۔ اس سے مراد وہ اموال ہیں جو بنو قریظہ و بنو نضیر کی فتح کے بعد اہل اسلام کے ہاتھ آئے اور یہ دو قبیلے مدینہ میں آباد تھے۔ اسی طرح فدک کی بستی جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھی۔ اور خیبر۔ عرینہ اور ینبع یہ بھی یہود کی آبادیاں تھیں۔ ان تمام کا مال غنیمت خدا نے رسولؐ اللہ کو عطا فرمایا۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ پہلی آیت صرف بنو نضیر کے اموال کے متعلق ہے۔ اور دوسری آیت تمام اُن اموال کے متعلق ہے جو لڑائی کے بغیر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۷ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ

اور اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے — جو کچھ فے کیا اللہ نے اپنے رسول پر اہل دیہات (یہودیوں)

اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ

کی طرف سے تو وہ اللہ کے لئے اس کے رسول کے لئے اور اس کے قریبیوں اور یتیموں مسکینوں

وَابْنِ السَّبِیْلِ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ

اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ دولت مند طبقہ میں دست بدست نہ جاتی رہے تم میں سے اور جو کچھ تم کو رسول

الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

دے دے لے لو اور جس سے تم کو روکے رُک جاؤ اور اللہ سے ڈرو

فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ۔ یعنی مالِ فے کا مالک صرف اللہ ہے اور اللہ کا رسول ہے کہ اللہ نے ان کو اختیار دے دیا۔ اور ان کے بعد رسول اللہ کے قرابتداروں کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ قربیٰ۔ یتامیٰ اور مساکین پر الف و لام عوض مضاف الیہ کے ہے یعنی جو آلِ رسول میں سے یتیم و مساکین و مسافر ہوں ان کو دیا جائے اگرچہ عامہ کے نزدیک اس سے ساری اُمّت کے یتیم و مسکین و مسافر مراد ہیں لیکن احادیث اہل بیت میں تواتر سے منقول ہے کہ یہ صرف بنو ہاشم کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ خاص ہمارے لئے ہے کیونکہ خدا نے ہم پر صدقہ حرام قرار دیا ہے کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں کی میل ہے۔ اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد ہمارے قریبی ہمارے یتیم، ہمارے مسکین اور ہمارے مسافر ہیں۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا، میرے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ سہم رسول اللہ اور سہم ذی القربیٰ ہمارے لئے مخصوص ہے۔ اور باقی حصوں میں بھی ہم شریک ہیں۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہماری اطاعت فرض ہے اور انفال صرف ہمارے لئے ہے الحدیث۔

دُوْلَةً۔ اس سے مراد ہر وہ شے ہے جس کی ملکیت بدلتی رہے۔ اور نوبت بہ نوبت اس پر قبضے منتقل ہوتے رہیں۔ یعنی خداوند کریم نے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے مال فَی کو مختص کر کے ایک متوقع بداعتدالی اور بدعنوانی کا سدِّباب کر دیا۔ اور وہ یہ کہ ایسا نہ ہو کہ مال فے پر صرف اغنیاء اور مالدار لوگوں کی اجارہ داری قائم ہو جائے۔ اور وہ یکے بعد دیگرے اس پر قابض ہوتے چلے جائیں۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ۔ ظاہراً یہ آیت اگرچہ اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ غنیمت کے مال سے جو کچھ تم کو رسول دیدے لے لو اور جس سے روک دے رُک جاؤ لیکن مورد کے لحاظ سے عام ہے۔ اور اس میں رسول اللہ کو خداوند کریم نے اُمورِ شرعیہ میں

إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑧ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا

تحقیق اللہ سخت عذاب والا ہے ان فقراء مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور

مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ

مالوں سے نکال دیئے گئے جو چاہتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی اور اللہ اور اسکے رسول

اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ⑨ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ

(کے دین) کی مدد کرتے ہیں وہ لوگ سچے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ٹھکانا کیا گھروں میں

وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ

اور قبول کیا ایمان کو ان سے بھی پہلے اور دوست رکھتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرکے آئے اور نہیں پاتے اپنے دلوں میں

فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ

کڑھن اس سے جو ان (مہاجرین) کو دیا گیا اور ترجیح دیتے ہیں (دوسروں کو) اپنے اوپر اگرچہ ان کی اپنی

كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑩

حالت بھی نازک ہو اور جو محفوظ ہو اپنے نفس کے بخل سے پس وہ فلاح پانے والے ہیں

اختیار دیا ہے۔ اور اُمّت کو ان کی اطاعت مطلقہ کی فرمائش کی ہے کہ جس چیز کو آپ واجب قرار دیں وہ واجب ہے اور جس کو حرام قرار دیں وہ حرام ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جن امور کی تفویض رسول اللہ کو کی گئی اُن کے بعد ہمیں وہ تفویض کی گئی۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ - یہ اُن مساکین کا بیان ہے جن کو مال فے میں سے حصّہ دیا جانے کی فہمائش کی گئی ہے اور یہ اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ مساکین و یتامیٰ و مسافرین سے عامۃ المسلمین مُراد لئے جائیں۔ اور ممکن ہے اس سے یہ مراد ہو کہ امام وقت اپنی صوابدید سے اپنے تصرّف کے ماتحت ایسے لوگوں کو اپنے اختیارِ خصوصی سے حصہ دیگا۔ کیونکہ ان میں دوسروں کی بہ نسبت دینی فوقیت پائی جاتی ہے۔

تَبَوَّءُو الدَّارَ - اس کا عطف سابق اَلَّذِین پر ہے۔ یعنی مال فے کی تقسیم میں ایسے لوگ حقدار ہوتے ہیں۔ اور اس صورت میں یُحِبُّونَ حال واقع ہے۔ اور یہ آیت انصار میں سے مستحقین کی وضاحت کرتی ہے۔ تَبَوَّءُ الدَّار کا معنی ہے جنہوں نے گھروں میں سکونت رکھی ہوئی ہے یعنی جو گھروں سے نکالے نہیں گئے۔ اور وہ انصار تھے اور ایمان کا دار پر عطف لفظی ہے

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا

اور جو لوگ ان کے بعد آئے جو کہتے ہیں اے پروردگار بخش ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے

الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

پہلے ایمان لائے اور نہ کر ہمارے دلوں میں کینہ انکے حق میں جو ایمان

رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا

لائے اے پروردگار تو مہربان رحم والا ہے۔ کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جو منافق ہیں

يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

کہتے ہیں اپنے ان بھائیوں کو جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں

ذکر معنوی۔ اور تقدیر یہ ہے وَاٰثَرُوا الْاِيْمَانَ یعنی جنہوں نے ایمان کو پسند کیا اور مِنْ قَبْلِهِمْ جار و مجرور کا تعلق تَبَوَّءُوا سے ہے یعنی وہ گھروں کے مالک مہاجرین سے پہلے تھے اور ایمان بھی انہوں نے اختیار کیا۔ اور ممکن ہے ان سے وہ انصار مراد ہوں جنہوں نے بیعت عقبہ میں شمولیت کی تھی وہ ستر انصار تھے۔ اور یہ لوگ بہت سے مہاجرین سے پہلے ایمان لانے والے تھے۔ اور ان انصار کی یہ صفت بھی اللہ کو پسند ہے کہ مہاجرین کو جو کچھ عطا کیا جائے ان کے دلوں میں گھٹن اور کڑھن پیدا نہیں ہوتی۔ اور اس آیت کی دوسری نحوی ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وَالَّذِيْنَ میں واو عاطفہ اور الَّذِيْنَ کو مبتدا قرار دیا جائے اور يُحِبُّوْنَ کو اس کی خبر مانا جائے اور اس صورت میں مستحقین فے کا بیان نہ ہوگا بلکہ انصار کی مدح و ثناء قرار دی جائے گی۔ تاویل کے لحاظ سے تمام ان لوگوں کی ثنا ہے جو اپنے اندر ایثار کی صفت رکھتے ہوں۔

ایثار کا بیان

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ:۔ روایت میں ہے کہ جس دن بنو نضیر نے ہتھیار ڈال دئے۔ اور اپنے تمام اموال رسول اللہ کے حوالے کر کے جلاوطنی پر آمادہ ہوئے تو حضورؐ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ تم گھروں کے مالک ہو۔ اور مہاجر لوگ اجڑ کر آئے ہیں اگر تم یہ قربانی کرو کہ اپنے گھروں اور اموال میں سے مہاجرین کو بھی حصہ دے دو تو اس مال غنیمت کی تقسیم سے تم سب اپنا اپنا حصہ ان کے برابر لے لو۔ اور اگر اپنے گھروں اور مالوں سے ان کو کچھ دینا پسند نہ کرو تو اس مال غنیمت کی تقسیم صرف مہاجرین کے لئے رہنے دو۔ تو انصار نے عرض کی کہ حضورؐ ہم اپنے گھروں اور مالوں میں سے بھی ان کو پورا حصہ دیں گے۔ اور موجودہ مال غنیمت بھی آپ ان لوگوں میں تقسیم فرما دیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اور صحابہ کرام میں ایثار کا یہ شوق تا قیامت امت اسلامیہ کے لئے باعث رشک ہے کہتے ہیں ایک دفعہ بھونا ہوا گوشت ایک صحابی کو بطور ہدیہ کے بھیجا گیا اور وہ بھوکا تھا تو اس نے خود نہ کھایا بلکہ ایک اور صحابی کی طرف

لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّ

کہ اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر

اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫

تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمہاری ضرور مدد کریں گے اور خدا گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں

بھجوا دیا یہ کہہ کر وہ مجھ سے زیادہ مستحق ہے اور اُس نے پھر ایک اور کی طرف بھجوا دیا یہ کہہ کر کہ وہ زیادہ حقدار ہے حتیٰ کہ نو آدمیوں تک یکے بعد دیگرے وہی ہدیہ گشت کرتا رہا۔ اور اُس نویں نے پھر پہلے کی طرف بھجوایا کہ ہم سے وہ زیادہ حقدار ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جنگ احد میں پانی دستیاب نہ ہوسکا۔ اور سات آدمی پیاسے تھے۔ جب ایک کو پانی دیا گیا تو اُس نے دُوسرے کو دیا۔ اور ساتویں تک اسی طرح پہنچا کہ پہلے پیاسے شدّت پیاس سے مر گئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا۔ اور اُس نے عرض کی کہ حضور میں سخت بھوکا ہوں۔ چونکہ حضورؐ کے اپنے گھر میں کھانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی ہے جو اس بھوکے کو کھانا کھلائے تو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اس کو اپنے دولت سرا پر لے آئے۔ مخدرہ طاہرہ نے اپنے بچوں کے لئے جو کچھ بچا کے رکھا ہوا تھا۔ وہ اس مہمان کے پیش کیا۔ اور بھوکے بچوں کو تھپک تھپک کر سلا دیا۔ اور چراغ کو خاموش کر دیا گیا۔ تاکہ مہمان بچوں کی اور گھر والوں کی بھوک سے مطلع نہ ہوسکے۔ اور مہمان یہ سمجھتا رہا کہ گھر والے بھی میرے ہمراہ کھا رہے ہیں۔ پس مہمان نے شکم سیر ہو کر کھا لیا اور رات گذر گئی۔ جب صبح سویرے حضرت رسالت پناہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضور مسکرائے اور یہ آیت مجیدہ تلاوت فرمائی (برہان)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا تم میں بہتر وہ ہیں جو سخی ہیں اور بدتر وہ ہیں۔ جو بخیل ہیں۔ اور اس شخص کا ایمان خالص ہے جو مومن بھائیوں سے نیکی کرے اور ان کی حاجات میں کوشش کرے۔ بیشک جو شخص مومن بھائیوں سے حُسن سلوک کرتا ہے وہ اللہ کا پیارا ہوتا ہے۔ اس میں شیطان کی شکست ہے۔ اور یہی چیز جہنم سے دُوری کا سبب اور جنّت میں داخلہ کی موجب ہے۔ آپ نے جمیل بن دراج راوی حدیث سے فرمایا کہ بے شک میری یہ حدیث میرے اچھے اصحاب تک پہنچا دینا۔ راوی نے پُوچھا اچھے اصحاب سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا وہ وہی ہے جو خوش حالی اور تنگدستی کی دو نو حالتوں میں اپنے بھائیوں کی خبرگیری کرتے رہیں۔ پھر فرمایا کہ اہل دولت پر تو یہ بات آسان ہے لیکن خدا نے قرآن مجید میں ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جن کے پاس گنجائش نہیں ہوتی۔ اور اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر دوسروں کی خبرگیری کرتے ہیں اور ایثار سے کام لیتے ہیں۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے گھر میں فاقہ تھا۔ پس رسول اکرمؐ نے ایک دینار عطا فرمایا کہ جا کر خرچ کرو ابھی راستہ میں ہی تھے کہ مقداد سے ملاقات ہوگئی۔ آپ نے مقداد کی حالت پر ترس کھاتے ہوئے وہی دینار اس کو دے دیا۔

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ

(کیونکہ) اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی کی گئی تو ان کی مدد بھی نہ کریں گے

اور خود مسجد میں جا کر سو گئے۔ کچھ دیر کے بعد جناب نبی اکرمؐ مسجد میں گئے تو حضرت علی کو وہاں سوئے ہوئے پایا۔ پس آپ نے جگا کر پوچھا تو حضرت علی علیہ السّلام نے ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے جبریل نے ابھی اطلاع دی ہے اور اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اس قسم کی روایات کتب سیر میں بہت زیادہ منقول ہیں۔

ایک دفعہ حضرت رسالت مآبؐ کے پاس کچھ مال آیا تو آپ نے موجودہ لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد مہاجرین میں سے ایک شخص حاضر ہوا جو تقسیم کے وقت موجود نہ تھا لیکن بہت مسکین تھا۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے کون ہے جو اس کو اپنا حصہ دے دے۔ پس حضرت علی علیہ السّلام نے اس کو اپنا حصّہ دے دیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یا علی ہر نیکی کی طرف سب سے پہلے قدم بڑھانا تیرا کام ہے تو یعسوب المومنین ہے۔ اور مال ظالموں کا یعسوب ہوا کرتا ہے۔ اور ظالم وہ لوگ ہیں جو تیرے اوپر حسد کریں گے اور تیرے خلاف علم بغاوت بلند کر کے تجھے اپنے حق سے پیچھے ہٹا دیں گے (برہان) اور حدیث میں ہے بخل اور ایمان ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے (مجمع)

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا :- یہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے حق میں ہے جو اس صفت کو اپنے اندر رکھتے ہوں جس کا بیان کیا گیا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ انقطاع ہجرت کے بعد اور انصار کے ایمان لانے کے بعد جو لوگ ایمان کی دولت سے سرافراز ہوئے ان کے حق میں یہ آیت اتری ہے۔

رکوع ۵

اَلَمْ تَرَ :- یہ عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کے حق میں اتری کہ جب بنو نضیر کو عہد شکنی کے بعد حضورؐ نے جلاوطنی کی دھمکی دی تو ان منافقوں نے ان کو پیغام بھیجا تھا کہ تم ہرگز نہ گھبراؤ۔ کیونکہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ اگر لڑنا پڑا تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اور اگر وطن چھوڑنا پڑا۔ تب بھی ہم تم سے جدا نہ ہوں گے۔ لیکن جب بنو نضیر پر مسلمانوں نے محاصرہ کر کے دائرہ حیات تنگ کر دیا اور ان کو وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ تو یہ منافق ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھے رہے اور ان کی امداد کو نہ پہنچے۔ پس ان کی اس منافقانہ روش کو قرآن مجید بیان کر رہا ہے۔ اور یہودیوں کو ان کا بھائی اس لئے قرار دیا گیا کہ اسلام دشمنی میں اندرونی طور پر یہ لوگ یہودیوں کے ہم خیال تھے اور دونوں کا مشن ایک تھا۔ ان کا کام صرف یہ تھا کہ کمزور مسلمانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے تھے۔ اور ان کے راز حاصل کر کے یہودیوں سے بیان کرتے تھے اور ہر وقت اہل اسلام کے خلاف زہر اگلنا ان کی عادت تھی لیکن ان میں یہ جرأت نہ تھی کہ اعلانیہ طور پر اسلام کے خلاف آواز اٹھائیں۔ اسی لئے اسلام نے ان کی جان و مال کو محفوظ قرار دیا۔ یہی تو وجہ ہے کہ جب ان کی کسی سازش کا انکشاف ہوتا تھا تو حضورؐ کے سامنے قسمیں کھا کر اپنی صفائی پیش کرتے تھے۔

وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١٢﴾ لَاَنْتُمْ

اور اگر یہ ان کی مدد کریں بھی تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی یقیناً ان کے دلوں

اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا

میں تمہارا ڈر خدا سے بھی زیادہ ہے یہ اس لئے کہ وہ ایسی قوم ہیں کہ سوچتے

يَفْقَهُوْنَ ﴿١٣﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ

نہیں تم سے نہ لڑیں گے اکٹھے ہو کر مگر قلعہ بند بستیوں کے اندر یا دیواروں

اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا

کے پیچھے کھڑے ہو کر ان کی آپس میں دشمنی سخت ہے تم ان کو اکٹھا سمجھتے ہو

وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٤﴾ كَمَثَلِ

حالانکہ ان کے دلوں میں پھوٹ ہے یہ اس لئے کہ وہ عقل نہیں رکھتے جس طرح کہ وہ

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

لوگ جو ان سے پہلے تھے قریب زمانے میں انہوں نے چکھا اپنے معاملے کا وبال اور ان کے لئے دردناک

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ۔ یعنی ان منافقوں میں اتنی جرأت نہیں کہ تم سے اعلانیہ لڑ سکیں یا یہ کہ یہودیوں میں بھی اب ہمت نہ ہوگی کہ تم سے جنگ کریں۔ البتہ اپنے گھروں میں قلعہ بند ہو کر یا دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر اندر سے پتھر پھینکتے رہیں گے سامنے آ کر میدان میں تم سے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اور یہ آیت بنو نضیر کی جلاوطنی سے پہلے کی ہے۔ اور پیشین گوئی ہے۔ جو حرف بحرف سچی ثابت ہوئی۔

بَاْسُهُمْ۔ یعنی اندرونی طور پر یہودیوں کی بھی آپس میں پھوٹ ہے کہ ان کے جسم اکٹھے ہیں۔ اور دل ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں یا یہ کہ منافق اور یہودی آپس میں ایک دوسرے کے دل سے خیر خواہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں بھی صرف ظاہری دوستی ہے ورنہ اندرونی طور پر وہ بھی ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔

مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی بنو نضیر سے پہلے بنو قینقاع بھی ان منافقوں کی چکنی چپڑی باتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں کہ انہوں نے جنگ بدر کی واپسی پر مسلمانوں سے کیا ہوا عہد توڑ دیا تھا۔ پس ان کو جلاوطن ہونا پڑا تھا۔ اس وقت بھی عبداللہ بن ابی منافق نے ان کو پیغام بھیجا تھا کہ ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اور خدا فرماتا ہے یہ بعینہٖ شیطانی چال ہے۔ کہ

اَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ

عذاب ہے جس طرح کہ شیطان جب انسان کو کہتا ہے کہ کفر کر پس جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو کہتا ہے

بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۷﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ

کہ میں تجھ سے بیزار ہوں میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو عالمین کا پروردگار ہے پس دونو کا انجام یہ ہوگا کہ دونو

اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ ع ۵

جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ سزا ہے ظالم لوگوں کی

شیطان کا بھی یہی دستور ہے کہ گناہ پر آمادہ کرتا ہے اور جب کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے تو شیطان اس سے بری ہو جاتا ہے۔ پس گمراہ کرنے والے اور گمراہ ہونے والے دونو کا آخرت میں انجام ایک ہوگا کہ وہ ہمیشہ عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ شیطان اگرچہ بالعموم ہر انسان کو گناہ کی دعوت دیتا ہے۔ اور انسان کے گناہ

حکایت عابد کرنے کے بعد وہ خود اس سے بری بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اس مقام پر ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ یہ کہ بنی اسرائیل میں ایک راہب عبادت گزار تھا جس کا نام برصیصا تھا۔ وہ ایک مدتِ مدیدہ تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہا یہاں تک کہ وہ مستجاب الدعوہ سمجھا جاتا تھا اگر دیوانگی کے مریض اس کے پاس لائے جاتے تو اس کے تعویذ و دعا سے وہ تندرست ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک حسین و جمیل نوجوان عورت کو دیوانگی کا مرض لاحق ہوا تو شہرت کی بنا پر اس کو اپنے بھائی اس عابد کے پاس لے گئے اور علاج کے لئے وہاں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ شیطان نے مقام خلوت میں اس عابد کو گمراہ کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ اس نے اس عورت سے زنا کا ارتکاب کیا۔ اور وہ عورت حاملہ ہوگئی۔ جب اس کا حمل ظاہر ہوگیا تو بدنامی کے ڈر سے اس نے اس عورت کو قتل کر کے دفن کر دیا۔ شیطان نے انسانی شکل اختیار کر کے اس مقتولہ عورت کے بھائیوں میں سے ایک ایک کو عابد کا وہ کرتوت بتانا شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ بھائی جب ایکدوسرے سے ملتے تو یہ آپس میں تذکرہ کرتے تھے کہ ایک اجنبی قسم کے انسان نے ایسی خبر کا انکشاف کیا ہے جو ماننے کے قابل ہی نہیں اور یہ خبر پھیلتے پھیلتے بادشاہ وقت تک پہنچ گئی۔ چنانچہ شاہی حکم سے جب تفتیش شروع ہوئی تو عابد نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ پس اس کے لئے بادشاہ نے سزائے موت کا آرڈر دے دیا اور سولی پر لٹکانے کا حکم صادر کر دیا۔ اسی اثنا میں پھر شیطان ایک انسانی شکل میں اس کے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ میں نے تجھے اس مصیبت میں گرفتار کیا ہے اگر اب تو میرا حکم مان لے تو میں تجھے اس مصیبت سے چھڑا سکتا ہوں۔ عابد نے کہا میں اطاعت کے لئے تیار ہوں تو شیطان نے کہا میرا سجدہ کر لو۔ عابد نے کہا اب تو میں زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں۔ کیسے سجدہ کروں۔ پس شیطان نے کہا کہ اشارے سے سجدہ کر لینا ہی کافی ہے پس اس بدنصیب نے سولی پر لٹکتے ہوئے شیطان کا سجدہ کر لیا اور کفر کی موت مر گیا۔ پس اس حکایت کی طرف اشارہ کر کے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ کل (قیامت) کے لئے کیا بھیج رہا ہے اور

اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

اللہ سے ڈرو تحقیق اللہ تمہارے عمل سے آگاہ ہے اور نہ ہو مثل ان لوگوں کے جنہوں نے اللہ

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٢٠﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ

کو بھلا دیا پس اس نے ان کو اپنے نفس بھلا دئے ایسے لوگ ہی فاسق ہوتے ہیں نہیں برابر

اللہ فرماتا ہے کہ یہودیوں کا عبداللہ بن اُبی منافق کے مشورہ پر عمل کرنا بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح عابد نے شیطان کے مشورے پر عمل کیا تھا۔ اور بعض مفسرین نے اس کو مشرکین مکہ کی مثال قرار دیا ہے کہ جنگ بدر پر شیطان نے ان کو اکسایا۔ لیکن جب مسلمانوں کی مدد کے لئے ملائکہ کی افواج کو دیکھا تو بھاگ نکلا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ پس ایسے لوگوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب اور رسوائی دائمی کے وہ مستحق ہوا کرتے ہیں۔

رکوع ۶

اتَّقُوا اللّٰهَ - پہلی دفعہ اتَّقُوا اللّٰهَ سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو۔ اور گذشتہ گناہوں سے توبہ کرلو۔ اور دوسری دفعہ سے مراد یہ ہے کہ خدا سے ڈرو اور آیندہ گناہوں کے قریب نہ جاؤ۔ اور دنیا میں زیادہ انہماک کے بجائے اپنے اعمال کا جائزہ لو۔ اور یہ معلوم کرو کہ ہم نے قیامت کے لئے کون کونسے اعمال کئے ہیں کیا وہ ہمیں جنت میں لے جائیں گے یا جہنم کے موجب بنیں گے۔

نَسُوا اللّٰهَ - یعنی جن لوگوں نے اللہ کے ذکر کو دنیا میں فراموش کر دیا۔ ان کو قیامت کے روز خدا ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ ان کو اپنے نفس بھول جائیں گے۔ یعنی وہ ایک دوسرے کو بھول جائیں گے کسی کو کسی کی خبر تک نہ ہوگی۔

حضرت علیؑ اور ان کے شیعہ فائزون ہیں

لَا يَسْتَوِيْٓ :- عطیہ بن سعد عوفی بیان کرتا ہے کہ مجھے مخدوج بن یزید ذہلی نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ہم چند آدمیوں نے حضورؐ سے اس آیت مجیدہ کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اصحاب الجنۃ وہ لوگ ہیں جنہوں نے میری اطاعت کی اور علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میرے بعد حضرت علی کی اطاعت کی۔ پس فرمایا عَلِيٌّ مِّنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ فَمَنْ حَادَّهٗ فَقَدْ حَادَّنِيْ وَمَنْ حَادَّنِيْ فَقَدْ اَسْخَطَ اللّٰهَ ۔ یعنی علی مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ جو اس سے روگردانی کرے گا گویا اس نے مجھ سے روگردانی کی۔ اور جس نے مجھ سے روگردانی کی اس نے اللہ کو ناراض کیا۔ اس کے بعد فرمایا۔ يَا عَلِيُّ حَرْبُكَ حَرْبِيْ وَسِلْمُكَ سِلْمِيْ وَاَنْتَ الْعَلَمُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اُمَّتِيْ ۔ یعنی اے علیؑ تیری لڑائی میری

أَصْحٰبُ النَّارِ وَأَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

دوزخ والے اور جنّت والے اصحاب الجنۃ (جنت والے) ہی کامیاب ہیں

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ

اگر ہم اتارتے اس قرآن کو پہاڑ پر تو تُو دیکھتا کہ اللہ کے ڈر سے خشوع کرتے ہوئے

خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

پھٹ جاتا اور لوگوں کے لئے یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں تاکہ فکر کریں

لڑائی، اور تیری صلح میری صلح ہے۔ اور میرے اور میری اُمت کے درمیان نشان ہے۔ راوی حدیث عطیہ کہتا ہے کہ اس کے بعد میں زید بن ارقم کے گھر گیا۔ اور میں نے بیان کیا کہ مخدوج بن یزید سے میں یہ حدیث سُنی ہے تو زید بن ارقم کہنے لگا کہ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ حضورؐ کی یہ حدیث سُننے والے میرے علاوہ سب ختم ہو چکے ہیں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضورؐ نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی لیکن رسول اللہ کے بعض صحابہ نے یہ حدیث سُن کر بھی حضرت علیؑ سے روگردانی اختیار کر لی تھی۔

حضرت اُمّ المومنین ام سلمہ رضؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے مجھے یہ آیت پڑھائی تو میں نے دریافت کیا اصحاب نار کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا علیؑ اور اولادِ علیؑ کے ساتھ بغض رکھنے والے اور ان کی توہین کرنے والے۔ پھر میں نے عرض کی حضورؐ! فائزون کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا حضرت علی علیہ السلام کے شیعہ ہیں۔

جابر سے مروی ہے کہ بیت اللہ کے پاس ایک دفعہ ہم رسول اللہ کے پاس موجود تھے کہ اتنے میں حضرت علیؑ بھی آگئے آپ نے فرمایا کہ میرا بھائی علی آگیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ کعبہ کی طرف بڑھایا اور فرمایا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہ اور اس کے شیعہ ہی کامیاب ہوں گے۔ اور دوسری روایت میں ان الفاظ کا اضافہ بھی موجود ہے کہ یہ ایمان کے لحاظ سے سب سے اول اللہ کے عہد کو پورا کرنے والا اللہ کے احکام کو قائم کرنے والا رعایا میں عدل کرنے والا برابر کی تقسیم کرنے والا اور اللہ کے نزدیک عظیم المرتبت شخصیت کا مالک ہے اور پیغمبر کی یہ حدیث صرف شیعہ کتب میں نہیں بلکہ اہل سنت کی کتب میں بھی بکثرت منقول ہے۔ یہاں تک کہ ابن حجر مکی جیسے متعصب قسم کے مصنف نے بھی اپنی کتاب صواعق محرقہ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ اے علی تو اور تیرے شیعہ ہی بروز محشر چھٹکارا پانے والے ہوں گے۔ اور حضرت علی علیہ السّلام کا قسیم الجنّۃ والنار ہونا بھی اسی سے صاف طور پر واضح ہے کہ جو لوگ حضرت علی علیہ السّلام کے اطاعت گذار ہوں گے وہ جنت میں جائیں گے۔ اور جو لوگ آپ کی مخالفت کریں گے اور ان سے عداوت رکھیں گے وہ جہنم میں جائیں گے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۖ هُوَ الرَّحْمٰنُ

وہ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں عیب اور شہادت کے جاننے والا ہے وہ رحمان و

الرَّحِيمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ

رحیم ہے وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ملک قدوس

السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَانَ اللّٰهِ

سلام مومن مہیمن عزیز جبار متکبر ہے پاک ہے اللہ

عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٢٣﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ

اس سے جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ اللہ خالق باری مصور ہے جس کے اچھے

الْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٤﴾

نام ہیں اس کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ شی جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے

لو انزلنا مقصد یہ ہے کہ قرآن میں ایقان و عرفان پر مشتمل جس قدر حقائق بیان کئے گئے اور ناقابل تردید براہین سے جس طرح دعوت حقہ کو قابل قبول انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ نیز حسن اسلوب کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی عمدگی اور مشرکانہ رسوم کے غلط نتائج کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اگر اس کو پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو وہ اپنے عظیم اور سخت جسم کے باوجود اس کی تاب برداشت نہ لاتے ہوئے پھٹ جاتا۔ یعنی اس کی مخالفت پر ہرگز ہرگز کمربستہ نہ ہوتا۔ لیکن ان کافر و مشرک لوگوں کے دل اس قدر سخت ہیں کہ باوجود حقائق قرآنیہ سننے اور سمجھنے کے اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہیں آتے۔ اور بعضوں نے بیان کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صدق بیانی اور معجز بیانی نیز فصاحت و بلاغت پر مشتمل کلام سے پہاڑ پھٹ جانے کی صلاحیت رکھتے ہوتے تو یقیناً پھٹ جاتے لیکن کفار و مشرکین کے دل پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہیں کہ ان کو حقائق قرآنیہ کا ذرّہ بھر بھی اثر نہیں ہوتا۔

اسم اعظم جناب نبی کریمؐ سے اسم اعظم کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا آخر سورہ حشر کی تلاوت کیا کرو۔ اور منقول ہے۔ کہ جو شخص آخر سورہ حشر کو دن یا رات میں پڑھے اور مر جائے تو اس پر[1] جنّت واجب ہے ایک روایت میں ہے کہ جو شخص لَوْ اَنْزَلْنَا سے لے کر آخر تک پڑھے اور مر جائے تو وہ[2] شہید مرتا ہے۔ ایک شخص نے حضورؐ سے اپنے بہرے پن[3] کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ کان پہ ہاتھ رکھ کر سورہ حشر کی آخری آیتیں پڑھا کر،

اور جابر بن یزید جعفی کہتا ہے کہ مجھے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر درد پر سورہ حشر کی آخری آیتیں پڑھ کر تھوک دو اور تین بار ایسا کرو وہ ساکن ہو جائے گا باذن اللہ اور مکارم الاخلاق سے منقول ہے کہ ایک ٹکڑا نمک کا لے کے چھید کر اور پر تین دفعہ سورہ حشر کی آخری آیتیں پڑھے اور اس کو تنور میں ڈال کر جلدی واپس آجائے تو باذن پروردگار مسے دور ہو جائیں گے۔ اور منقول ہے کہ سورہ حشر کی آخری آیتوں کو جنات کی اذیت دور کرنے کے لئے پڑھا جائے تو فائدہ مند ہے (فوائد القرآن)

اسمائے پروردگار

اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت نے فرمایا اللہ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو شمار کرے جنت میں جائے گا۔ اور وہ یہ ہیں۔

اَللّٰہُ اَلْاِلٰہُ اَلْوَاحِدُ اَلْاَحَدُ الصَّمَدُ اَلْاَوَّلُ اَلْاٰخِرُ السمیع البصیرُ القَدِیْرُ اَلْقَاہِرُ المَعَلِیُّ اَلْاَعْلٰی البَاقِی اَلْبَدِیْعُ اَلْبَارِیُٔ اَلْاَکْرَمُ الظَّاہِرُ اَلْبَاطِنُ الحیُّ الحکیم العلیم الحلیم الحفیظ الحق الحسیب الحَمِیْدُ الحفیُّ الرَّبُّ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ الذَّارِیُٔ الرَّازِقُ الرَّقِیْبُ الرَّءُوْفُ الرَّائِی اَلْبَارُّ السَّلَامُ المومن المھیمن العزیز الجبّارُ المتکبّرُ السیّد السبّوح الشھیدُ الصَّادِقُ الصَّانِعُ الطَّاہِرُ العَدْلُ العَفُوُّ الغَفُوْرُ الْغَنِیُّ الغِیَاثُ الفَاطِرُ الفَردُ الفَتَّاحُ الفالِقُ القَدِیْمُ المَلِکُ اَلْقُدُّوْسُ اَلْقَوِیُّ اَلْقَرِیْبُ اَلْقَیُّوْمُ القَابِضُ الباسط قاضی الحاجات المَجِیْدُ المَوْلَی المَنَّانُ المحیط المبین المقیتُ المصوّر الکریم الکبیر الکافی کاشف الضّرّ الوتر النور الوھّابُ النَّاصِرُ الواسع الوَدُوْدُ الھادی الوفیّ الوکیل الوارثُ البرّ الباعث التوّابُ الجلیل الجوّاد الخبیر الخالق خیر الناصرین الدیّان الشکور العظیم اللطیف الشافی

دوسری روایت میں ہے حضورؐ نے فرمایا اللہ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو شمار کرے گا جنّت میں جائے گا اور اہل علم کے نزدیک ان کے شروع کرنے کا طریقہ یہ ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَبِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی اَللّٰہُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاہِرُ الْبَاطِنُ الْخَالِقُ الْمُصَوِّرُ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ الْبَارِیُٔ الْمُتَعَالِی الْجَلِیْلُ الْجَمِیْلُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْقَادِرُ الْقَاہِرُ الْحَکِیْمُ الْقَرِیْبُ الْمُجِیْبُ الْغَنِیُّ الْوَھَّابُ الْوَدُوْدُ الشَّکُوْرُ الْمَاجِدُ الْاَحَدُ الْوَلِیُّ الْمُرْشِدُ الْغَفُوْرُ الْکَرِیْمُ الْحَلِیْمُ التَّوَّابُ الرَّبُّ الْمَجِیْدُ الْحَمِیْدُ الْوَفِیُّ الشَّھِیْدُ الْمُبِیْنُ الْبُرْھَانُ الرَّءُوْفُ الْمُبْدِیُٔ الْمُعِیْدُ الْبَاعِثُ الْوَارِثُ الْقَوِیُّ الشَّدِیْدُ الضَّارُّ النَّافِعُ الْوَافِی الْحَافِظُ الرَّافِعُ الْقَابِضُ

اَلبَاسِطُ المُعِزُّ المُذِلُّ الرَّازِقُ ذُوالقُوَّةِ المَتِينُ القَائِمُ الوَكِيلُ الجَامِعُ العَادِلُ المُعطِي المُحيِي المُمِيتُ الكَافِي الهَادِي الاَبَدُ الصَّادِقُ النُّورُ القَدِيمُ الحَقُّ الفَردُ الوِترُ الوَاسِعُ المُحصِي المُقتَدِرُ المُقَدِّمُ المُؤَخِّرُ المُنتَقِمُ البَدِيعُ۔

عَالِمُ الغَيبِ وَالشَّهَادَةِ :۔ اس کے مفسرین نے چار معانی بیان کئے ہیں۔

(۱) غیب سے مراد وہ اُمور جو بندوں کے ادراک سے باہر ہیں اور شہادت سے مراد وہ چیزیں جن کو بندے مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

(۲) غیب سے مراد وہ امُور اور وہ مطالب ہیں جو حواس سے ادراک کرنے کے قابل نہ ہوں۔ اور شہادت سے مراد وہ مطالب ہیں جن کو حواس کے ذریعے سے ادراک کیا جائے (۳) غیب سے مراد راز کی باتیں اور شہادت سے مراد اعلانیہ امُور

(۴) امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے غیب سے مراد وہ حقائق و امور جو ابھی تک زیورِ وجود سے آراستہ نہ ہو چکے ہوں۔ اور شہادت سے مُراد وہ حقائق جو وجود میں آچکے ہوں۔ اور تمام تعبیروں کا مقصد ایک ہے اور وہ یہ کہ کائنات کے تمام معلومات کا وہ عالم ہے اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

رَحمٰنُ :۔ تمام مخلوق خواہ مومن ہوں یا کافر سب پر رحم کرنے والا۔

رَحِیمٌ :۔ بالخصوص مومنوں پر رحم کرنے والا کیونکہ دنیا میں وہ رحمان ہے اور آخرت میں رحیم ہے۔

اَلقُدُّوسُ :۔ یعنی ہر عیب و نقص سے پاک و منزّہ ہے۔ نیز شریک و اولاد سے مبرّا اور صفاتِ مخلوق سے بالاتر ہے

اَلسَّلَامُ :۔ ہر عیب سے سالم و محفوظ ہے یا یہ کہ اس کے بندے اس کے ظلم سے محفوظ ہیں کیونکہ وہ ظالم نہیں ہے

المومن :۔ امن دینے والا ہے یا یہ کہ وہ خود اپنی توحید پر ایمان و یقین رکھنے والا ہے۔

المھیمن :۔ وہ امین جو کسی کی امانت کو ضائع نہیں کرتا۔ نیز اس کا معنی شاہد اور مومن بھی کیا گیا ہے۔ اور اس کا معنی رقیب یعنی نگہبان بھی وارد ہے۔ هَيمَنَ يُهَيمِنُ فَهُوَ مُهَيمِنٌ۔ اور کہتے ہیں ا مَنَ يُؤمِنُ سے بنا ہے۔

العَزِيزُ :۔ وہ قادر جو کبھی مغلوب نہ ہو۔

الجَبَّارُ :۔ عظیم الشان بادشاہ کو کہا جاتا ہے۔ اور علی الاطلاق۔ یہ نام صرف اللہ کے لئے بولا جاتا ہے کیونکہ یہ نام اس پر اطلاق ہوتا ہے کہ سب اس کے نیچے ہوں۔ اور اس کے مقابلہ کی تاب کسی میں نہ ہو۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ جبر سے ہے جس کا معنی اصلاح ہے پس جبّار کا معنی اصلاح کرنے والا۔

المتکبّر۔ وہ ذات جو صفاتِ عظمت کی مستحق ہے۔ اور ہر بُری صفت سے بلند و بالا ہے۔

الخالق۔ یعنی اجسام و اغراض سب کو کتمِ عدم سے خلعتِ وجود بخشنے والا ہے۔

البارِی :۔ یعنی سب کا ایجاد کرنے والا ہے۔ اور بغیر کسی مادہ کے ان کو پیدا کرنے والا ہے۔
المصوّر :۔ یعنی تمام موجودات کو اپنی مخصوص صورتیں اور شکلیں عطا کرنے والا ہے۔
ابن عباس سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا اللہ کا اسم اعظم سورہ حشر کی آخری چھ آیتوں میں ہے۔

سورہ الممتحنہ

یہ سورہ مدنیہ ہے اور اس کی آیات کی کل تعداد بسم اللہ سمیت چودہ ہے۔
اس سورہ مجیدہ کا نام سورۂ مودّت بھی ہے۔
تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جو شخص اس سورہ کی تلاوت کریگا تمام مومن مرد عورتیں بروز محشر اس کی شفاعت کریں گے۔
امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اپنے فرائض و نوافل میں اس سورہ کو پڑھے تو اس کا دل ایمان کی کسوٹی پر پورا اُترے گا اس کی آنکھ میں نور بڑھ جائے گا اور اس کو فکر لاحق نہ ہوگا اور نہ اس کے بدن یا اس کی اولاد میں جنون ہوگا۔
تفسیر برہان میں ہے جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا جو شخص اس سورہ کو پڑھے اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں اور اس کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اگر اسی دن یا رات میں مریگا تو شہید مریگا اور تمام مومن بروز قیامت اس کے شفیع ہوں گے۔
جو شخص اس کو لکھ کر تین دن متواتر پئے ا تو تلی کی تکلیف سے نجات پائیگا نہ اس میں زیادتی ہوگی نہ درد رہے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں) اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو

وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ

دوست کہ ان کی طرف محبت کے پیغامات بھیجتے رہو حالانکہ انہوں نے حق کا انکار کیا

رکوع ۶

لَا تَتَّخِذُوْا ۔ یہ آیت شانِ نزول کے لحاظ سے حاطب بن ابی بلتعہ کے ساتھ مخصوص ہے اگرچہ اسکی تاویل عام ہے اور باطن کے لحاظ سے ہر اُس آدمی پر صادق آسکتی ہے جس میں اس جیسی غلطی پائی جائے ۔ واقعہ یہ ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ میں آچکا تھا اور اس کا باقی خاندان سارے کا سارا مکہ میں تھا اور قریش کو ہر وقت یہ خوف دامنگیر رہتا تھا کہ حضرت رسولِ کریمؐ ان پر کہیں اچانک حملہ نہ کر دیں چنانچہ انہوں نے حاطب کے قریبی رشتہ داروں سے خواہش کی کہ حاطب سے خط لکھ کر دریافت کیا جائے ۔ کہ کیا رسول کریمؐ کا مکہ والوں سے لڑنے کا کوئی ارادہ ہے یا نہیں ؟ چنانچہ انہوں نے اسی مضمون کا خط حاطب کو لکھا ۔ ادھر جنگ بدر کے ۲ سال بعد ایک عورت سارہ نامی یا صفیہ نامی مدینہ میں پہنچی حضورؐ نے پوچھا کیا تو مہاجر ہے ؟ اس نے کہا نہیں ۔ پھر پوچھا کیا تو مسلمان ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں ۔ آپ نے فرمایا تیرے یہاں آنے کی غرض کیا ہے ۔ اُس نے کہا آپ لوگ بلند خاندان کے افراد ہیں اور میرے خاندان والے سردار ختم ہو گئے ہیں مصیبت کی ماری ہوئی آپ سے خیرات لینے آئی ہوں ۔ چونکہ یہ عورت مکہ میں گانے میں شہرت رکھتی تھی ۔ آپ نے دریافت کیا کہ مکہ کے نوجوان کہاں گئے جو تم سے گانا سُنتے تو کہنے لگی جنگ بدر کے بعد کسی نے مجھ سے گانا سُننے کی خواہش نہیں کی پس آپ نے حضرت عبدالمطلب کی اولاد کو حکم دیا کہ اس کی امداد کی جائے چنانچہ اس کے لئے کافی چندہ جمع ہو گیا ۔ اور ان دنوں میں حضورؐ مکہ پر چڑھائی کے لئے تیاری کر رہے تھے ۔ جب وہ عورت واپس مکہ کی طرف جانے لگی تو حاطب کو موقع مل گیا اور اس نے خط لکھ کر اسی عورت کے حوالے کیا اور دس دینار یا دس درہم اس کو امداد کے طور پر بھی دئے اور مکہ والوں کو صاف لکھا کہ حضرت نبی کریمؐ تم پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں لہٰذا تم ہوشیار رہو ۔ چنانچہ وہ عورت خط لیکر روانہ ہوئی تو ادھر جبریل نے حضورؐ کو اطلاع دیدی پس آپ نے سات آدمیوں کو اس کے تعاقب میں روانہ فرمایا جن کے نام یہ ہیں ۔ حضرت علی ۔ عمار ۔ عمر ۔ زبیر ۔ طلحہ ۔ مقداد اور ابو مرثد اور یہ سب شہسوار تھے ۔ حضورؐ نے ان کو ہدایت کی ۔ کہ جلدی سے چلے جاؤ ۔ روضۂ خاخ میں تم اس عورت کو پاؤ گے جس کے پاس حاطب کا خط ہے اُس سے خط چھین لینا اور واپس آجانا چنانچہ اسی مقام پر انہوں نے اس عورت کو جا لیا اور تفتیش کی لیکن وہ خط دستیاب نہ ہوا ۔ اور عورت نے بھی اللہ کی قسم کھائی کہ میرے پاس خط نہیں ہے انہوں نے ناکام واپس آنیکا ارادہ کر لیا تو حضرت علی نے فرمایا جس نے ہمیں خبر دی ہے اس کی خبر میں جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا اس کے بعد تلوار نیام سے نکال کر عورت کو دھمکی دیکر فرمایا کہ خط نکالو ورنہ تمہارا سر قلم کر دونگا ۔ تب اُس نے خط کا اقرار کیا اور اپنے سر کے بالوں سے اسے نکال کر آپ کے حوالے کیا پس وہ خط حضرت رسول کریمؐ کے پیش کیا گیا ۔ حضورؐ نے حاطب کو بلوایا ۔ جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے وہ خط پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم اس خط کو پہچانتے ہو ۔ اُس نے عرض کی جی ہاں : تو آپ نے فرمایا اس کا جواب دو کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی ہے ؟ اس نے

مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

جو تمہارے پاس پہنچا انہوں نے رسول کو اور تم کو اس لئے نکالدیا کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان رکھتے تھے اگر تم

بیان دیا کہ حضور! میں جب سے مسلمان ہوا ہوں نہ کبھی کفر کیا اور نہ آپ سے دھوکا کیا ہے۔ نہ منافق ہوں اور نہ میں نے دین تبدیل کیا ہے۔ پھر اس نے کلمہ شہادتین کو زبان پر جاری کیا اور کہنے لگا کہ باقی مہاجرین جس قدر موجود ہیں مکہ میں ان کے قبیلہ کے آدمی موجود ہیں جو ان کے مکہ میں پس ماندگان کی نگہداشت کر سکتے ہیں لیکن میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ مکہ میں میرا کوئی قبیلہ نہیں جو میرے افراد خانہ کی محافظت کر سکے لہٰذا وہ صرف قریش مکہ کے رحم وکرم پر وہاں زندگی کے دن گذار رہے ہیں۔ اور مجھے گھر والوں نے بذریعہ خط اطلاع دی ہے کہ اہل مکہ ہمارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آ رہے ہیں۔ پس میں نے یہ خط صرف اس لئے لکھا ہے تاکہ میرا ان پر احسان قائم ہو جائے۔ اور یا رسول اللہ میں جانتا ہوں کہ اللہ کا عذاب اُن کے سروں سے ٹل نہیں سکتا۔ اور میرا خط ان کو اللہ کی گرفت سے بچا نہیں سکتا لہٰذا میں نے یہ جرأت کر لی ہے۔ پس حضورؐ نے حاطب کی بات کو قبول کرتے ہوئے اسکی غلطی کو معاف کر دیا یہ سن کر حضرت عمر کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کی حضورؐ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کا سر قلم کر دوں۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے عمر یہ اہل بدر سے ہے۔ شاید اللہ نے اسکا گناہ معاف کر دیا ہو۔ اس کے تحت میں شیخ ابوالحسن محشی مجمع البیان تحریر فرماتے ہیں کہ بدری ہونیکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اگر بعد میں اللہ کی ناراضگی پر کمر بستہ ہو جائے۔ تب بھی اس کو عذاب نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے اہل سنت کے مشہور و معروف مؤرخ محقق کا قول نقل کیا کہ اہل بدر ہونیکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اگر وہ کافر ہو جائے تب بھی جہنم کا مستحق نہ ہو۔ البتہ جس کے متعلق یہ یقین ہو کہ اس سے توبہ سرزد ہو گی تو اللہ اس کے قتل کا حکم نہیں دیا کرتا اور شاید یہ حاطب انہی لوگوں میں سے ہو جن کی توبہ کا اللہ کو علم تھا لہٰذا اصحاب میں سے وہ گروہ جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی لیکن پیغمبر اسلام کے بعد پیغمبر کی وصیت پر ثابت قدم نہ رہے اور آلِ رسول کی ایذا کے درپے ہوئے اور آخر عمر تک اس پر ڈٹے رہے وہ یقیناً ان رعایات کے مستحق نہیں ہیں البتہ جن کے متعلق ثابت ہو جائے کہ انہوں نے غلطی کے بعد توبہ کر لی تھی تو انکی بخشش کی اُمید کیجا سکتی ہے

اَنْ تُؤْمِنُوْا۔ اس کا مضاف محذوف ہے یعنی كَرَاهَةَ اَنْ تُؤْمِنُوْا اور يُخْرِجُوْنَ کا مفعول لہ ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ:۔ اس کی جزا محذوف ہے یعنی اگر تم لوگ خوشنودی خدا کے لئے نکالے گئے ہو تو اس نیک ارادے پر قائم رہو۔

بِالْمَوَدَّةِ ؏ ۲۶۶ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ تم خفیہ طور پر ان کو اپنی دوستی کی یقین دہانی کراتے ہو اور اگر بِالْمَوَدَّةِ کی باء کو تعلیلیہ قرار دیا جائے تو دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم ان کو راز کی باتیں بتاتے ہو اس لئے کہ اندرونی طور پر تمہاری اور ان کی دوستی قائم ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْهُ ؏ ۲۶۶ :۔ یعنی گذشتہ گناہ تو معاف کر دیا گیا آئندہ جو بھی ایسی حرکت کریگا اسکو معافی نہ دی جائیگی اور یہ تنبیہ ہے۔

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ ؏ ۲۶۶ :۔ یعنی تمہاری رواداری کی حالت یہ ہے کہ ان کو خاص خبریں بھیجتے ہو لیکن اُن کے کفر کا یہ عالم ہے کہ اگر خدانخواستہ اُنکو تم پر غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ تمہاری گالی گلوچ اور قتل و غارت سے ہرگز باز نہ آئیں گے۔

يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؏ ۲۶۶ :۔ یعنی وہ اولاد اور رشتہ دار جن کی خاطر تم کفار سے تعلقات وابستہ کرتے ہو قیامت کے دن وہ تمہارے کام نہ

خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا

جہاد کے لئے ہی نکلے ہو میرے راستہ میں اور میری رضا کی چاہت میں (تو ڈٹ جاؤ) تم پوشیدہ طور پر ان سے اپنی دوستی ظاہر کرتے ہو حالانکہ میں جانتا

أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ

ہوں جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور (آئندہ) جو تم میں سے ایسا کریگا تو سیدھے راہ سے گمراہ قرار دیا

السَّبِيلِ ⑴ إِنْ يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ

جائے گا اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو تمہارے دشمن ہوں گے اور تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کی

وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ⑵ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا

نیت سے بڑھائیں گے اور وہ چاہتے ہیں کہ تم (پلٹ کر) کافر ہو جاؤ ہرگز تمہیں اپنی رشتہ داریاں اور اولادیں قیامت کے دن

أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ⑶ قَدْ

فائدہ نہ دیں گی خدا تم میں جدائی ڈال دے گا اور اللہ اس سے مطلع ہے جو تم کرتے ہو تمہارے

كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا

لیے اچھا نمونہ ہے حضرت ابراہیمؑ اور وہ لوگ جو ان کے ہمراہ تھے جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہدیا تھا کہ ہم تم

بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ

سے اور ان سے جن کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو بری ہیں ہم تمہارے مذہب کا انکار کرتے ہیں اور تمہارے اور ہمارے درمیان

الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ

دشمنی اور بغض ہمیشہ کے لئے قائم ہو چکا ہے یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لاؤ مگر ابراہیم کا اپنے

آئیں گے کیونکہ اس دن بہشتی بہشت میں ہوگا اور رشتہ دار کافر دوزخ میں ہوگا اور ان دونوں کے درمیان مکمل جدائی ڈال دی جائے گی۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ : تمام مومنوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت پر چلنے کی دعوت دی گئی ہے کہ انہوں نے دین خدا کی خاطر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صاف اعلان فرما دیا تھا کہ ہم تم سے بالکل الگ تھلگ ہیں پس مسلمانوں کو بھی ایسی ہی جرأت کا مظاہرہ کرنا چاہئیے۔

إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ - یعنی باقی ہر بات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت حسنہ پر چلو لیکن یہ کہ اپنے کافر رشتہ داروں کے لئے بخشش کی دعا مانگنے میں ان کے پیچھے نہ چلو کیونکہ انہوں نے آذر کے لئے دعائے مغفرت اس وعدہ کے ماتحت کی تھی جو پہلے کر چکے تھے اور

لِاَبِيۡهِ لَاَسۡتَغۡفِرَنَّ لَكَ وَمَاۤ اَمۡلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ؕ رَبَّنَا عَلَيۡكَ

باپ (چچا) کے لئے یہ کہنا کہ میں تیری بخشش کی دعا کرونگا اور میں نہیں مالک تیرے لئے اللہ سے کسی شی کا اے ہمارے رب تجھ پر ہماری

تَوَكَّلۡنَا وَاِلَيۡكَ اَنَـبۡنَا وَاِلَيۡكَ الۡمَصِيۡرُ ۞ ۵ رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ

توکل ہے اور تیری طرف بازگشت ہے اور تیری طرف پلٹنا ہے اے ہمارے رب ہمیں نہ بنا آزمائش ان کے لئے جو کافر ہیں

كَفَرُوۡا وَاغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا‌ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۞ ۶ لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ

اور ہمیں بخش دے اے رب تحقیق تو غالب حکمت والا ہے تحقیق تمہارے لئے ان

فِيۡهِمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ‌ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ

لوگوں میں اچھا نمونہ تھا ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتے ہوں اور جو منہ پھیرلے تو

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ۞ ۷ ع عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّجۡعَلَ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَ الَّذِيۡنَ

تحقیق اللہ بے نیاز قابلِ حمد ہے شاید اللہ کردے تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جو ان میں سے

کہتے ہیں کہ آذر[1] کا رویّہ منافقانہ تھا۔ ظاہر میں وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ساتھ ایماندار تھا اور باطن میں وہ کافر تھا اور اسی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اُن کے لئے بخشش کی دعا کی تھی لیکن جب آذر کے کفر کا مکمّل انکشاف ہوگیا تو حضرت ابراہیمؑ اس سے بالکل بری ہوگئے اور صاف کہہ دیا کہ میں تیرے لئے اللہ کی جانب سے کسی شی کی ضمانت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا۔ ظاہراً یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے کہ اے پروردگار ہمیں کافروں کے لئے باعث فتنہ و آزمائش نہ قرار دے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تو ہمیں اپنی جانب سے کوئی مصیبت یا فقر و فاقہ دیگا تو کفار کو کہنے کا موقعہ مل جائیگا کہ اگر وہ حق پر ہوتے تو گرفتارِ بلا کیوں ہوتے۔ لہٰذا تو ان کو یہ بات کہنے کا موقعہ نہ دے یا یہ کہ ان کو ہمارے اُوپر غلبہ دیکر مسلّط نہ کر یا یہ کہ تو مہربانی فرما کہ اگر وہ ہم پر ظلم و تشدّد کریں تو ہم صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے تیرے دین کی تبلیغ میں سستی نہ کریں۔

لِمَنۡ كَانَ :۔ یہ بدل ہے لَكُمۡ سے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت ان لوگوں کے لئے اُسوۂ حسنہ ہے جو تم میں سے اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہوں۔

رکوع ۵

عَسَى اللّٰهُ :۔ مقصد یہ ہے کہ تم لوگ ان کی کفر کی حالت میں ان سے دوستانہ تعلّقات قائم نہ کرو کیونکہ اس سے ان کو اپنے کفر کی تائید ملتی ہے بلکہ تمہارا فرض ہے کہ اپنے اسلامی منشور پر ڈٹ کر رہو اور ان سے بائیکاٹ کو قائم رکھو۔ اور اللہ سے اُمید رکھو کہ ان کو ایمان کی دولت نصیب کرے تاکہ تمہاری اور ان کی دشمنی صحیح معنوں میں دوستی سے بدل جائے اور اللہ کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے۔ اور ایسی صورت میں خدا انکی سابق لغزشیں معاف کردیگا کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

[1] آذر حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا نہ کہ باپ اور اس کی مزید وضاحت تفسیر کی جلد ۹ ص ۱۵۱ پر دیکھئے۔ دوسرا ایڈیشن

عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۸ لَا يَنْهٰىكُمُ

تمہارے دشمن ہیں دوستی — اور اللہ قادر ہے — اور اللہ غفور رحیم ہے — نہیں منع کرتا

اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

اللہ تم کو اُن لوگوں سے جو دین کے معاملہ میں تم سے نہیں لڑتے اور نہ تم کو انہوں نے گھروں سے نکالا

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ۹ اِنَّمَا

یہ کہ ان سے نیکی کرو اور ان سے عادلانہ رویّہ اختیار کرو تحقیق اللہ انصاف کرنیوالوں کو محبوب رکھتا ہے تمہیں تو صرف

يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

اللہ ایسے لوگوں سے روکتا ہے جو دین کی وجہ سے تم سے لڑے اور تمہیں اپنے گھروں سے نکال دیا

وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

اور تمہارے نکالنے میں ان کی مدد کی یہ کہ ان سے دوستی رکھو اور جو بھی ان سے دوستی رکھے گا پس وہ

الظّٰلِمُوْنَ ۝ ۱۰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ

ظالم ہوں گے — اے ایمان والو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کرکے آئیں

یعنی جن کافروں نے دین کے معاملہ میں تم سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی اور اپنے صلح کے عہد پر قائم ہیں۔ اور لَا يَنْهٰىكُمُ :۔
تمہاری جلاوطنی میں بھی ان کا عمل دخل نہیں ہے تو خدا ان کے ساتھ احسان کرنے سے تم کو نہیں روکتا بے شک ان کے
ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے رہو۔ البتہ وہ لوگ جو دین کے معاملہ میں تم سے لڑتے جھگڑتے رہے اور تمہاری جلاوطنی کا
باعث بنے یا اس میں ان کا ہاتھ تھا تو ایسے لوگوں کی دوستی سے خدا تم کو روکتا ہے۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ :۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جو شرائط لکھی گئی تھیں ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی کافر مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں
کے پاس آئیگا تو مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ کفار کے طلب کرنے پر اس کو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے بھاگ کر اہل مکہ
سے جا ملے گا تو وہ اس کو واپس نہ کریں گے اور یہ معاہدہ صرف مردوں کے متعلق تھا اس میں عورتوں کی واپسی کی کوئی شق موجود نہ تھی
چنانچہ ابھی عہدنامہ پر دستخط ہو ہی چکے تھے کہ ایک عورت سبیعہ بنت حارث اسلمیہ مکہ سے بھاگ کر حضور کی پناہ میں آگئی اور اس کے
پیچھے پیچھے اس کا شوہر بھی آپہنچا۔ اور اس نے اپنی بیوی کا مطالبہ کیا پس یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اس کے ایمان کا امتحان
لیا اور وہ اس طرح کہ اس سے قسم لی گئی کہ وہ شوہر سے ناراض ہو کر یا سیر کرنے کے لئے یا دنیا کے کسی فائدہ کی خاطر یا کسی مسلمان

فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا

تو ان کو آزما لیا کرو اللہ ان کے ایمان کو جانتا ہے پس اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ مومن ہیں تو ان کو کفار

تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ

کی طرف واپس نہ پلٹاؤ کیونکہ نہ یہ اُن پر حلال ہیں اور نہ وہ ان پر حلال ہیں

وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

اور دے دو ان کے مردوں کو وہ جو ان پر خرچ کر چکے ہیں (حق مہر) اور تم کو کوئی گناہ نہیں کہ ان سے نکاح کر لو جبکہ ان کا حق مہر

اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا

ادا کر دو اور نہ باقی رکھو کافر عورتوں کے نکاح کو اور مانگ لو جو تم ان پر خرچ کر چکے ہو اور وہ بھی مانگ لیں

مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱﴾

جو خرچ کر چکے ہوں یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ تمہارے درمیان حکم کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

مرد کے عشق میں مبتلا ہو کر نہیں آئی بلکہ صرف خوشنودیٔ خدا کے لئے اور اسلام کی حقانیت کے پیش نظر ہجرت کر کے آئی ہے چنانچہ اُس عورت نے اپنا حلفیہ بیان دیا پس آپ نے اس کو واپس کرنے سے انکار کر دیا اور اُس کے شوہر نے اس کو جس قدر حق مہر دیا تھا حضورؐ نے وہ اپنی جیب سے ادا کر دیا اُس کے بعد عمر بن خطاب نے اس سے نکاح کر لیا۔

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ :۔ عورتوں کے واپس نہ کرنے کا حکم اس لئے جاری ہوا کہ عورت کے مسلمان ہو جانے کے بعد نکاح تو اُس کا باقی نہ رہا۔ اب عورت و مرد جب ایک دوسرے پر حلال ہی نہیں تو واپس کرنا زنا کا پیش خیمہ تھا۔ اس لئے عورت کی واپسی منع کر دی گئی۔ اور جب کفار نے صلحنامے کی شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ شرط صرف مردوں کے لئے ہے اس میں عورت کا کوئی ذکر نہیں ہے

بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ :۔ عصم جمع ہے عصمت کی اور اس سے مراد نکاح ہے اور کوافر جمع ہے کافرہ کی یعنی جس مسلمان کے نکاح میں کافر عورت ہے وہ اگر اسلام کو قبول نہ کرے تو نکاح کی عصمت ختم ہو جاتی ہے اور وہ اپنے مسلمان شوہر پر حرام ہو جاتی ہے چنانچہ عمر کے نکاح میں دو کافر عورتیں تھیں اس آیت کے نزول کے بعد اُس نے ان دونو کو گھر سے نکالدیا اُن میں سے ایک نے معاویہ سے نکاح کر لیا اور دوسری جو عبداللہ بن عمر کی ماں تھی اُس نے ایک دوسرے کافر سے نکاح کر لیا جو اس کی قوم میں سے تھا۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ :۔ حکم خداوندی کے بعد مسلمان اس امر کے پابند ہو گئے کہ کفار کی طرف سے جو عورت ہجرت کر کے آتی تھی تو ان کے سابق شوہروں کے مطالبہ پر ان کو وہ حق مہر دیدیا جاتا تھا جو انہوں نے ان عورتوں پر خرچ کیا ہوا تھا لیکن مسلمانوں کی طرف سے جو عورت مرتد ہو کر کافروں کے پاس جاتی تھی تو وہ اس حکم کے پابند نہ تھے کہ مسلمانوں کے مطالبے کے بعد وہ

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ

اور اگر تم سے بھاگ جائے کوئی عورت کافروں کی طرف پھر تم کو غلبہ ہوا کافروں پر، تو دے دو ان کو جن کی

ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ

عورتیں چلی گئیں (مال غنیمت سے) اتنا جتنا کہ وہ خرچ کر چکے تھے اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان

مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاۗءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓي

رکھتے ہو اے نبی جب تیرے پاس مومن عورتیں آئیں کہ تیری بیعت کریں اس شرط پر

ان کی عورتوں کا حق مہر واپس کر دیں جو مسلمانوں نے ان کو دیا ہوتا تھا پس اس کے متعلق ارشاد خداوندی کہ اگر تمہاری عورتیں کفار کی طرف مرتد ہو کر چلی جائیں اور تم کو کبھی جہاد کرنا نصیب ہو تو جو مال غنیمت تم کو حاصل ہو اس میں سے ان لوگوں کو دو جتنا انہوں نے ان عورتوں کو حق مہر کے طور پر دیا تھا تاکہ وہ لوگ دوسری جگہ شادی کرنے کے قابل ہو سکیں۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کا معنی اس طرح منقول ہے کہ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کی بیوی مرتد ہو کر کفار کی طرف چلی جائے اور وہ مسلمان اسی کے عقب میں یعنی اس کے پیچھے کسی عورت سے شادی کرے تو جس قدر اس کو دوسری شادی پر حق مہر ادا کرنا پڑے اس کو دیا جائے۔ یعنی امام وقت کو چاہیئے کہ اس کو خرچہ دے۔ سائل نے سوال کیا کہ اس کی عورت کافروں کے پاس چلی گئی اور اس میں مسلمانوں کا ہاتھ نہ تھا پھر مسلمانوں کے بیت المال سے اس کا خرچہ کس لئے ادا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا ایسے مواقع پر امام ہی کو خرچہ ادا کرنا چاہیئے خواہ کہیں سے غنیمت ملے یا نہ ملے اور کہیں سے رقم مل جائے تو عامۃ المسلمین میں تقسیم سے پہلے اس قسم کی ضروریات پر خرچ کرے اور جو کچھ باقی بچے وہ دوسرے مستحقین میں تقسیم کرے گویا عَاقَبْتُمْ کا معنی ہے کہ پہلی عورت کے عقب میں دوسری سے شادی کرے۔

مسئلہ - اگر عورت اور مرد میں سے ایک مرتد ہو جائے تو ان کا باہمی نکاح ٹوٹ جاتا ہے اگر ارتداد ملی ہو تو عدت کے اندر اندر اگر توبہ کر لیں تو اسی نکاح کو برقرار رکھا جا سکتا ہے لیکن اگر ارتداد فطری ہو تو مرد کی توبہ کے قبول ہونے شیعہ فقہا میں اختلاف ہے لیکن اگر عورت مرتد ہو جائے تو عدت کے اندر اس کی توبہ کی صورت میں وہ اپنے سابق مرد کو مل جائے گی۔ اسی طرح اس کے برعکس کافر مرد و عورت دونوں مسلمان ہو جائیں تو سابق نکاح برقرار رہے گا۔ اور اگر عورت مسلمان ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جائیگا اور اس کو کسی مسلمان سے نکاح کرنے کا حق حاصل ہو گا لیکن اگر مرد مسلمان ہو جائے تو عورت کے لئے عدت تک انتظار کی جائیگی۔ اگر وہ عدت کے اندر مسلمان ہو جائے تو نکاح برقرار ورنہ نکاح ختم سمجھا جائیگا البتہ اگر عورت مشرکہ نہ ہو بلکہ کتابیہ ہو تو نکاح برقرار رہے گا۔

يُبَايِعْنَكَ :- فتح مکہ کے روز حضرت رسالتمآبؐ نے کوہ صفا پر بیٹھ کر مردوں سے بیعت لی اس کے بعد جب عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں تو یہ حکم نازل ہوا۔ اور آپ نے عورتوں سے بیعت ان شرائط پر لی جو آیت میں مذکور ہیں اور آپ نے فرمایا میں عورتوں کے

أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ

کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں چوری نہ کریں زنا نہ کریں اپنی اولاد کو قتل نہ کریں

وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا

جھوٹا بہتان نہ باندھیں (ایسے بچے کے متعلق) جو ان کے ہاتھوں پاؤں کے سامنے ہے (جو انہوں نے جنا ہے)

يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ

اور نیکی میں تیری نافرمانی نہ کریں تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے بخشش کی دعا کرو اللہ سے تحقیق اللہ

ہاتھ سے ہاتھ لگانا پسند نہیں کرتا۔ پس پانی کا پیالہ منگوایا جس میں پہلے اپنا ہاتھ مبارک ڈبویا اور نکال لیا۔ پھر بیعت کرنے والی عورت کو حکم دیتے کہ اس پانی میں ہاتھ ڈالو۔ اور یہی بیعت ہے۔ چنانچہ جب ہند بنت عتبہ بیعت کے لئے حاضر ہوئی تو اُس نے منہ پر نقاب ڈالا ہوا تھا اور عورتوں کے زمرے میں اوپری شکل کے ساتھ آئی تاکہ حضورؐ پہچان نہ سکیں۔ اُس وقت حضرت عمرؓ حضورؐ کے قریب کچھ نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ آپ نے عورتوں سے خطاب کر کے شرائط بیعت کو دہرایا سب سے پہلی شرط کو بیان کیا کہ شرک نہ کرنا تو ہند بولی کہ آپ نے مردوں سے یہ شرطیں نہیں منوائیں جو ہم سے منوا رہے ہیں۔ آپ خاموش رہے۔ پس اُس نے وہ شرط قبول کی۔ اس کے بعد دوسری شرط آپ نے بیان کی کہ چوری نہ کرنا تو ہند نے کہا میرا شوہر بخیل ہے میں نے اس کے مال سے چوری کر کے اپنے اخراجات پورے کئے ہیں کیا وہ میرے لئے حلال ہیں۔ یہ بات ابوسفیان سُن رہا تھا کہنے لگا آج سے پہلے جو کچھ کرتی رہی میں نے معاف کر دیا ہے۔ حضورؐ ہنس پڑے اور فرمایا تو ہند ہے؟ کہنے لگی جی ہاں حضورؐ۔ پس گذری باتیں معاف فرمایئے۔ اس کے بعد آپ نے تیسری شرط بیان کی کہ زنا نہ کرنا تو کہنے لگی کیا شریف عورت بھی زنا کر سکتی ہے؟ حضرت عمر بن خطاب اس کا یہ کلمہ سُن کر خوب ہنسے کیونکہ زمانِ جاہلیت میں ان کے درمیان اس قسم کا واقعہ گذرا تھا۔ یہ ہند حضرت معاویہ کی والدہ صاحبہ ہے۔

اس کے بعد آپ نے چوتھی شرط بیان کی کہ اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں تو وہ کہنے لگی ہم نے اولادوں کو قتل نہیں کیا ہم نے بچوں کو پالا جب وہ جوان ہوئے تو آپ نے قتل کر ڈالا۔ کیونکہ ہند کا بیٹا حنظلہ بن ابوسفیان جنگ بدر میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا یہ سُن کر پھر عمرؓ دوبارہ ہنسا اور حضورؐ بھی مسکرا دیئے۔ اس کے بعد آپ نے پانچویں شرط بیان کی کہ جھوٹے بہتان کے ذریعے کسی دوسرے کے بچے کو اپنے شوہر کی طرف منسوب نہ کرنا (کیونکہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے ماں کے پاؤں اور ہاتھوں کے درمیان ہوتا ہے اسی لئے کہا کہ جو تمہارے ہاتھوں اور قدموں کے درمیان ہے اس کے متعلق جھوٹا بہتان نہ باندھنا۔ یعنی

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑫ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ

بخشنے والا مہربان ہے اے ایمان والو نہ دوستی رکھو ان قوموں سے جن پر اللہ کا غضب ہے (یہودی لوگ)

عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ⑬ ع

جو آخرت سے مایوس ہیں جس طرح کہ کافر لوگ اصحاب قبور سے مایوس ہیں

اپنے شوہر کی طرف منسوب نہ کرنا اور مقصد یہ ہے کہ حرامی نسل کو فروغ نہ دینا۔ تو ہند کہنے لگی خدا کی قسم واقعی بہتان بری چیز ہے اور آپ نے ہمیں اچھے اخلاق کا درس دیا ہے۔ آخری چھٹی شرط آپ نے بیان فرمائی کہ نیکی کے کاموں میں میری نافرمانی نہ کرنا تو کہنے لگی جب ہم یہاں بیٹھے ہیں تو دل میں آپ کے متعلق کسی نافرمانی کا شائبہ تک نہیں ہے۔ فتح مکہ کا مفصل بیان اسی جلد ص۸۴ پر مذکور ہو چکا ہے۔

لَا تَتَوَلَّوْا ۔ یعنی یہودیوں کے ساتھ محبت قائم نہ رکھو وہ دیدہ دانستہ اسلام کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور آخرت کے ثواب سے وہ یقیناً مایوس ہیں جس طرح کہ مشرکین مکہ اصحاب قبور کے دوبارہ زندہ ہونے سے مایوس ہیں یا اصحاب قبور کی فریاد رسی سے مایوس ہیں۔

تفسیر کی تیرھویں جلد سورہ ممتحنہ کی تفسیر پر ختم ہوئی اور چودھویں آخری جلد انشاء اللہ سورہ صف سے شروع ہوگی۔ والحمد للہ ربّ العلمین

۳۰ اپریل [illegible] مطابق ربیع الثانی [illegible] مطابق ۸ ابیساکھ [illegible] بکرمی بروز منگل وار، [illegible] بجے صبح فارغ ہوا ہوں اور اس جلد کی کتابت کا ثواب اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ کے روح کو بخشتا ہوں اور مومنین سے خواہش ہے کہ ایک سورہ فاتحہ پڑھ کر مرحومہ کے روح کو بخش دیں جنکا انتقال ۹ جولائی ۷۱ء مطابق ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۹۱ شب جمعہ ۲ بجے ہوا۔ غفرھا اللہ۔

وما توفیقی الا باللہ